۲
علی علیہ السلام
کا راستہ
جلد ۲
تدوین وترتیب
حجۃ الاسلام محمد محمدیان
ترجمہ
حجۃ الاسلام شیخ محمد علی توحیدی
جامعۃ النجف

ولی فقیہ حضرت آیۃ اللہ سید علی خامنہ ای کے بیانات کے آئینے میں
امیر المومنین علی علیہ السلام کی "شخصیت" پر مشتمل کتاب "جاودانہ تاریخ" کا اردو ترجمہ

جلد دوم

ترجمۂ جاودانہ تاریخ

تدوین و ترتیب

حجۃ الاسلام محمد محمدیان

ترجمہ

حجۃ الاسلام شیخ محمد علی توحیدی

■ علی کا راستہ ۲

حضرت آیۃ اللہ سید علی خامنہ ای کے بیانات کے آئینے میں امیر المومنین علی علیہ السلام کی ''شخصیت'' پر مشتمل کتاب ''جاودانہ تاریخ'' کا اردو ترجمہ

- تدوین: حجۃ الاسلام محمد محمدیان
- ترجمہ: حجۃ الاسلام شیخ محمد علی توحیدی
- ناشر: جامعۃ النجف سکردو بلتستان
- کمپوزنگ: خادم حسین سینوی
- صفحات: ۳۰۴
- تعداد: ۳۰۰۰
- تاریخ اشاعت: نومبر ۲۰۱۰ء
- آئی ایس بی این: 978-969-9450-013
- مطبع: معراج دین پرنٹرز، لاہور۔
- فون: +92-5815-453387
- موبائل: +92-313-569-3011
- ای میل: jnajafskd@yahoo.com
- قیمت: مجلد: تین سو روپے

■ رابطہ

- شعبہ نشریات، جامعۃ النجف، سکردو، بلتستان پاکستان۔

■ عرض ناشر

جیسا کہ جلد اول کے مقدمے میں ذکر ہوا امیرالمومنین علیہ السلام کے بارے میں رہبر معظم کے بیانات کو محقق گرامی، دانشمند محترم جناب حجۃ الاسلام محمد محمدیان نے تین حصوں میں مرتب کیا ہے۔ پہلا حصہ ''نقش نگار'' کے نام سے چھپ گیا ہے اور دوسرا حصہ جاودانہ تاریخ کے نام سے منظر عام پر آیا ہے۔ جامعۃ النجف اسکردو نے ان دونوں کتابوں کا ترجمہ بالترتیب ''علی کا راستہ جلد اول'' اور ''علی کا راستہ جلد دوم'' کی صورت میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

موضوع بحث (امام علی علیہ السلام) کی اہمیت، موضوع کو اجاگر کرنے والی شخصیت (رہبر معظم) کی عظمت و محبوبیت، جناب آقائے محمدیان کی محققانہ کاوشوں، ترجمے کے اعلیٰ معیار اور طباعت کی گوناگوں خوبیوں کے باعث جلد اول کا پہلا ایڈیشن جلد ہی نایاب ہوگیا۔ کتاب کی اہمیت اور اس کی ضرورت کے پیش نظر ثقافتی قونصلیٹ اسلامی جمہوریہ ایران اسلام آباد اور جامعۃ الکوثر اسلام آباد کے اشتراک عمل سے انقلاب اسلامی کی اکتیسویں سالگرہ کے موقع پر ''علی کا راستہ جلد ا'' کی تقریب رونمائی اسلام آباد میں منعقد ہوئی جس میں پاکستانی اور ایرانی دانشوروں نے عصر حاضر میں اس کتاب کی ضرورت کو اُجاگر کیا۔ ان دانشوروں میں علامہ شیخ محسن علی نجفی سرپرست جامعۃ الکوثر، ڈاکٹر خالد مسعود چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل، جناب صاحب فصول ثقافتی قونصلیٹ اسلامی جمہوریہ ایران، کتاب کے مدون و محقق علامہ شیخ محمد محمدیان، جناب جسٹس افضل حیدر، ادیب و شاعر جناب شاکر شمیم، مترجم حجۃ الاسلام محمد علی توحیدی اور ایرانی محقق و دانشور ڈاکٹر عبدالحسین خسرو پناہ شامل تھے۔

جناب صاحب فصول نے اس کتاب کو اسلامی مذاہب کے درمیان قربت پیدا کرنے اور بین المذاہب آشنائی کے لئے نسخۂ کیمیا قرار دیا اور فرمایا کہ جناب توحیدی نے اس کتاب کے ترجمے کا حق ادا کر دیا ہے۔

کتاب کے مدون و محقق جناب حجۃ الاسلام آقائے محمد محمدیان نے تہران سے اپنے ویڈیو پیغام میں کہا کہ اردو زبان میں اس کتاب کے ترجمے سے یہ کتاب اردو بولنے والے ایک ارب لوگوں کے لیے فیضیابی کا باعث بنے گی۔ جناب محمدیان نے فرمایا: میں گرانقدر عالم، فاضل اور دانشور جناب آقائے توحیدی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کا بہترین انداز میں ترجمہ کیا ہے۔ افتراق و انتشار اور فتنہ و فساد سے لبریز عصر حاضر کو اپنے مسائل کے حل کے لیے ہر دور سے زیادہ علی شناسی کی ضرورت ہے۔ مجھے امید ہے کہ جناب توحیدی دوسری جلد (جاودانہ تاریخ) کا ترجمہ بھی اردو زبان میں کریں گے۔

معروف دانشور جناب جسٹس افضل حیدر نے کہا کہ آیۃ اللہ خامنہ ای نے انقلاب ایران میں اہم کردار ادا کیا۔ اسلام، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور اسلامی حکومت چلانے کے بارے میں ان کے فہم سے بہتر کسی اور کا نہیں ہو سکتا۔ عادلانہ اور متوازن اسلامی معاشرہ قائم کرنے کے لیے جان کی بازی لگانا امیر المومنین علیہ السلام کی امتیازی خصوصیت ہے۔ قرآن کا اصل موضوع انسان ہے اور علی شناسی انسان شناسی کے لیے ضروری ہے۔

جناب شاکر شمیم صاحب نے کتاب کے بہترین ترجمے اور اشاعت پر جناب توحیدی کو مبارک باد دی اور کتاب "علی کا راستہ" کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ علی کا علم، فلسفہ اور راستہ دنیا کو دہشت گردی، ناانصافی اور جملہ بحرانوں سے نجات دے سکتے ہیں۔

معروف ایرانی محقق، عالم اور دانشور ڈاکٹر خسرو پناہ نے جناب توحیدی کو خراج تحسین پیش کرنے کے بعد کہا کہ امیر المومنین علیہ السلام کے فرمودات اسلام محمدی کی جامع تعبیر ہیں اور ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اجتہاد کے ذریعے امیر المومنین علیہ السلام کی تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کریں۔

اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر خالد محمود نے فرمایا: یہ بہت اہم کتاب ہے جو ایمان اور عمل صالح کی داعی ہے۔ علم تجربے سے مخلوط ہو تو نتیجہ بخش ثابت ہوتا ہے۔ عصر علوی میں فکری انتشار، ابہامات اور جہل خوارج کی شکل میں نمودار ہوئے جنہوں نے خود علی علیہ السلام پر بھی کفر کا

فتوی لگایا۔ آج ہمارا پاکستانی معاشرہ بھی تنگ نظری اور شدت پسندی کے مرض میں مبتلا ہے جس سے نجات کے لیے ''علی کا راستہ'' موثر نسخہ ہے کیونکہ علیؑ نے اپنے دشمنوں کو بھی معاشرتی حقوق سے محروم نہیں کیا۔ ہم اس کتاب کو فخر کے ساتھ پوری دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر خالد محمود نے کتاب کے ترجمہ واشاعت پر علامہ توحیدی کو نیز تقریب رونمائی کے اہتمام پر علامہ نجفی اور صاحب فصول کو دادِ تحسین سے نوازا۔

جامعۃ الکوثر کے سرپرست علامہ نجفی نے اپنے کلمات میں فرمایا کہ علی الٰہی اور انسانی قدروں کا نام ہے جو کسی فرقے یا مذہب سے مختص نہیں۔ علی اتحاد کے داعی تھے لیکن لوگوں نے اسی میں اختلاف شروع کیا۔ ایران کے اسلامی انقلاب کے بانی امام خمینی ہیں اور اس کے محافظ آیۃ اللہ خامنہ ای ہیں۔ مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ جناب توحیدی آئندہ بھی اپنی علمی کاوشوں سے اسلام کے علمی ذخائر میں اضافہ کرتے رہیں گے۔

یاد رہے کہ ''علی کا راستہ ج ۱'' کی معیاری اشاعت کے بعد مترجم جناب آقائے توحیدی زیدت توفیقاتہ کو یہ کتاب رہبر معظم حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس موقع پر رہبر معظم نے اپنی دعاؤں کے ساتھ ان سے دوسری جلد (جاودانہ تاریخ) کا ترجمہ کرنے کے لئے بھی فرمایا جس کی تعمیل میں موصوف نے کم وقت میں دوسری جلد کا بھی بامحاورہ، رسا، سلیس، اور جامع ترجمہ مکمل کیا جو اب طباعت کے زیور سے آراستہ ہو کر ''علی کا راستہ ج ۲'' کی صورت میں قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے۔

اس جلد میں علی علیہ السلام کی لازوال، باکمال، جامع المحاسن اور بے عیب شخصیت کی مختلف جہات پر بحث کی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امام اول علی علیہ السلام کی شخصیت اور علوی سیرت و کردار کو عالم بشریت کے لئے نمونہ کامل اور انفرادی واجتماعی میدانوں میں نجات کا ضامن قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں رہبر معظم نے قرآن کریم کی آیات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات، ائمہ معصومین علیہم السلام کے فرمودات، شیعہ وسنی دانشوروں کے بیانات، اور مسلم وغیر مسلم شخصیات کے اعترافات سے استدلال کیا ہے۔

آیۃ اللہ خامنہ ای کے بیانات تفسیر، حدیث، تاریخ، سیرت، مناقب، عقائد اور دیگر علوم کی معتبر کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ موصوف کے حکیمانہ تبصروں اور عالمانہ تجزیوں نے اس کتاب کی افادیت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ انہوں نے امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت کے ان عملی گوشوں کو زیادہ اجاگر کیا ہے جن سے روشنی حاصل کرتے ہوئے اور اپنی عملی زندگی کو ان کے مطابق ڈھالتے ہوئے کرہ ارضی پر بسنے والے انسان کمال اور فلاح و کامیابی کی منزل تک اطمینان سے رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ رہبر معظم نے امام اول کی شخصیت کی کچھ یوں تصویر کشی کی ہے جس سے آپ علیہ السلام کا قرآن ناطق، مجسم قرآن اور مکمل نمونۂ عمل ہونا ظاہر و عیاں ہوتا ہے۔

چھبیس فصلوں پر مشتمل اس کتاب میں امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت کے درجنوں دلربا پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کو پڑھ کر ہر باضمیر، حق پرست اور منصف مزاج انسان علی کا عاشق و دلدادہ اور علی علیہ السلام کے راستے پر گامزن ہونے کے لئے بے قرار ہو جاتا ہے۔

کتاب کے آخری حصے میں گرامی قدر دانشور حجۃ الاسلام محمد محمدیان نے جن تحقیقی ضمائم اور منابع و مآخذ کا اضافہ کیا ہے نیز کتاب کے ہر صفحے کے نیچے جن حوالہ جات کو درج کیا ہے وہ نہایت قابل قدر ہیں۔ جناب محمدیان سیرت امیر المومنین پر گہری نظر رکھنے والے محقق ہیں جنہوں نے امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں خود امیر المومنین کے فرمودات کی روشنی میں سات جلدوں پر مشتمل گرانقدر تحقیقی کتاب لکھی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ کتاب حاضر نہ صرف ہمارے اسلامی بلکہ پورے انسانی معاشرے کو حقیقی کامیابی و فلاح کے صراط مستقیم پر گامزن کرنے میں مدد و معاون اور راہ کشا ثابت ہو گی۔ اللہ تبارک و تعالی امیر المومنین علیہ السلام کے طفیل اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبولیت کا درجہ عطا فرمائے، ہمیں اس امام ہمام کی حقیقی پیروکاری کا شرف عنایت کرے اور آپ علیہ السلام کی سیرت و تعلیمات کو پوری دنیا میں پھیلانے کی توفیق سے نوازے۔

آخر میں ہم اس بابرکت کتاب کو منظر عام پر لانے میں سہیم شخصیات، اداروں اور کرمفرماؤں کے مشکور و ممنون اور دنیا و آخرت میں ان کی عظیم کامیابی کے لئے دست بدعا ہیں نیز قارئین کرام کے نیک اور حکیمانہ مشوروں کے منتظر ہیں۔

(ادارہ)

پیش لفظ

اگر کسی دن دنیا کی تمام اقوام ایک عظیم ثقافتی مقابلے میں شرکت کریں اور اس عالمی مقابلے کا مقصد یہ ہو کہ ہر قوم وملت کے ہاں موجود مکاتب فکر کے تربیت یافتہ لوگوں میں سے ایک بہترین نمونے کا انتخاب عمل میں آئے اور وہ یوں کہ ہر دین اور مکتب فکر اپنے بہترین انسان کو پیش کرنے کی پوری پوری کوشش کرے اور بغیر کسی مانع یا محدودیت کے اپنے ہاں کا عملی انسانی نمونہ پیش کرے تو یقیناً ہم مسلمان علی ابن ابی طالبؑ کو پیش کر کے بغیر کسی مزاحمت کے یہ مقابلہ جیت لیں گے نیز تعصب سے عاری اور بیدار مغز اقوام اس کامیابی کے آگے سر تسلیم خم کریں گی۔

البتہ یہاں ضروری ہے کہ ہم امیر المومنینؑ سے معذرت طلب کریں کہ ہم نے آپ کا موازنہ ان لوگوں سے کیا جن کے اور آپ کے درمیان بعد المشرقین ہے۔ جی ہاں اگر ہم اس عظیم مقابلے میں علی ابن ابی طالبؑ کے ہاں تربیت یافتہ کسی شاگرد کو ہی پیش کریں تب بھی ہماری کامیابی یقینی ہے۔ ہمیں رسول اللہؐ کو مبارک باد دینی ہوگی کہ آپ نے اس قدر عظیم اور بے نظیر شاگرد کی تربیت کا سامان کیا اور قرآن کی تمام آیات کو اس کے وجود کی کتاب میں سمو دیا۔ اگر ہم یہ کہیں کہ رسول ختمی مرتبتؐ نے اپنی حقانیت کے اثبات کے لیے عالم بشریت کے سامنے دو زندۂ جاوید معجزے پیش کیے جن

میں سے ایک علمی معجزہ یعنی قرآن ہے جبکہ دوسرا چلتا پھرتا اور عملی معجزہ یعنی علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہوگی۔

صدیوں سے دنیا کے دانشور قرآنی آیات کو سمجھنے کی کوشش کرتے چلے آئے ہیں اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ قرآن کی نورانیت میں اضافہ ہی ہوتا رہا ہے نیز اس کے عمیق سے عمیق تر مفاہیم ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت کا بھی یہی حال ہے کیونکہ علی علیہ السلام کی ولادت کے بعد چودہ صدیاں گزر چکی ہیں لیکن ہر دور کے انسانوں نے یہ محسوس کیا ہے کہ گویا علی علیہ السلام نے ان کے ساتھ زندگی گزاری ہے اور آپ علیہ السلام کی باتیں ان کے دور سے مربوط ہیں۔ ہر عصر کے لوگوں نے علی علیہ السلام کو اپنے دور سے مربوط سمجھا ہے اور آپ کی ولادت کو زمانے کی رفتار سے بہت پہلے گردانا ہے۔ آج کا دور ہمارا دور ہے اور ہم بھی یہی سمجھتے ہیں بلکہ ہمیں یقین ہے کہ بعد والی نسلیں علی علیہ السلام کو زیادہ بہتر انداز میں پہچانیں گی اور آپؑ سے بہتر مانوس ہوں گی۔

امیر المومنین علیہ السلام دنیا کی ان نادر شخصیات میں سے ایک ہیں جنہوں نے دنیا کو انگشت بدنداں کر دیا ہے۔ چودہ صدیوں سے دنیا بھر کے دانشور اور نابغہ روزگار اذہان مولا علی علیہ السلام کی شخصیت کی مختلف جہات کو دیکھ کر حیرت زدہ ہیں۔ وہ آپ کی شخصیت کے بحر بیکراں کی گہرائیوں میں جس قدر دور تک چلے جاتے ہیں اسی قدر ان کی حیرت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام وہ ہستی ہیں:

۱۔ جس کی طہارت و پاکیزگی کی گواہی خداوند متعال نے یوں دی ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا [۱]

۲۔ جسے خدا نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کے نام سے یاد کیا ہے۔

---

[۱] الاحزاب ۳۳

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ [1]

پس ان (نصاریٰ) سے کہدے: آؤ کہ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اورتم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنی عورتوں کو بلائیں اورتم اپنی عورتوں کو بلاؤ نیز ہم اپنی جانوں کو بلائیں اورتم اپنی جانوں کو بلاؤ، پھر ہم مباہلہ کریں اور جھوٹوں کو رحمت خداوندی سے دور قرار دیں۔

۳۔ جس کی محبت ومودت کو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی رسالت کا اجر قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ [2]

کہدے: میں تم لوگوں سے کوئی اجر رسالت طلب نہیں کرتا سوائے میرے اہل بیت کی مودت کے۔

۴۔ جس کی ولایت کو اللہ نے تکمیل دین کا موجب قرار دیا ہے:

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا [3]

۵۔ جس کی ولایت کی تبلیغ نہ کرنے کی صورت میں رسول کی تبلیغ رسالت رائیگان محسوب ہوتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ [4]

اے رسول! تیرے رب کی طرف سے تجھ پر جو (حکم) نازل ہوا

---

[1] آل عمران،۶۱ [2] شوریٰ،۲۳ [3] مائدہ،۳ [4] مائدہ،۶۷

ہے اسے لوگوں تک پہنچا دے۔ اگر تو اسے نہ پہنچائے تو گویا تو
نے تبلیغ رسالت ہی نہیں کی۔ اللہ تجھے لوگوں کے (ممکنہ شر)
سے بچائے گا۔ بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

۶۔ جس کی ولایت قبول کرنے کا لوگوں کو حکم دیا گیا ہے:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُولُہٗ وَالَّذِینَ آمَنُوا الَّذِینَ یُقِیمُونَ
الصَّلاۃَ وَیُؤْتُونَ الزَّکَاۃَ وَھُمْ رَاکِعُونَ[1]

تم لوگوں کا سرپرست صرف اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ
ایمان لانے والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع
میں زکات دیتے ہیں۔

۷۔ جس کی راتیں اللہ کے حضور نماز اور سجدے میں گزرتی تھیں نیز جس کا دل خوف ورجاء کی آماجگاہ تھا۔ آپؐ رات کو مختصر سا آرام فرماتے تھے نیز آدھی رات اور سحر کے وقت اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے اور خلوت میں خدا کے حضور استغفار ومناجات میں مشغول رہتے تھے۔

اَمَّنْ ھُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّیْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا یَحْذَرُ
الْآخِرَۃَ وَیَرْجُو رَحْمَۃَ رَبِّہٖ[2]

وہ رات کو مصروف عبادت رہتا ہے اور سجدہ وقیام کی حالت
میں آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے اور اپنے پروردگار کی
رحمت کی امید رکھتا ہے۔

کَانُوا قَلِیلًا مِنَ اللَّیْلِ مَا یَھْجَعُونَ وَبِالْأَسْحَارِ ھُمْ
یَسْتَغْفِرُونَ[3]

وہ رات کو تھوڑی دیر کے لیے سوتے تھے اور صبح کے وقت
استغفار کیا کرتے تھے۔

۸۔ جس نے رضائے الٰہی کی خاطر اپنی جان طبق اخلاص میں سجا کر اللہ کی راہ

---

[1] مائدہ۔ ۵۵ [2] زمر، ۹ [3] ذاریات، ۱۷۔ ۱۸

میں پیش کی تھی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِى نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ[1]

اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کا سودا کرتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

۹۔ جو اللہ کے ساتھ عہد و پیمان کو دل سے نبھاتا تھا اور شہادت کا منتظر رہتا تھا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا[2]

مومنین میں سے بعض نے اللہ کے ساتھ اپنا عہد نبھالیا۔ سو ان میں سے کچھ نے اپنے وعدے کو آخر تک پہنچایا (شہید ہوئے) اور کچھ منتظر ہیں۔ انہوں نے اپنے عہد و پیمان میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

۱۰۔ جس نے زندگی بھر محروموں کی مدد، بے نواؤں پر توجہ، بیچاروں سے ہمدردی اور یتیموں کی دادرسی کی خاطر زمانے کی سختیاں جھیلیں نیز اپنے گھرانے کی معیت میں کئی دن کا بھوک برداشت کیا۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا[3]

وہ کھانے کی رغبت کے باوجود مسکین، یتیم اور اسیر کو کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں:) ہم تمہیں صرف خدا کی خاطر کھلاتے ہیں۔ ہم تم سے کسی صلے یا تشکر کی خواہش نہیں رکھتے۔

---

[1] بقرہ، ۲۰۷ [2] احزاب، ۲۳ [3] انسان، ۸۔۹

۱۱۔ جو دینوی، مالی اور مادی وسائل کو تقرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھتا تھا۔ وہ حکمتِ نبوی کے سرچشمے سے سیراب ہونے کے لیے آیتِ نجوی پر عمل کرنے والا واحد شخص تھا۔

يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ [1]

اے ایمان لانے والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنا چاہو (خصوصی گفتگو کرنا چاہو) تو سرگوشی سے پہلے صدقہ دیا کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر اور زیادہ پاکیزگی کا موجب ہے۔ اگر تمہیں یہ میسر نہ ہو تو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا، بہت رحم والا ہے۔

۱۲۔ جو نفس مطمئنہ کا مالک تھا اور عالم رضا میں راضی (اللہ سے خوش) اور مرضی (اللہ کے ہاں پسندیدہ) تھا۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي [2]

اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف اس حالت میں پلٹ جاؤ کہ تو اس سے اور وہ تجھ سے راضی ہو۔ پس میرے بندوں میں شامل ہو جاؤ اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔

علاوہ ازیں قرآن کی سینکڑوں دیگر آیات بھی امیر المومنین علیہ السلام کی تابناک شخصیت کا تعارف پیش کرتی ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت سے بہتر اور بیشتر آشنائی کے لیے ہم نے آپؑ کے ایک نظریاتی شاگرد کا رخ کیا جس نے ایک طویل عمر آپ علیہ السلام کے خوانِ علم کی خوشہ چینی میں گزاری ہے۔ وہ اس سلسلے میں وسیع مطالعات کا حامل ہے۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے

---

[1] مجادلہ، ۱۲ [2] فجر، ۲۷۔۳۰

علم کو عمل کا جامہ بھی پہنایا ہے۔

مکتبِ علوی کے اس شاگردِ رشید نے آج اس عظیم شخصیت کے گرانقدر پرچم عدل کو حقیقی معنوں میں اپنے ہاتھ میں تھام لیا ہے۔ آج وہ ایک ایسی ملت کے آگے آگے چل رہا ہے جس کی رگ و پے میں علیؑ کا عشق موجزن ہے۔ وہ امیر المومنین علیہ السلام کے اہداف کو عملی جامہ پہنانے کا خواہاں ہے اور چاہتا ہے کہ ایک ہزار چار سو سال بعد آپؑ کی ندا پر لبیک کہے۔

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے فوراً بعد سے لے کر اب تک حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای نے امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں جتنی تقریریں کی ہیں ان کا مجموعہ ایک گرانقدر علمی سرمایہ ہے۔ ان بیانات میں امام اول علیہ السلام کی شخصیت کے مختلف گوشوں کا جائزہ لیا گیا ہے اور ایسے نکات کو اجاگر کیا گیا ہے جو لطیف و عمیق ہونے کے ساتھ ساتھ مفید اور دلکش بھی ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام کے چاہنے والوں کے لیے ایک زرین موقع ہے کہ وہ ان علمی نکات کے ذریعے اس عظیم امام کے بارے میں اپنی معرفت کے خزینے میں اضافہ کریں اور سیرتِ علوی سے فیض حاصل کرتے ہوئے اپنی آئندہ زندگی کے لیے موثر منصوبہ بندی کریں۔

اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کی سیرت اور شخصیت کے بارے میں حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای دام ظلہ کا مطالعہ حیرت انگیز ہے۔ امام علیہ السلام کی زندگی (جو نشیب و فراز سے لبریز ہے) کے بارے میں موصوف کے عالمانہ تجزیے ان کی باریک بینی اور زبردست قوتِ تفکر و تخیل کے آئینہ دار ہیں۔ حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای کی تقریروں کا جو مجموعہ ہمارے پاس موجود رہا ہے وہ اسلامی انقلاب کے بعد کے دور سے مربوط ہے۔ اکثر تقریریں نماز جمعہ کے خطبوں کی شکل میں یا امیر المومنین علیہ السلام کی ولادت و شہادت کے ایام میں لوگوں کے ساتھ ملاقاتوں کے دوران کی گئی ہیں۔ اسی لیے موصوف اپنی تقریروں میں منابع و مآخذ کے ذکر سے معذور تھے۔ اس کے باوجود جب ہم نے تاریخی مآخذ کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ موصوف نے معتبر ترین مآخذ سے استفادہ کیا ہے اور اپنے بیانات کو مضبوط اسناد و مدارک سے اخذ کیا ہے۔

ایک بہت ہی دلچسپ پہلو یہ سامنے آیا کہ موصوف کے بیانات میں تکرار کا پہلو بہت کم نظر آتا ہے۔انہوں نے امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں اپنی ہر تقریر میں اپنے سابقہ بیانات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے تکرار سے اجتناب کیا ہے اور امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی یا شخصیت کے نئے گوشوں کو اجاگر کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ستائیس سال بعد آج امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں موصوف کے بیانات کا ایک نسبتاً کامل ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ رہبر معظم کے بیانات کو تین حصوں میں مرتب کریں۔

۱۔امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کے تاریخی گوشے[۱]

اس حصے میں امام اول علیہ السلام کی زندگی کی تاریخ پر طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے اور اکثر ایسے گوشے نقل کیے گئے ہیں جن کا تذکرہ نسل نو کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل ہے اور جنہیں نمونہ عمل قرار دینا زیادہ ضروری ہے۔یہ حصہ ۱۳۸۴ھ ش میں ''نقش نگار'' کے نام سے چھپ کر منظر عام پر آیا۔(جس کا اردو ترجمہ ''علی کا راستہ'' (جلد اول) کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔)

۲۔امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت

اس حصے میں قرآنی آیات،احادیث نبوی،معصومین کے فرامین اور تاریخی اسناد کی روشنی میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا تجزیہ و تحلیل پیش کیا گیا ہے اور آپؑ کی سیرت و اخلاق سے مربوط قابل ذکر نکات سامنے لائے گئے ہیں۔زیر نظر کتاب (جاودانہ تاریخ) اسی حصے سے عبارت ہے۔(اس کا اردو ترجمہ ''علی کا راستہ جلد۲'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔مترجم)

۳۔امیر المومنین علیہ السلام کے فرمودات

رہبر معظم نے اپنی تقریروں میں امیر المومنین علیہ السلام کے فرمودات سے جگہ جگہ استفادہ

کیا ہے اور جہاں جہاں موقع ملا ان فرمودات کے بارے میں توضیحات دی ہیں۔ یہ بیانات جو درحقیقت امیر المومنین علیہ السلام کے فرمودات کے بعض حصوں کی تشریح و تفسیر محسوب ہوتے ہیں اس حصۂ سوم میں جمع کیے گئے ہیں۔ خداوند متعال سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں تیسرے حصے کی تکمیل کی بھی توفیق عنایت فرمائے۔

آخر میں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اس کاوش میں جو عیب و نقص نظر آئے اس کا تعلق راقم سے ہے جبکہ اس میں موجود ہر حسن و خوبی کا تعلق رہبر معظم کی توفیقات سے ہے۔ والحمد للہ رب العالمین، اللھم اجعلنا من اھل الیقین و من شیعة امیرالمومنین علیه افضل صلوات المصلین

عید غدیر، ۱۸ ذی الحجہ، ۱۴۲۷ھ ق

۱۸ دی ۱۳۸۵ھ ش

محمد محمدیان

■ لامتناہی جہات کی حامل شخصیت

ایک ناشناختہ شخصیت

امیر المومنین علیہ السلام کی ذات سے آشنائی رکھنے والے سارے مسلمان اور غیر مسلم لوگ صدیوں سے آپ علیہ السلام کے بارے میں گفتگو کرتے اور لکھتے چلے آئے ہیں اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے لیکن جو کچھ اب تک کہا گیا ہے وہ اس عجوبہ روزگار، اللہ کی قدرت کاملہ کے مظہر اور رب العالمین کے اس کلمہ تامہ کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو ہمارے لیے واضح کرنے سے قاصر ہے۔

واضح رہے کہ اس ناکامی میں زیادہ حصہ ہمارا ہے کیونکہ ہم لوگ اپنے محدود افکار اور مادی اقدار سے مغلوب اذہان کے ذریعے اس شخصیت کے عظیم معنوی اور روحانی زاویوں کے ادراک کی طاقت سے عاری ہیں۔[1]

---

[1] اس مشہور حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امیر المومنین علیہ السلام سے فرماتے ہیں: یا علی ما عرف اللہ حق معرفتہ غیری و غیرک وما عرفک حق معرفتک غیر اللہ و غیری ((اے علی! سوائے میرے اور آپ کے کسی نے اللہ کو اس طرح نہیں پہچانا جس طرح اسے پہچاننے کا حق ہے نیز اللہ اور میرے سوا کسی نے آپ کو اس طرح نہیں پہچانا جس طرح آپ کو پہچاننے کا حق ہے۔)) مناقب ابن شہر آشوب جلد۳ صفحہ ۲۶۷، ارشاد القلوب جلد۲ صفحہ۹، تأویل الآیات الظاہرۃ صفحہ۱۴۵ و صفحہ ۲۲۷، بحار الانوار جلد۳۹، صفحہ۸۴

ہماری مثال اس بے علم، بے ہنر اور نوآموز نقاش کی طرح ہے جو پنسل کی مدد سے ایک خوبصورت چہرے کی تصویر کشی کرنے کا خواہاں ہو۔ یوں ہم کئی لکیریں اِدھر اُدھر کھینچ کر ایک شکل تو بنا سکتے ہیں لیکن یہ وہ خوبصورت چہرہ نہیں ہو سکتا۔ ایں کجا وآں کجا؟

لیکن بہر حال ہماری تراشی ہوئی یہی ناقص تصویر اس قدر خوبصورت، اس قدر قیمتی اور اس قدر دلکش ہے جو انسانوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔ (۱)

امام علیہ السلام کی شناخت میں بشری صلاحیتوں کی ناکامی

امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی (اور اس کی مختلف جہات) کے معاملے میں آپ ایک بحرِ بیکراں کا تصور کیجئے۔ ایک نظر میں اس سمندر کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا دور کی بات ہے بلکہ طویل مطالعے کے بعد بھی انسان ایسا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ آپ جس جانب سے بھی مطالعہ کریں ایک عظیم دنیا نظر آئے گی۔ مختلف سمندری نظارے، بے تحاشا گہرائیاں، قسم قسم کی آبی مخلوقات، سمندری حیات کی مختلف شکلیں اور بحری عجائبات۔ اگر آپ ایک زاویے کو چھوڑ کر دوسرے زاویے سے وارد ہوں تو وہاں بھی یہی کچھ نظر آئے گا۔ اگر آپ تیسرے یا چوتھے یا پانچویں یا دسویں زاویے سے نگاہ کریں (یعنی جہاں سے بھی ملاحظہ کریں) تب بھی آپ کو عجائبات ہی عجائبات نظر آئیں گی۔ [۱]

یہ امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت (کی شناخت کے بارے میں) ایک ناقص اور چھوٹی سی مثال ہے۔ آپ مولا کی شخصیت کو جس زاویے سے دیکھیں گے وہاں عجائبات کا ہی مشاہدہ کریں گے۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ یہ عقلِ انسانی کی عاجزی کی علامت ہے کہ سالہا سال تک امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ محسوس کرے کہ علی علیہ السلام (کی عظیم شخصیت) کو عام فہم وادراک یعنی عام انسانی ذہن، عقل، قوت حافظہ اور ذکاوت

۱۔ قل لو كان البحر مدادا لكلمات ربي لنفد البحر قبل ان تنفد كلمات ربي و لو جئنا بمثله مدداً (کہف، آیت ۱۰۹) ((کہدے کہ اگر سمندر میرے رب کے کلمات کو لکھنے کے لیے سیاہی بن جائیں تب بھی میرے رب کے کلمات کے اختتام سے پہلے ہی سمندر ختم ہو جائیں گے اگرچہ ہم ان (سمندروں) کی طرح کے اور سمندروں سے بھی مدد لیں۔))

کے ذریعے سمجھنا ممکن نہیں ہے اور ہر زاویہ محیر العقول ہے۔

یاد رہے کہ امیر المومنین علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چھوٹی تصویر اور آپ علیہ السلام کے شاگرد ہیں[1] لیکن جب ہم اسی عظیم شخصیت کو جو ہمارے مدنظر ہے انسانی نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں تو وہ ہمیں ایک مافوق بشر شخصیت نظر آتی ہے (اگرچہ امام علیہ السلام اپنے آپ کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں چھوٹا اور معمولی گردانتے ہیں نیز اگرچہ آپ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاگرد ہیں۔)

یاد رہے کہ بعض ایسی ہستیاں بھی موجود ہیں جو شاید معنوی و روحانی شہود و حضور کے عالم میں امام کی عظیم شخصیت کے بعض پہلوؤں کو سمجھ سکیں لیکن یہ ہم جیسے لوگوں کے بس سے باہر ہے۔ (۲)

---

[1] امیر المومنین علیہ السلام کا مشہور قول ہے: انا عبد من عبید محمد (صلی اللّٰہ علیه و آله) ((میں محمد کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں)) اصول کافی جلد۱ صفحہ ۹۰، احتجاج طبرسی جلد۱ صفحہ ۳۱۳، بحار الانوار جلد ۳ صفحہ ۲۸۳ امیر المومنین علیہ السلام نے ایک خطبے میں فرمایا: وقد علمتم موضعی من رسول اللّٰہ بالقرابة القريبة و المنزلة الخصيصة وضعني في حجره و أنا ولد يضمني الى صدره و يكنفني في فراشه و يمسني جسده و يشمني عرفه و كان يمضغ الشيء ثم يلقمنيه وما وجد لي كذبة في قول ولا خطلة في فعل ولقد قرن الله به من لدن ان كان فطيما اعظم ملك من ملائكته يسلك به طريق المكارم و محاسن اخلاق العالم ليله و نهاره ولقد كنت أتبعه اتباع الفصيل أثر أمه يرفع لي في كل يوم من أخلاقه علما و يأمرني بالاقتداء «تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میری نزدیکی قرابت اور آپؐ کے ہاں میرے مقام و منزلت سے خوب آگاہ ہو۔ میرے بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دامن میں میری پرورش کی۔ آپ مجھے اپنے سینے سے لگاتے تھے، مجھے اپنے بستر میں سلاتے تھے، اپنا بدن میرے بدن سے چپکاتے تھے، اپنے پسینے کی خوشبو مجھے سونگھاتے تھے اور کھانے کی چیزیں خود چبا کر مجھے کھلاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری باتوں میں جھوٹ کا کوئی شائبہ نہیں پایا اور میرے کردار میں کوئی لغزش نہیں پائی۔ جب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماں کا دودھ چھوڑا تب سے اللہ نے آپ کے ساتھ اپنے فرشتوں میں سے ایک عظیم فرشتے کو مامور کیا جو آپ کو رات دن بزرگی اور اخلاقی محاسن کے راستے پر چلاتا تھا۔ میں سائے کی طرح آپ کے پیچھے پیچھے چلتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز اپنے اخلاق حسنہ کے ایک نئے نکتے سے مجھے نوازتے تھے اور مجھے اس کی اقتداء کا حکم دیتے تھے۔» نہج البلاغہ (صبحی صالح) خطبہ ۱۹۲، صفحہ ۳۰۰

امام علیہ السلام کی ظاہری خصوصیات کی تصویر کشی بھی ممکن نہیں

درحقیقت نہ صرف یہ کہ امیر المومنین علیہ السلام کے معنوی اور عرفانی پہلوؤں اور خصائل کو (جو آپ علیہ السلام کو تاریخ کے تمام انسانوں میں ممتاز اور تاریخ بشریت کی عظیم ترین شخصیات میں سے ایک ٹھہراتے ہیں) بیان کرنا اور سمیٹنا ممکن نہیں بلکہ آپ علیہ السلام کی زندگی کے عملی پہلوؤں یعنی آپ کی حکمرانی، آپ کے جہاد اور آپ کے زہد و تقویٰ وغیرہ کو بھی کسی پیرائے میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ (۳)

امام علیہ السلام کے بلند عرفانی مقامات تک ہماری عدم رسائی

امیر المومنین علیہ السلام کی بعض خصوصیات معنوی اور ملکوتی نوعیت کی ہیں۔ انہیں سمجھنے سے ہم عاجز ہیں۔ امام کا علمی مقام، آپ کی نورانیت، آپ کا تقدس، آپ کے باطن اور قلب میں موجزن حقائق جو حکمت آمیز کلمات کی صورت میں آپ کی زبان مبارک سے صادر ہوتے تھے نیز اللہ کے ساتھ آپ کا قرب اور آپ کا ذکر الٰہی جو آپ کے جملہ گفتار و کردار اور احوال پر محیط تھا وہ امور ہیں جو آپ کی نورانی فطرت[۱] کی طرح ہمارے لیے مکمل طور پر قابل فہم نہیں ہیں لیکن ہم انہیں مانتے ہیں اور ان پر فخر کرتے ہیں کیونکہ ہم نے انہیں ان سچی ہستیوں سے سنا ہے جن کی تصدیق اللہ نے کی ہے۔ (۴)

ایک اشارہ دور سے

اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر ائمہ معصومین علیہم السلام کی طرح امیر المومنین علیہ السلام کی معنوی اور روحانی زندگی کی خصوصیات پر توجہ کی جائے تو انسان کا مادی ذہن امام علیہ السلام کی حقیقت کے تصور سے عاجز رہے گا۔ ہم لوگ تو بس دور سے امام علیہ السلام کی معنوی، ملکوتی اور نورانی شخصیت کی طرف فقط ایک اشارہ ہی کر سکتے ہیں۔ البتہ معرفت کی یہ مقدار بھی لازم ہے۔ اگر ہم ان عظیم ہستیوں کی شخصیت کو کما حقہ درک نہیں کر سکتے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم

---

[۱] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علیہ السلام کی نوری خلقت کے بارے میں کتب حدیث میں بہت سی روایات موجود ہیں۔

سرے سے ان کے بارے میں گفتگو، تحقیق اور اظہار خیال سے ہی پرہیز کریں۔ یہ بہانہ درست نہیں۔

یہ عالم خلقت کا ایک عظیم حصہ ہے۔ اسی لیے احادیث میں اس زاویے یا ائمہ علیہم السلام کی شخصیت کے اس حصے کے بارے میں گفتگو، اشارات اور بیانات پائے جاتے ہیں۔ یہ نکتہ روشن ضمیر ارباب دل کے لیے واضح ہے البتہ ہم اور میرے جیسے لوگ فکر و نظر کی اس بلندی سے محروم ہیں جس کی بدولت ہم اس ولر باد رخشندگی پر اپنی نظریں مرکوز کرسکیں۔[1]

امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت کا دوسرا حصہ ان فضائل و امتیازات سے عبارت ہے جو اسی مادی زندگی یا آپ علیہ السلام کی دنیوی زندگی کے مظاہر مثلاً علم، تقوی، عبادت، شجاعت، کمزوروں پر رحم و شفقت، عادلانہ حکمرانی اور اس قسم کی دیگر خصوصیات سے مربوط ہیں۔

یہی حال ان امور کا ہے جنہیں مذکورہ خصوصیات کے مقابلے میں ثانوی حیثیت حاصل ہے مثلاً فصاحت و بلاغت اور نظم و نثر وغیرہ۔ جو صاحب فکر ان کے بارے میں غور و فکر کرے گا اس کے آگے (معرفت کے) بہت سے دروازے کھل جائیں گے۔ (۵)

امام علیہ السلام کی عظیم روح سے استمداد

مولائے متقیان علیہ السلام کے فضائل اور آپ کی شخصیت اس قدر عظیم اور بلند نیز عام

---

[1] معاویہ کے نام اپنے ایک خط میں امیر المومنین علیہ السلام اپنے اور اہل بیت علیہم السلام کے معنوی مرتبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فانّا صنائع ربنا و الناس بعدُ صنائع لنا ((ہماری تخلیق اور تربیت اللہ کے ہاتھوں انجام پائی ہے جبکہ لوگوں کی پرورش اور تربیت ہم نے کی ہے۔)) نہج البلاغہ مکتوب نمبر ۲۸ صفحہ ۳۸۶۔

اسی طرح اپنے ایک خطبے میں آل محمد علیہم السلام کا تعارف یوں پیش فرماتے ہیں: لا یقاس بآل محمد (صلی اللّٰہ علیہ والہ) من ھذہ الامة احد و لا یسوی بھم من جرت نعمتھم علیه ابداً، ھم اساس الدین و عماد الیقین، الیھم یفیء الغالی و بھم یلحق التالی و لھم خصائص حق الولایة و فیھم الوصیة و الوراثة ((نہ اس امت کے کسی شخص کا موازنہ آل محمد علیہم السلام کے ساتھ کیا جاسکتا ہے اور نہ ان کے خوان نعمت کے خوشہ چینوں کو ان کے برابر قرار دیا جاسکتا ہے۔ آل محمد دین کی بنیاد اور یقین کی تکیہ گاہ ہیں۔ آگے نکل جانے والے انہی کی طرف پلٹتے ہیں جبکہ پیچھے رہ جانے والے ان سے ملحق ہوتے ہیں۔ حق ولایت کی خصوصیات انہی سے مختص ہیں اور (رسول کی) وصیت و وراثت کا تعلق انہی سے ہے۔)) نہج البلاغہ خطبہ ۲، ص ۴۷

لوگوں کے ناقص اذہان کی سطح سے اس قدر ماوراء ہیں کہ درحقیقت آپ علیہ السلام کی عظیم اور پاکیزہ روح سے مدد لیے بغیر آپ کی زبردست شخصیت کا ایک اجمالی خاکہ بھی ذہن میں نہیں آسکتا۔[1] اس کے باوجود چونکہ یہ عالم بشریت کی سب سے بلند چوٹی ہے لہٰذا اس کی طرف توجہ کیے بغیر یا اس کی طرف حرکت کیے بغیر چارہ نہیں۔

خوش قسمتی سے آپ علیہ السلام کے فضائل ومناقب ایک بحر بیکراں کی طرح ہیں چنانچہ ہم جس طرف سے بھی سے وارد ہوں اور بشری خصوصیات کے جس شعبے کو بھی مدنظر رکھیں ہمیں فیض عظیم حاصل ہوگا۔[2] (۲)

تاریخ کا سب سے دلربا چہرہ

امیر المومنین علیہ السلام تاریخ بشریت کے دلکش کرداروں میں سے ایک ہیں۔ شاید انسان امیر المومنین علیہ السلام جیسی تاریخی شخصیت سے بہت کم روبرو ہو جو (ملت اسلامیہ کے علاوہ) تمام انسانوں کے ہاں آپ کی طرح محبوب ہو۔ بہت سے غیر مسلم ایسے ہیں جو اسلام بلکہ رسول کو بھی نہیں مانتے لیکن علی علیہ السلام کے دلباختہ ہیں نیز آپ کا احترام اور آپ کی تعریف وتمجید کرتے ہیں۔[3]

---

[1] اسی لیے آپ علیہ السلام بعض مقامات پر اپنا تعارف کرانے اور اپنے بعض فضائل کا تذکرہ کرنے پر مجبور ہوئے۔ بطور نمونہ کتاب شرحہ شرحہ (مطبوعہ کانون اندیشہ جوان) ملاحظہ ہو۔ اس کتاب میں امیر المومنین علیہ السلام کی زبانی آپ علیہ السلام کی زندگی کی چودہ اہم خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے۔

[2] امیر المومنین علیہ السلام سلمان فارسی کا تعارف یوں پیش کرتے ہیں: ادرک العلم الاول والآخر وھو بحر لا ینزح ((اسے اول وآخر کا علم حاصل ہوا۔ وہ ایک بحر بیکراں ہے۔)) دیکھیے امالی صدوق مجلس ۴۳، حدیث ۸، ص ۲۵۲۔ اگر سلمان ایک بحر بیکراں ہوں جیسا کہ امام علیہ السلام نے فرمایا ہے تو پھر خود امیر المومنین علیہ السلام یقیناً ایک ایسا لامتناہی سمندر ہوں گے جس کی وسعت اور گہرائی کا ادراک عام انسانوں کے اذہان کے لیے ممکن نہیں ہوگا۔

[3] معروف عیسائی لکھاری جارج جرداق لکھتے ہیں: ''حقیقت اور تاریخ گواہی دیتی ہیں کہ علی علیہ السلام بیکراں عظمت کے حامل شہید، شہیدوں کے سالار، عدل انسانی کی آواز اور مشرق کی زندہ جاوید شخصیت ہیں۔ اے دنیا! کاش کہ تو اپنی تمام قوتوں کو سمیٹ کر ہر دور میں علی جیسے صاحب عقل، صاحب دل، صاحب زبان اور صاحب شمشیر کو جنم دیتی۔ (صوت العدالۃ الانسانیۃ ص ۱۱-۱۲)

ملت مسلمہ خاص کر شیعہ آپ کی تعظیم و تکریم کے دل و جان سے قائل ہیں۔ ہم شیعوں اور عام مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو شرعی احکام پر کاربند تو نہیں ہوتے لیکن امیر المومنین علیہ السلام کی تعظیم بجا لاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ وجہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کی عظیم انسانی خصوصیات اس قدر زیادہ ہیں کہ جو کوئی آپ کا تذکرہ سنتا ہے وہ آپ کے کمالات کے آگے سر تسلیم خم ہوتا ہے۔ صرف ایک گروہ ایسا ہے جو علی علیہ السلام کو پہچاننے کے باوجود آپ علیہ السلام سے عداوت رکھتا ہے۔ یہ لوگ درحقیقت ان اصولوں کے دشمن ہیں جن کی خاطر اس عظیم انسان نے پوری زندگی جہاد میں گزاری تھی۔ اسی لیے یہ لوگ ان اصولوں کی خاطر لڑنے والے سب سے بڑے مجاہد سے بھی دشمنی برتتے ہیں۔

اسی طرح وہ لوگ بھی آپ علیہ السلام کے دشمن تھے جنہوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں آپ علیہ السلام کی بے لچک تلوار اور برائی کے ساتھ نباہ نہ کرنے والے امام کے ہاتھوں زخم کھائے تھے وگرنہ منصف مزاج اور فطرت سلیم کے حامل سارے لوگ اس عظیم شخصیت کے دلدادہ ہیں۔ [1](۷)

---

[1] نہج البلاغہ کے معروف شارح ابن ابی الحدید معتزلی رقمطراز ہیں: ''مجھے اس مرد پر تعجب ہوتا ہے جو میدان جنگ میں شیروں کی طرح خطبہ دیتا تھا۔ جب آپ میدان کارزار میں ہی وعظ و نصیحت کا ارادہ فرماتے تو آپ کی زبان سے نکلنے والے الفاظ سے یہ تاثر ملتا تھا کہ آپ ان راہبوں جیسی طبیعت کے مالک ہیں جو لباس رہبانیت پہن کر کلیساؤں میں زندگی گزارتے ہیں اور کسی حیوان کا خون بھی نہیں بہاتے یہاں تک کہ کسی جاندار کا گوشت بھی نہیں کھاتے۔ آپ گاہے ''بسطام بن قیس''، ''عتبہ بن حارث'' اور ''عامر بن طفیل'' کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور گاہے ''سقراط حکیم''، ''یوحنا'' اور ''مسیح ابن مریم'' کے روپ میں نظر آتے ہیں۔ تمام اقوام عالم جس ہستی کی قسم کھاتی ہیں میں اسی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اس خطبے (خطبہ الھیکم التکاثر ۲۲۱) کو گزشتہ پچاس سالوں کے دوران ایک ہزار سے زائد بار پڑھا ہے اور جب بھی اسے پڑھا ہے میرے وجود پر زبردست خوف و وحشت اور عمیق بیداری کی کیفیت طاری ہوئی نیز میرے دل پر گہرا اثر اور میرے جسمانی اعضا پر لرزہ طاری ہوا۔ میں نے جب بھی اس کے معانی پر غور کیا مجھے اپنے خاندان، رشتہ داروں اور دوستوں میں سے وہ لوگ یاد آئے جو دنیا سے جا چکے ہیں اور مجھے ایسا محسوس ہوا گویا امام اس خطبے میں خود میرے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔ واعظوں، خطیبوں اور ارباب فصاحت نے اس بارے میں بہت کچھ کہا ہے اور ان کی باتوں سے میرا بارہا واسطہ پڑا ہے لیکن میں نے ان میں سے کسی کے کلام ⇐

لامتناہی جہات

علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں جس قدر گفتگو کی جائے کم ہے کیونکہ آپ کی شخصیت کا احاطہ ذہن و بیان کے ذریعے نہیں ہوسکتا۔ بالفاظ دیگر گفتگو اور بیان کے ذریعے اس خدائی شخصیت کی لامتناہی جہات کی توصیف ممکن نہیں۔[1] (۸)

ہ میں وہ اثر نہیں پایا جو اس کلام کی وجہ سے میرے دل اور وجود پر طاری ہوتا ہے۔'' شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید، ج ۱۱، ص ۱۵۳

[1] اہل سنت کے بزرگ عالم خوارزمی حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لو ان الغیاض اقلام، والبحر مداد، والجن حساب، والانس کتاب، ما احصوا فضایل علی بن ابی طالب ((اگر سارے جنگل قلم، سمندر سیاہی، جن حساب کرنے والے اور انسان لکھنے والے ہوتے تب بھی وہ علی ابن ابی طالب کے فضائل کو شمار نہ کرسکتے۔)) (مناقب خوارزمی ص ۳۲)

اسی طرح فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: ان اللہ جعل لأخی علی فضائل لا تحصی کثرۃ، فمن ذکر فضیلۃ من فضائلہ مقرابھا غفر اللہ لہ ما تقدم من ذنبہ و ما تاخر، ومن کتب فضیلۃ من فضائلہ لم تزل الملائکۃ تستغفر لہ ما بقی لذلک الکتاب رسم، ومن استمع الی فضیلۃ من فضائلہ غفر اللہ لہ الذنوب التی اکتسبھا بالاستماع، ومن نظر الی کتاب من فضائلہ غفر اللہ لہ الذنوب التی اکتسبھا بالنظر۔ ثم قال: النظر الی علی ابن ابی طالب عبادۃ، و ذکرہ عبادۃ ولا یقبل اللہ ایمان عبد الا بولایتہ و البراءۃ من اعدائہ ((اللہ نے میرے بھائی علی کو وہ فضائل عطا کئے ہیں جو اپنی کثرت کی وجہ سے ناقابل شمار ہیں۔ جو شخص دلی اعتقاد کے ساتھ اس کے فضائل میں سے کسی فضیلت کا ذکر کرے اللہ اس کے اگلے پچھلے سارے گناہ بخش دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص علی کی کوئی فضیلت لکھے تو جب تک اس تحریر کی کوئی نشانی باقی رہے فرشتے اس کے لیے طلب مغفرت میں مصروف رہتے ہیں۔ جو شخص علی کی فضیلت غور سے سنے اللہ اس کے ان گناہوں کو بخش دیتا ہے جو اس نے سن کر کمائے تھے۔ جو شخص اس کی کسی تحریری فضیلت کو دیکھے اللہ اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ پھر فرمایا: علی ابن ابی طالب کو دیکھنا عبادت ہے اور اس کا ذکر عبادت ہے۔ اللہ کسی بندے کے ایمان کو اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک وہ علی کی ولایت کا معتقد اور اس کے دشمنوں سے بیزار نہ ہو۔)) (مناقب خوارزمی ص ۳۲)

■ چاردانگ عالم علیؑ کے فضائل سے لبریز ہے

دوست دشمن سبھی نے چھپایا لیکن......

ایک معروف عرب ادیب کہتا ہے: امیر المومنینؑ کے چاہنے والوں نے خوف وہراس کی بناء پر صدیوں تک آپؑ کے فضائل کو چھپایا۔ دوسری طرف سے آپؑ کے دشمنوں نے بغض عناد کی بناء پر صدیوں تک آپ کے فضائل کی پردہ پوشی کی۔

بالفاظ دیگر امیر المومنینؑ کے فضائل ایک طرف سے خوف کی بناء پر اور دوسری طرف سے بغض وعناد کی بناء پر چھپائے گئے۔ وظهر من ذین و ذین ما ملأ الخافقین یعنی ان دونوں پردہ پوشیوں کے باوجود آپؑ کے اتنے فضائل ظاہر ہوئے جو شرق سے مغرب تک پورے عالم پر چھا گئے۔ پورا جہان اس عظیم مرد خدا کے فضائل کی آوازوں سے گونج اُٹھا۔[1] (۹)

---

[1] اس حقیقت کو کئی لوگوں نے نقل کیا ہے۔ سنی دانشور اور ادیب زمخشری سے منقول ہے: ما أقول فیمن کتم محبوه فضائله خوفا و تقیة و اعداؤه بغضا وحسدا و ظهر من ذین و ذین ما ملأ الخافقین ا ((میں اس شخص کے بارے میں کیا کہوں جس کے فضائل کو اس کے دوستوں نے خوف وتقیہ کی وجہ سے جبکہ اس کے دشمنوں نے بغض وحسد کی بنا پر چھپایا۔ اس کے باوجود آپ کے اتنے فضائل منتشر ہوئے جس سے پورا عالم لبریز ہو گیا۔)) (نهج البلاغه میراث درخشان امام علی ص ۱۷)

علی زندہ جاوید ہو گئے

سو سالوں تک منبروں سے امیر المومنین علیہ السلام پر سب وشتم ہوتا رہا۔ پورے عالم اسلام میں آپ کو برا بھلا کہا جاتا رہا۔ اس گوہر یگانہ کے خلاف ہزاروں جعلی احادیث اور باتیں بنائی گئیں اور ان کے ذریعے لوگوں کی مسلسل برین واشنگ کی جاتی رہی[1] لیکن اتنا طویل عرصہ گزرنے کے بعد یہ گوہر تابدار اوہام وخرافات کے ملبے تلے سے صحیح وسالم باہر نکل آیا اور تاریخ کے صفحے پر اپنا تابناک تعارف ثبت کرانے میں کامیاب ہوا۔ علیؑ جیسا گوہر ہی باقی رہتا ہے۔ خس وخاشاک، کوڑا کرکٹ اور کیچڑ اسے آلودہ نہیں کر سکتے اور اس کے مقام کو نہیں گھٹا سکتے۔

اگر ہیرے کو کیچڑ میں ڈال دیا جائے تب بھی ہیرا ہیرا ہی رہتا ہے اور آخر کار اپنا

☜ امام شافعی سے بھی منقول ہے: ''مجھے اس مرد پر تعجب ہے جس کے فضائل کو اس کے دشمنوں نے حسد کی بنا پر اور اس کے دوستوں نے خوف کی بنا پر چھپایا اس کے باوجود آپ کے فضائل سے مشرق ومغرب لبریز ہو گئے ہیں۔''
تقریباً یہی بات عامر بن عبداللہ بن زبیر سے بھی منقول ہے۔ دیکھئے پیام امام (شرح تازہ وجامعی بر نہج البلاغہ) ج ۱، ص ۳۱۳

[1] تاریخی مآخذ سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ اس قبیح رسم کی پہلی بنیاد معاویہ نے رکھی۔ علامہ امینی الغدیر میں لکھتے ہیں:
معاویہ ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ امام امیر المومنین علیہ السلام کی مذمت میں جعلی احادیث تراشی جائیں۔ اس نے اس حد تک یہ کوشش جاری رکھی کہ شام کے بچے اسی ماحول میں بڑے ہو گئے اور ادھیڑ عمر والے بوڑھے ہو گئے۔ جب ناپاک لوگوں کے دلوں میں اہل بیت علیہم السلام کا بغض وعناد محکم ہو گیا تو معاویہ نے جمعہ وجماعت کی نمازوں کے بعد منبروں سے علی علیہ السلام پر سب ولعن کی قبیح رسم تمام مقامات یہاں تک کہ وحی کی جائے نزول یعنی مدینہ میں بھی جاری کر دی۔
معجم البلدان کے مولف (جلد ۵، صفحہ ۳۸ میں) رقمطراز ہیں: عالم اسلام کے مشرق ومغرب میں منبروں سے علی ابن ابی طالب پر لعن کیا جاتا تھا یہاں تک کہ حرمین شریفین یعنی مکہ ومدینہ کے منبروں سے بھی آپ پر لعن ہوتا تھا۔ اس بارے میں معاویہ کی جانفشانی اس قدر زیادہ تھی کہ جب امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد وہ حج کی غرض سے مدینہ پہنچا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر سے علی علیہ السلام پر لعن کرنے کا عزم کیا۔ معاویہ سے کہا گیا: یہاں سعد ابن ابی وقاص موجود ہیں۔ وہ اس کام سے راضی نہیں ہوں گے لہٰذا پہلے اس سے مشورہ کر لو۔ سعد نے کہا: اگر ایسا کرو گے تو اس کے بعد میں مسجد نبوی میں نہیں آؤں گا۔ یہ دیکھ کر معاویہ نے لعن کا ارادہ ترک کیا یہاں تک کہ سعد کی رحلت ہو گئی۔
(الغدیر ج ۲، ص ۱۰۱)

وجود منوا کر رہتا ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ زندگی کی بلند و بالا چوٹی پر اس عظیم مشعل کا مشاہدہ کریں اور اس کی طرف حرکت کریں۔ (۱۰)

بے شمار دشمنوں کے باوجود بے تحاشا محبوبیت

دنیا کی معروف شخصیات خاص کر اسلامی شخصیات کے درمیان شاید ہمیں کوئی شخصیت ایسی نہ ملے جو مختلف ادوار میں مختلف اقوام اور مختلف ادیان کے پیروکاروں کے ہاں امیر المومنین علیہ السلام کی طرح محبوب اور پسندیدہ ہو۔ آپ دیکھیے کہ خود امیر المومنین علیہ السلام کے دور میں عدل و انصاف کے معاملے میں آپ کی سخت گیری نے سرکش دلوں اور متکبر اذہان کو آپ کے خلاف کر دیا تھا اور آپ کے خلاف دشمنی کا ایک زبردست محاذ کھڑا کر دیا تھا۔ اس کے باوجود آپ کے دشمن بھی جب اپنے ضمیر کی گہرائیوں میں جھانکتے تھے تو وہاں آپ علیہ السلام کے بارے میں تعظیم و تکریم اور محبت کا جذبہ پاتے تھے۔[۱]

علی علیہ السلام کے دشمن سب سے زیادہ ہیں لیکن آپ کے مداحوں کی تعداد بھی سب سے زیادہ ہے۔ (یہاں تک کہ جو لوگ آپ علیہ السلام کے دین و مسلک کو نہیں مانتے وہ بھی آپ کے مداح ہیں)

ذرا آپ دنیا کے عظیم مفکرین (خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم) پر نظر کریں تو دیکھیں گے کہ وہ امیر المومنین علیہ السلام سے عقیدت و ارادت رکھتے ہیں۔ اگر آپ ان عظیم ہیروز کو دیکھیں جنھوں نے اپنی ملت کی خاطر جدوجہد اور قیام کیا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ امیر المومنین علیہ السلام کا نام ان کی نظر میں قابل احترام ہے۔[۲] آپ شاعروں، ادیبوں، ماہرین

---

[۱] بطور نمونہ ضمیمہ نمبر ۱ میں ضرار کے ساتھ ملاقات میں معاویہ کا اعتراف ملاحظہ ہو۔

[۲] لینن گراڈ یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر ایلیا پاولیچ پتروشفسکی کہتے ہیں۔ "علی محمد کا پروردہ تھا۔ وہ محمد اور اس کے دین کا سخت وفادار تھا۔ علی عشق کی حد تک دین کا دلدادہ اور پابند تھا۔ وہ سچا مرد حر تھا۔ اخلاقی مسائل میں بہت باریک بین اور محتاط تھا۔ وہ نام و نمود اور مال و دنیا کی محبت سے دور تھا۔ وہ مرد میدان ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھا اور اولیائے الٰہی کی جملہ صفات اس کے اندر جمع تھیں۔" (تفسیر نہج البلاغہ علامہ جعفری، ج ۱، ص ۱۷۶ بحوالہ اسلام در ایران پتروشفسکی، ترجمہ آقائے کشاورز، ص ۳۹)

فن اور انسان دوست لوگوں پر نظر کریں تو یہاں بھی دیکھیں گے کہ وہ امیر المومنین علیہ السلام کا نام عزت واحترام سے لیتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جس کسی نے (خواہ وہ جوان ہو یا پیر، عالم ہو یا عوام) تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا ہو یا امیر المومنین علیہ السلام کے نام اور احوال کے بارے سنا ہو وہ اپنے اندر امیر المومنین علیہ السلام سے محبت، عقیدت اور شیفتگی کا جذبہ محسوس کرے گا۔

خود ہمارے دور میں چند مصری قلمکاروں اور ادیبوں نے امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں چند کتابیں لکھی ہیں جن میں سے دو یا دو سے زیادہ کتابیں عیسائی لکھاریوں نے لکھی ہیں جو اسلام کو نہیں مانتے لیکن امیر المومنین علیہ السلام کو مانتے ہیں۔[1]

اسلامی شخصیات میں امیر المومنین علیہ السلام کو یہ امتیاز حاصل ہے۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ ہو کہ آپ نے زندگی کے مختلف ادوار اور مختلف حالات میں ہر مقام پر اپنے پورے وجود کو عظیم مقاصد کے لیے وقف کر دیا تھا۔ (۱۱)

بدگوئیوں کے باوجود محبوبیت میں اضافہ

آل زبیر امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ عداوت میں معروف تھے یہاں تک کہ جنگ جمل میں عبداللہ بن زبیر[2] ایک ایسے کردار کے طور پر سامنے آیا جو اپنے باپ زبیر کو علی علیہ السلام کے ساتھ جنگ جاری رکھنے پر آمادہ کر رہا تھا۔ اس کے بعد بھی آل زبیر عام طور پر امیر المومنین علیہ السلام کو عداوت، بغض اور حسد کی نظروں سے دیکھتے تھے۔

عبداللہ بن عروہ بن زبیر اس خاندان کا ایک جوان تھا۔ ایک دن وہ اپنے باپ

---

[1] اس سلسلے میں معروف عیسائی لکھاری جارج جرداق کی کتاب الامام علی ابن ابی طالب صوت العدالۃ الانسانیۃ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ کتاب ۱۹۵۶ء میں لکھی گئی۔ مشہور عیسائی قلمکار میخائیل نعیمہ نے جرداق کی اسی کتاب کی مفصل شرح لکھی ہے۔ ایک اور عیسائی مؤلف امین نخلہ نے مائۃ کلمۃ من نہج البلاغۃ و شرحھا (نہج البلاغہ کے سو فرمودات اور ان کی شرح) نامی کتاب لکھی ہے۔ جبران خلیل جبران بھی ایک مشہور عیسائی اہل قلم ہے جس نے امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں عمیق اور گرانقدر باتیں لکھی ہیں جو مجموعہ مقالات جبران خلیل جبران نامی کتاب میں جمع کی گئی ہیں۔

[2] عبداللہ بن زبیر کا تعارف ضمیمہ نمبر ۲ میں ملاحظہ ہو۔

(عروہ) کے پاس امیر المومنینؑ کی مذمت کرنے لگا۔ باپ بھی اگرچہ امیر المومنینؑ سے کوئی محبت اور عقیدت نہ رکھتا تھا لیکن اس نے چاہا کہ اپنے اس جوان اور خام خیال بیٹے کو تھوڑا بہت سمجھائے اور گھر کے اندر خلوت میں رازداری سے بعض حقائق کا ذکر کرے کیونکہ اس دوران کوئی شخص یہ جرات نہیں کرسکتا تھا کہ کھلے عام امیر المومنینؑ کی تعریف کرے۔

عروہ نے اپنے بیٹے سے کہا: بیٹے! ہر وہ چیز جو دین کے ہاتھوں بنی اور وجود میں آئی ہو اسے دنیا اور دنیا پرست لوگ ہرگز تباہ نہیں کرسکتے۔ یہ ایک ناممکن امر ہے۔ دین کے ذریعے جو عمارت تعمیر ہوتی ہے وہ ایسی عمارت نہیں ہوتی جسے دنیا پرست لوگ ویران کر سکیں۔ اس کے برعکس اگر دین اس چیز کے مقابلے میں آجائے جسے دنیا پرست لوگ وجود میں لاتے ہیں تو یقیناً دین اس چیز کو تباہ کردے گا۔

اس تمہیدی گفتگو کے بعد وہ اصل موضوع کی طرف آیا اور بولا: تم دیکھو بنی امیہ اپنے زیر تسلط تمام علاقوں میں منبروں سے علی ابن ابی طالب کو کس قدر برا بھلا کہتے ہیں اور آپ کی عیب جوئی کرتے ہیں نیز علی کے بارے میں جو کچھ ان ذہن میں آئے کہہ دیتے ہیں لیکن وہ جس قدر زیادہ بولتے ہیں اسی حساب سے علی کی شخصیت زیادہ نمایاں ہوتی ہے اور لوگوں کے درمیان اس کی محبوبیت میں اضافہ ہوتا ہے!

ألا ترى علي بن أبي طالب وما يقول فيه خطباء بني أمية من ذمه و عيبه و غيبته؟ والله لكأنما يأخذون بناصيته الى السماء

یعنی بنی امیہ علی کی برائی بیان کرتے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ اس کا الٹا اثر ہو رہا ہے۔ گویا وہ علی کو اٹھا کر آسمان کی بلندیوں پر بٹھا رہے ہیں۔

یعنی وہ جس قدر علی کی عیب جوئی کرتے ہیں۔ اسی قدر علی کا مقام بلند ہوتا جارہا ہے۔

الاتـراهـم كيف يـنـدبون موتاهم ويرثيهم شُعر

اوهم؟ والله لكانما يندبون جيف الحمر

یعنی دوسری طرف سے بنی امیہ اپنے مردوں کا سوگ مناتے ہیں، ان کی تعریف وتمجید میں محافل ومجالس برپا کرتے ہیں اور شعراء ان کی مدح سرائی کرتے ہیں۔ وہ اپنے مردوں کا خوب تذکرہ کرتے ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی مردار کی لاش کھول رہے ہیں جس کی بدبو سے دنیا میں تعفن پھیل جاتا ہے۔[1]

یہ ہے امیر المومنین علیہ السلام کے دشمن کا اعتراف۔ (۱۲)

علی سے عداوت برتتے ہو؟

مروی ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن عمر[2] کے پاس گیا اور کہنے لگا:

میں علی سے بغض رکھتا ہوں۔

شاید اس شخص نے اس بات کے پیش نظر کہ علی کے ساتھ اس گھرانے کے روابط چنداں گہرے نہیں یہ سوچا ہو کہ ابن عمر کو خوش کرے۔ عبداللہ بن عمر نے کہا:

ابـغـضـك الـلّٰه. اتبغض رجلا سابقة من سوابقه

خير من الدنيا و مافيها؟

خدا تجھ سے بغض رکھے! کیا تو اس شخص سے بغض رکھتا ہے جس کے کارناموں میں سے ایک کارنامہ دنیا ومافیہا سے بہتر ہے؟[3]

یہ ہے وہ عظیم المرتبت امیر المومنین۔ یہ ہے تاریخ عالم کا درخشاں ستارہ۔ یہ ہے وہ آفتاب جو صدیوں سے چمک رہا ہے اور روز بروز اس کی درخشندگی میں اضافہ ہوتا جا

۱۔ دیکھئے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ ج۹، ص۶۵ نیز امالی طوسی مجلس ۲۵، حدیث ۶، ص ۵۸۸

۲۔ عبداللہ بن عمر کے حالات ضمیمہ نمبر۳ میں ملاحظہ ہوں۔

۳۔ دیکھئے مناقب ابن شہر آشوب ج۲، ص۳، کنزالفوائد ج۱، ص۱۴۸، بحار الانوار ج۳۹، ص۳۱۰۔

رہا ہے۔ (۱۳)

وہ سمندر تھا

امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد عبداللہ بن عباس[1] کے پاس کسی مناسبت سے آپؑ کا تذکرہ ہوا۔ ابن عباسؓ نے کہا:

والاسفاہ علی ابی الحسن؛ و الاسفاہ علی ابی الحسن، مضیٰ واللہ ما غیّر ولا بدّل ولا قصر ولا جمع ولا منع ولا آثر الا اللہ

ابوالحسن نے اپنے لیے کوئی مال جمع نہیں کیا، اپنے لیے کوئی مادی کام نہیں کیا اور کسی چیز کو خدا پر ترجیح نہیں دی۔ اس کا ہر کام خدا کے لیے ہوتا تھا۔ اس کا مقصود صرف اور صرف رضائے الٰہی تھی۔

امیر المومنینؑ آیت شریفہ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ و اللہ رؤوف بالعباد[2] کا مصداق تھے۔

---

[1] عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب، تاریخ اسلام کی زبردست شخصیت اور نامور محدث ہیں۔ وہ ہجرت سے تین سال پہلے مکہ میں متولد ہوئے۔ ۶ ہجری میں مدینہ آئے۔ تین سال تک رسولؐ کی صحبت سے فیضیاب رہے۔
وہ امیر المومنینؑ کے عقیدت مند، محب اور شاگرد تھے۔ ابن عباسؓ نے امیر المومنینؑ سے بے شمار علوم سیکھے۔ وہ جنگ جمل میں امام کے لشکر کے ایک کمانڈر تھے۔ فتح کے بعد بصرہ کے گورنر بنے۔ جنگ صفین میں امام کے ہم رکاب تھے۔ جنگ نہروان میں ابن عباسؓ نے خوارج سے خطاب کیا اور امام کی حقانیت کو مضبوط دلائل سے ثابت کیا۔
امام کی شہادت کے بعد ابن عباس نے امام حسنؑ کی بیعت کی۔
ابن عباس امیر المومنینؑ کے شاگرد ہونے پر فخر کرتے تھے اور امام کے فضائل بیان کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ وفات کے وقت بار بار کہتے تھے۔ اللھم انی اتقرب الیک بولایة علی ابن ابی طالب خلفائے بنی عباس آپ کی نسل سے تھے۔

[2] دیکھیے سورہ بقرہ/۲۰۷۔ شیخ طوسی اپنی کتاب امالی میں امام سجادؑ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت امام علی کی شان میں تب اتری جب آپؑ شب ہجرت بستر رسول پر سوئے تھے۔ (امالی طوسی مجلس ۱۶، حدیث ۲، ص ۴۴۶)

اس کے بعد ابن عباس نے فرمایا:

واللہ لقد کانت الدنیا اھون علیه من شسع نعله

اللہ کی قسم یہ دنیا، اس کی رنگینیاں، اس کی خوشیاں اور دنیوی مال و دولت کی حیثیت علی کی نظر میں جوتے کے تسمے سے بھی کمتر تھی۔[1]

لیث فی الوغیٰ: وہ میدان جنگ کا خطرناک شیر تھا۔ ''بحر فی المجالس ''یعنی جب وہ محفلوں میں گفتگو کرنے یا علم و معرفت کے موتی لٹانے پر اتر آتا تو وہ ایک سمندر تھا۔[2]

''حکیم فی الحکما ''اگر دنیا کے سارے حکماء ایک جگہ اکٹھے ہوتے تو وہ سب علی سے ہی حکمت سیکھتے۔[3]

؎ کتاب نقش نگار (علی کاراستہ، ج۱) ص ۱۸ میں مذکور ہے کہ شیعی مفسرین کے مطابق یہ بات قطعی ہے کہ یہ آیت شب ہجرت امیرالمومنین علیہ السلام کی جانثاری کے بارے میں اتری ہے۔ نیز اس بارے میں سنی مفسرین کی ایک جماعت کا نظریہ بھی نقل ہوا ہے۔ یاد رہے کہ متن میں اس آیت کی طرف جو اشارہ ہوا ہے وہ ابن عباس کی حدیث کا حصہ نہیں ہے۔

[1] ابن عباس کہتے ہیں: میں ''ذیقار'' میں امیرالمومنین کی قیام گاہ پہنچا جبکہ آپ اپنا جوتا سی رہے تھے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: اس جوتے کی کیا قیمت ہے؟ میں نے کہا: ''کچھ نہیں۔'' فرمایا: واللہ لھی احب الیّ من امرتکم الا ان اقیم حقا او ادفع باطلا اللہ کی قسم یہی بے قیمت جوتا میرے لیے تمہارے اوپر حکومت کرنے سے زیادہ قیمتی ہے مگر یہ کہ میں اس حکومت کے ذریعے کسی حق کو پا برجا کروں یا کسی باطل کو دفع کروں۔

دیکھئے نہج البلاغہ خطبہ ۳۳، ص ۷۶، ارشاد مفید ج ۱، ص ۲۴۷، شرح ابن ابی الحدید ج ۲، ص ۱۸۵، مجموعہ ورام ج ۲، ص ۱۹ اور بحار الانوار ج ۳۲، ص ۷۶ و ۱۱۳۔

[2] ہماری کتب حدیث میں مروی ہے کہ امام علی علیہ السلام نے ایک ہی مجلس میں مسلمانوں کے دین و دنیا سے مربوط چار سو مسئلے اپنے اصحاب کو سکھائے۔ یہ چار سو مسئلے مکمل طور پر ان کتب میں مذکور ہیں: دیکھئے خصال صدوق ج ۲، ص ۶۱۰، بحار الانوار ج ۱۰، ص ۸۹۔

[3] جابر کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ علی کا ہاتھ تھامے لوگوں سے آپ کا تعارف کرا رہے ہیں.... پھر آپ نے زور سے فرمایا: میں حکمت کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ جو کوئی حکمت کا متلاشی ہو وہ اس دروازے سے آئے۔ (امالی طوسی مجلس ۱۷، حدیث ۲۴، ص ۴۸۳) ؎

هيهات قد مضى الى الدرجات العلى[۲](۱۴)

افسوس کہ وہ (ہم سے جدا ہو کر آخرت کے) بلند درجات کی طرف چل بسا ہے۔

ف امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں حکمت کا شہر ہوں (اور حکمت بہشت ہے) اور اے علی! آپ شہر حکمت کا دروازہ ہیں۔ پس جو شخص بہشت کے دروازے سے نہ آئے وہ اس میں کیسے داخل ہو سکتا ہے؟
(امالی طوسی مجلس ۱۵، حدیث ۲۱، ص ۴۳۱)

[۲] امالی صدوق ص ۴۰۸، روضۃ الواعظین ج ۱، ص ۱۲۰، بحار الانوار ج ۴۱، ص ۱۰۳۔

علیؑ کا تعارف نبیؐ کی زبانی

علیؑ کے فضائل کا تذکرہ صرف شیعوں سے مختص نہیں

امیر المومنین علیہ السلام کے جن فضائل کا تذکرہ ہوتا ہے وہ صرف شیعوں سے مختص نہیں یعنی ایسا نہیں ہے کہ صرف شیعوں نے انہیں نقل کیا ہو یا صرف شیعہ ہی ان سے لطف اندوز ہوتے ہوں۔ مٹھی بھر خوارج ونواصب (جن کے بارے میں معلوم نہیں کہ کیا آج ان کا کوئی نام ونشان باقی بھی ہے اوران کا کوئی فرد موجود بھی ہے یا نہیں) کے علاوہ باقی سارے مسلمان امیر المومنین علیہ السلام کے چاہنے والے ہیں۔ آپ علیہ السلام کے بہت سارے فضائل و مناقب کو غیر شیعہ حضرات نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔[1]

بہت سے مسلمان پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت علیہم السلام خاص کر امیر المومنین علیہ السلام سے عقیدت، ارادت اور محبت رکھتے ہیں۔

بہشت میں علیؑ کے نور کی تابانی

ابن مغازلی شافعی نے اپنی کتاب میں ایک غیر شیعہ راوی سے نقل کیا ہے کہ

---

[1] سنی دانشوروں نے امیر المومنین علیہ السلام کے فضائل کے بارے میں بہت ساری کتابیں لکھی ہیں جن میں سے بعض کی طرف ضمیمہ نمبر ۴ میں اشارہ ہوا ہے۔

انس بن مالک کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان علی بن ابی طالب یضیء لاهل الجنة كما يظهر كوكب الصبح لاهل الدنيا [1]

اہل بہشت علی ابن ابی طالب کے وجود کو اس طرح درخشاں دیکھیں گے جس طرح دنیا کے لوگ صبح کے ستارے کو درخشاں دیکھتے ہیں۔

پس علی علیہ السلام کا نور بہشت میں بھی دیگر انوار پر غالب ہوگا۔

علیؑ کی مخصوص زینت

ابن مغازلی شافعی ایک اور حدیث میں نقل کرتے ہیں کہ عمار یاسر نے کہا:

قال رسول اللّٰه لعلی بن ابی طالب : یا علی! ان اللّٰه قد زینك بزینة لم یزین العباد بزینة احب الی اللّٰه منها [2]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علی! اللہ نے آپ کو ایک ایسی زینت سے مزین کیا ہے جس سے بہتر اور اللہ کے ہاں اس سے زیادہ محبوب زینت سے اس نے اپنے کسی دوسرے بندے کو مزین نہیں کیا ہے۔

وہ زینت کیا ہے؟ الزهد فی الدنیا یعنی دنیا سے بے رغبتی اور بے نیازی۔ دنیا سے مراد وہ رنگینیاں ہیں جن سے انسان لطف اندوز ہوتا ہے۔ اللہ نے علی علیہ السلام کو زہد کی زینت عطا کی ہے۔

دنیا پرستی یہ نہیں کہ انسان دنیا کو آباد کرے، زمین کو اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے

---

[1] دیکھئے مناقب ابن مغازلی ص ۱۳۰، نمبر ۱۶۰ نیز العمدہ ص ۳۶۴

[2] مناقب ابن مغازلی ص ۱۱۰، نمبر ۱۳۵، شواهد التنزیل ج ۱، ص ۵۱۷، شرح نهج البلاغہ ج ۹، ص ۱۶۶، امالی طوسی ص ۱۸۱، المحاسن ج ۱، ص ۲۹۱، کشف الغمة ج ۱، ص ۱۷۰، بحار الانوار ج ۴۰، ص ۳۳۴

مزین کرے اور اللہ کے بندوں کو ان سے بہرہ ور کرے کیونکہ امیر المومنین علیہ السلام خود اس سلسلے میں دوسروں سے آگے تھے۔ مذموم دنیا سے مراد یہ ہے کہ ہم دنیوی چیزوں (خوراک، لباس، سواری اور جنسی خواہشات وغیرہ) کے گرویدہ ہو جائیں۔ احادیث میں مذکور مذموم دنیا سے مراد یہی ہے۔ یاد رہے کہ دنیوی نعمتوں سے لطف اندوزی ایک حد تک جائز بلکہ ممدوح ہے لیکن اس معاملے میں حد سے بڑھنا دنیا پرستی ہے جو مذموم، قبیح، خبیث اور ممنوع ہے۔ پس علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی زینت ''زہد'' ہے۔

آگے چل کر اس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی علیہ السلام سے فرماتے ہیں:

وجعل الدنیا لا تنالُ منك شیئاً

اللہ نے دنیا کو یوں بنایا ہے کہ وہ آپ سے کچھ نہیں پا سکے گی۔

علیؑ کے بارے میں نبیؐ کی قبول شدہ دعائیں

ایک اور حدیث وہ ہے جسے موفق خوارزمی حنفی نے نقل کیا ہے۔ موفق اہل سنت کے ایک لکھاری ہیں۔ انہوں نے مناقب نامی کتاب لکھی ہے۔ یہ احادیث امام علیہ السلام کے دوستداروں کے دلوں کو منور کر دیتی ہیں۔ پس ہمیں اس عظیم شخصیت کی (صرف زبانی کلامی نہیں بلکہ) عملی پیروی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

موفق نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین علیہ السلام سے فرمایا:

یا علی! انی سالت ربی فیك خمس خصال فاعطانی

یا علی! میں نے اللہ سے آپ کے بارے میں پانچ چیزوں کا سوال کیا اور اس نے مجھے یہ پانچوں چیزیں عطا فرمائیں۔

اَمّا اوّلُها فسألتُ ربّی اَن تنشقّ عنّی الارضُ وانفضَ التراب عَن راسی واَنت معی

میری پہلی دعا یہ تھی کہ جب قیامت کے دن مجھے محشور کیا جائے

اور مجھے مٹی کے اندر سے اٹھایا جائے تو اس وقت آپ میرے
ساتھ ہوں

پس خدا نے میری یہ دعا قبول فرمائی۔

امّا الثّانیةُ فسألتُ ربی اَن یُوقِفَنِی عِند کفّةِ
المِیزان وانتَ معی

خدا سے میری دوسری دعا یہ تھی کہ جب محشر میں لوگوں کے
اعمال کو میزان (جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے) میں تولتے
وقت مجھے کھڑا کیا جائے تو آپ میرے ہمراہ ہوں۔

پس خدا نے میری یہ دعا بھی قبول فرمائی۔

وَاَمّا الثّالِثةُ فسألتُ اللّٰہَ اَن یَجعلکَ حامِلَ لِوائی
وَھُو لِواءُ اللّٰہِ الاَکبرُ علیہِ: المُفلِحُون الفائِزُون
بالجَنةِ

میری تیسری دعا یہ تھی کہ اللہ آپ کو میرا پرچم دار بنائے۔ یہ
پرچم قیامت میں اللہ کا سب سے بڑا پرچم ہے جس پر لکھا ہوا
ہے "فلاح پانے والے اور جنت حاصل کرنے والے۔"

سو یہ دعا بھی قبول ہوئی۔[1]

---

[1] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنّ علیَ ابنَ ابی طالب لَصاحبُ لِوائی فی الآخرةِ کمَا کانَ صاحبَ لِوائی فی الدُّنیا وَاَنّہُ اَولُ مَن یَدخلُ الجنةَ لِاَنہُ یَقدمنِی وَبِیدہِ لِوائی تَحتَہُ آدمُ ومَن دُونہ مِن الانبیاءِ علی بن ابی طالب قیامت کے دن میرا پرچم اٹھائے گا جس طرح وہ دنیا میں میرا پرچم دار تھا۔ وہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا کیونکہ وہ میرا پرچم تھامے میرے آگے آگے چل رہا ہوگا۔ آدم اور سارے انبیا اس پرچم کے نیچے ہوں گے۔ (امالی صدوق مجلس ۴۷، حدیث ۹، ص ۲۸۰)

امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ علیہ السلام سے فرمایا: آپ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا میں آپ سے بھی پہلے جنت میں داخل ہوں گا؟ فرمایا ہاں۔ اس دن آپ میرے پرچم کو بلند کریں گے جس طرح دنیا میں آپ میرے پرچم کو اپنے ہاتھوں میں بلند کیا کرتے ⇐

حدیث نبوی کے اس حصے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیامت کے دن مختلف پرچم ہوں گے اور لوگوں کا ہر گروہ ان پرچموں میں سے کسی ایک کے نیچے جمع ہوگا۔ پھر فرمایا:

امّا الرابعةُ فسالتُ ربّی اَن تسقِیَ اُمتِی مِن حَوضِی

چوتھی دعا یہ تھی کہ خدا آپ کو ساقی کوثر بنائے۔ سو یہ دعا بھی قبول ہوئی۔

امّا الخامسةُ فَسالتُ رَبی اَن یَجعلكَ قائدَ اُمتِی اِلَی الجَنۃِ

پانچویں دعا یہ تھی کہ خدا آپ کو جنت کی جانب میری امت کا رہبر بنائے یعنی قیامت کے دن میرے امتی آپ کی قیادت میں جنت میں داخل ہوں۔

اللہ نے یہ دعا بھی قبول فرمائی۔

اس حدیث کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فالحمد لله الذی منّ علیّ بذالك[1]

اس جملے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات پر خالق کائنات کا شکر ادا فرماتے ہیں کہ اس نے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو یہ معنوی مقامات عطا فرمائے۔ یقیناً کوئی مقام اس مرتبے کی برابری نہیں کرسکتا۔

ﮯ تھے۔ واضح ہے کہ جس کے ہاتھ میں پرچم ہو وہ سب سے آگے چلتا ہے۔ پھر فرمایا: اے علی! گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ میرے پرچم کو جو حمد کا پرچم ہے اپنے ہاتھ میں اٹھا کر جنت میں داخل ہو رہے ہیں اور جملہ انبیا اس پرچم کے نیچے جمع ہو کر آپ کے پیچھے جنت میں داخل ہو رہے ہیں۔ (علل الشرائع ج۱، ص۱۷۳)

[1] دیکھئے مناقب خوارزمی ص۲۹۳، حدیث ۲۸۰، عیون اخبار الرضا ج۱، ص۲۷۸، نیز ج۲، ص۳۰ صحیفة الرضا ص۴۸، خصال الصدوق ج۱، ص۳۱۲، بحار الانوار ج۴۰، ص۷۰

علیؑ کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے

یہاں ایک اور حدیث بھی منقول ہے جو متواتر ہے یعنی سب نے اسے مختلف اسناد سے نقل کیا ہے۔ یہاں میں اسے بحار الانوار سے نقل کر رہا ہوں۔ اس حدیث کو ابو ہریرہ نے معاذ بن جبل سے اور انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

النظر الی وجه علی ابن ابی طالب عبادة

علی بن ابی طالب کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔[1]

آخر کیوں؟ اس لیے کہ علی علیہ السلام ایک معنوی گوہر اور اللہ کا خالص بندہ ہیں۔ علیؑ کی طرف نگاہ کرنے سے انسان اللہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ علی علیہ السلام "مَن یُذکّرکُم اللّٰہ رویتُہ" کا مصداق ہیں۔[2]

---

[1] مناقب ابن شهر آشوب، ج ۳، ص ۲۰۲۔ یہ بات مختلف پیرایوں میں بیان ہوئی ہے۔ ان سے مجموعی طور پر اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ یہ روایت فرمان رسول ہے۔ ان میں سے ایک جابر سے منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ کے پاس موجود تھے۔ اتنے میں علی تشریف لائے۔ آنحضرت نے ان سے فرمایا: عمران بن حصین بیمار ہے۔ اس کی عیادت کے لیے جائیے۔ علی ابن ابی طالب عمران کے سرہانے حاضر ہوئے جبکہ معاذ بن جبل اور ابو ہریرہ بھی وہاں موجود تھے۔ عمران نے ہر طرف سے توجہ ہٹا کر علی ابن ابی طالب کے چہرے پر اپنی نظریں مرکوز کر رکھی تھیں۔ معاذ نے عمران سے پوچھا: علی طرف نظریں مرکوز کرنے کی کیا وجہ ہے؟ عمران نے جواب دیا: میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے: علی کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔ معاذ نے کہا: میں نے بھی رسول اللہ سے یہی بات سنی ہے۔ ابو ہریرہ نے کہا: میں نے بھی رسول اللہ سے یہ بات سنی ہے۔ (دیکھئے بشارۃ المصطفیٰ ص ۱۹۱، کشف الیقین ص ۴۳۹، العمدۃ ص ۳۶۶ اور بحار الانوار ج ۴۰، ص ۷۸

[2] یہ جملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک نصیحت ہے۔ امام صادق علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا: اے روح اللہ! ہم کس کی ہمنشینی اختیار کریں؟ فرمایا: اس کی جسے دیکھنے سے تمہیں اللہ یاد آئے، جس کی باتوں سے تمہارے علم میں اضافہ ہو اور جس کے عمل سے آخرت کے بارے میں تمہاری رغبت بڑھے۔ (دیکھئے الکافی ج ۱، ص ۳۹) تقریباً یہی بات امیر المومنین علیہ السلام سے بھی مروی ہے دیکھئے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ ج ۲۰، ص ۳۲۵۔

امام صادق علیہ السلام سے بھی یہی نصیحت منقول ہے۔ دیکھئے ارشاد القلوب ج ۱، ص ۷۷۔

علی علیہ السلام ایک معنوی گوہر ہیں۔ آپ اللہ کی عبودیت کا مظہر ہیں۔ اس لیے آپ کی طرف نظر کرنا ایک قسم کی عبادت ہے۔ علامہ عالیمقام مرحوم مجلسی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ ابن اثیر جزری سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے النھایۃ میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ علی ابن ابی طالب کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت کیوں ہے۔ ابن اثیر کہتے ہیں:

ان علیا کان اذا برز قال الناس لا الہ الا اللّٰہ ما اشرف ھذا الفتی

یعنی جب علی ابن ابی طالب علیہ السلام لوگوں کے سامنے ظاہر ہوتے تھے تو لوگ کہتے تھے:

لا الہ الا اللہ! ما اشرف ھذا الفتی یہ جوان کس قدر عظیم ہے
لا الہ الا اللہ ! ما اکرم ھذا الفتی، یہ جوان کس قدر معزز ہے
لا اللہ الا اللہ ! ما اعلم ھذا الفتی یہ جوان کس قدر عالم ہے
لا الہ الا اللہ ! ما اشجع ھذا الفتی یہ جوان کس قدر شجاع ہے

ابن اثیر کہتے ہیں کہ جب لوگ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو دیکھتے تھے تو رونے لگتے تھے۔ آپ کی خصوصیات اس قدر نمایاں تھیں کہ لوگ بار بار لا الہ الا اللہ پڑھتے تھے اور اللہ کو یاد کرتے تھے۔ اسی لیے آپ کی طرف نگاہ کرنا عبادت ہے۔

علامہ مجلسی اس بات کو قبول نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں کہ ابن اثیر نے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ایک فضیلت کو گھٹایا ہے۔ وہ فضیلت یہ ہے کہ خود علی ابن ابی طالب کی خاطر آپ علیہ السلام کی طرف نگاہ کرنا عبادت ہے۔ ابن اثیر نے اس فضیلت کو گھٹانا چاہا ہے لیکن لاشعوری طور پر علی بن ابی طالب کے بعض دیگر فضائل کا اثبات کیا ہے۔[1] (۱۵)

---

[1] بحار الانوار ج ۳۸، ص ۱۹۵

انبیاء کے فضائل علیؑ کے اندر جمع ہیں

میں نے ایک حدیث میں جو غیر شیعہ طرق سے مروی ہے دیکھا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض اصحاب سے فرمایا:

من اراد ان ینظر الی آدم فی علمه و الی ابراهیم فی حلمه و الی موسیٰ فی هیبته و الی عیسیٰ فی عبادته، فلینظر الی وجه علی بن ابی طالب[1]

پس ''آدم کا علم'' جس کے بارے میں قرآن کہتا ہے: علم آدم الاسماء کلها[2] یعنی اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نشانیوں، ناموں اور اسرار خلقت کی تعلیم دی، ''ابراہیم کا حلم'' جس کا ذکر قرآن نے یوں کیا ہے: ان ابراهیم لحلیم اواه منیب[3] اور ''موسیٰ کی ہیبت'' جس کے مقابلے میں فرعون کی طاقت اور عظمت بھی حقیر اور پست تھی اور عیسیٰ کی عبادت جو اللہ کے حضور زہد، اخلاص اور بندگی کی علامت تھی سب کے سب اس عظیم المرتبت انسان کے اندر جمع تھیں۔ بعض دیگر احادیث (جو غیر شیعہ طرق سے مروی ہیں) میں انبیاء کی دیگر خصوصیات مثلاً یحییٰ ابن زکریا کے زہد وغیرہ کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔

ہم لوگ جس شخص کی پیروی اور اس کے شیعہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اس میں یہ تمام خصوصیات جمع تھیں۔ (۱۶)

---

[1] ارشاد القلوب ج۲،ص۲۱۷، تاریخ دمشق ج۷،ص۱۲، مناقب خوارزمی ص۸۳، مطالب السؤول ص۱۲۹، الفصول المهمة ج۱،ص۱۷۵، کنز العمال ج۱۱،ص۶۳۲، أمالی طوسی مجلس ۱۲، حدیث ۸۶،ص۴۱۷، شرح نهج البلاغة ابن ابی الحدید ج۹،ص۱۶۸، شواهد التنزیل ج۱،ص۱۰۰، الصراط المستقیم ج۱،ص۲۱۲، کشف الغمة ج۱،ص۱۱۴، کشف الیقین ص۵۳

[2] بقرہ/۳۱۔ اللہ نے آدم کو اسماء (اسرار خلقت) کا سارا علم عطا کیا۔

[3] ہود/۷۵۔ بے شک ابراہیم بردبار، شفیق اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔

▪علی مرتضیٰؑ کا تعارف حسن مجتبیٰؑ کی زبانی

جہد مسلسل

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کا کلام اس شخص کا کلام ہے جو تمام لوگوں سے زیادہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شناخت رکھتے ہیں۔ جس دن امیر المومنین علیہ السلام شہید ہوئے اور لوگوں نے بطور خلیفہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی بیعت کی اس دن امام مجتبیٰ علیہ السلام نے لوگوں کے سامنے امیر المومنینؑ کے بارے میں مختصر گفتگو کی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

ایها الناس! انه قد قبض فی هذه اللیلة رجل ما سبقه الأولون ولا یدرکه الآخرون

لوگو! کل رات اس شخص کی رحلت ہوئی ہے جس پر نہ گذشتہ لوگ (خدا کی خاطر جدوجہد کے زاویے سے) گوئے سبقت لے جاسکے ہیں اور نہ بعد والے اس کی برابری کر سکیں گے۔

انه کان لصاحب رایة رسول الله . عن یمینه جبرئیل و عن یساره میکائیل. لا ینثنی حتی یفتح الله له.

وہ جنگوں میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پرچمدار تھا۔ اس کی دائیں

جانب جبرئیل اور بائیں جانب میکائیل ہوتے تھے۔ وہ اس
وقت تک میدان جنگ سے واپس نہیں لوٹتا تھا جب تک اللہ
اسے فتح عطا نہیں فرماتا تھا۔[1]

واللہ ما ترک بیضاء ولا حمراء الا سبعمائة
درهم فضلت عن عطائه اراد ان یشتری بها
خادما لأهله[2]

اللہ کی قسم دنیا سے جاتے وقت وہ نہ سونا چھوڑ گیا اور نہ چاندی مگر
سات سو درہم جو آپ کے وظیفے سے بچ گئے تھے اور آپ اس
سے اپنے گھر والوں کے لیے ایک خادم خریدنا چاہتے تھے۔

حالانکہ آپ عالم اسلام کے خلیفہ اور مقتدر حاکم تھے اور عالم اسلام کی دولت آپ کے ہاتھوں میں تھی۔ آپ اس میں تصرف کر سکتے تھے۔ باقیماندہ سات سو درہم آپ نے ذخیرہ اندوزی کی خاطر جمع نہیں کیے تھے بلکہ آپ اس سے ایک خدمتگار خریدنا چاہتے تھے۔ آپ کے پاس اتنی رقم نہ تھی جس سے ایک نوکر یکمشت خرید سکتے۔ اس لیے آپ مجبور ہوئے کہ کچھ رقم تدریجا بچاتے جائیں۔[3]

امام مجتبیٰ علیہ السلام نے اس گفتگو میں ایک مومن کی زندگی کے اہم خدوخال کی تصویر کشی فرمائی ہے۔ واضح رہے کہ جو انسان میدان عمل میں کوشش اور جدوجہد میں مشغول رہتا ہے وہ بہت ساری خصوصیات مثلاً علم، تقویٰ، حسب نسب، اخلاق اور دیگر اعلیٰ خصوصیات کا حامل ہو سکتا ہے لیکن وہ چیز کیا ہے جسے لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اس کی تقلید کرتے ہیں؟

....

[1] تلاشگری وجهاد امیر المومنین علیہ السلام فصل ۱۷

[2] اصول کافی ج۱،ص۴۵۷، امالی صدوق مجلس ۵۲، حدیث۲،ص۳۱۹، بشارة المصطفی ص۲۳۷، خصائص الائمة ص۴۰، العمدة ص۱۳۹، کشف الغمة ج۱،ص۵۴۷، بحار الانوار ج۴۳،ص۲۰۱

[3] دیکھیے: زهد طاقت فرسای امیر المومنین فصل ۱۴

ممکن ہے کوئی شخص بہت بڑا عالم ہو اور لوگ اس کے علم کی تعریف و تمجید کریں لیکن اس کے علم تک لوگوں کی رسائی نہ ہو۔ اسی طرح ممکن ہے کوئی شخص صاحب تقویٰ ہو لیکن لوگوں کو تقویٰ کے حصول کی اس قدر توفیق حاصل نہ ہو۔ بعض لوگوں کا حسب و نسب بہت اعلیٰ و ارفع ہوتا ہے لیکن دوسرے لوگ اس سے محروم ہوتے ہیں اور انہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس بعض اعمال وہ ہوتے ہیں جو لوگوں کے لیے قابل تقلید ہوں۔

امام حسن علیہ السلام کے پرآشوب دور حکومت میں مسلمان داخلی محاذ آرائی میں مصروف تھے نیز کاہلی، تغافل، خانہ جنگی اور اخلاقی و معنوی پستیوں میں گر جانے کی وجہ سے اپنے آپ کو اور اسلام کو تباہ و برباد کر رہے تھے۔ ان نامساعد حالات میں امام حسن علیہ السلام امیر المومنین علیہ السلام کی عملی زندگی کے خدوخال کا تذکرہ فرماتے ہوئے بعض اہم نکات کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرتے ہیں تاکہ لوگ امیر المومنین علیہ السلام کی سیرت سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔ درحقیقت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اپنے اس بیان کے ذریعے لوگوں کو ایک ''جہت'' اور راہِ عمل دے رہے تھے۔ آپ نے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی تین خصوصیات کا تذکرہ فرمایا:

الف: عمل اور جدوجہد۔ (یوں امام نے ہمیں بتایا کہ) ہرگز بیکار نہ رہیں۔ ہر زمانے میں عمل صالح کو پہچاننے کی کوشش کریں اور خلوص دل سے اسے انجام دیں۔

ب: رہبر کے فرامین کی تعمیل یعنی اس شخص کے احکام کی اطاعت جس کا حکم ماننا انسان پر واجب ہے۔

ج: مادہ پرستی، دولت اور دنیوی زرق و برق سے بے اعتنائی برتنا اور ہر اس کام کو ٹھکرانا جو مادہ پرستی پر مبنی ہو۔ (۱۷)

امام علیؑ کا تعارف امام صادقؑ کی زبانی

حرام کا ایک لقمہ بھی نامنظور

میں نے آج جس حدیث کا انتخاب کیا ہے وہ شیخ مفید کی الارشاد میں مذکور ہے، البتہ میں حدیث کے متن کو ہمارے عظیم المرتبت رہبر (امام خمینیؒ)[1] کی کتاب چہل حدیث (جو ایک نہایت نفیس کتاب ہے) سے نقل کررہا ہوں۔ میں نے الارشاد کے ساتھ اس کی تطبیق بھی کی ہے۔ شیخ مفیدؒ نقل کرتے ہیں کہ راوی نے کہا: ہم امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے۔ وہاں امیر المومنین علیہ السلام کا ذکر آیا۔ امام صادق علیہ السلام نے امیر المومنین علیہ السلام کی کما حقہ تعریف وتمجید کی۔ ''ومدحه کما هو اهله'' آپ نے جو باتیں ارشاد فرمائیں (جو راوی کو یاد رہیں مثلاً اس نے اسی محفل میں یا محفل سے باہر آکر لکھیں) ان میں سے کچھ کا ذکر کررہا ہوں۔ میں نے حدیث کا مطالعہ کیا اور یہ دیکھا کہ اس حدیث کا ہر فقرہ غالباً امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کے ایک پہلو کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی آپ علیہ السلام کے زہد، آپ کی عبادات اور دیگر خصوصیات کی طرف جن کا ہم ابھی ذکر کریں گے۔

دیکھئے اس حدیث میں امام صادق علیہ السلام امیر المومنین علیہ السلام کی تعریف فرمارہے ہیں۔

امام صادق علیہ السلام کا پہلا جملہ یہ ہے:

[1] دیکھئے امام خمینیؒ کی چہل حدیث مطبوعہ مرکز نشر فرہنگی رجاء، ص ۳۷۲، حدیث نمبر ۲۷

واللہ ما اکل علی ابن ابی طالب من الدنیا حراماً

حتی مضی سبیلہ

امیر المومنینؑ نے حرام کی کمائی سے دوری اختیار کی۔ البتہ حرام سے مراد حقیقی حرام ہے نہ کہ وہ چیزیں جنہیں امام نے اپنے اوپر حرام قرار دے رکھی تھیں۔

دیکھئے امام صادقؑ ان نکات کو ہمارے لیے نمونہ عمل اور دستور عمل (بلکہ اس سے بھی بڑھ کر فکری آئین) کے طور پر بیان فرمار ہے ہیں۔ امام صادقؑ، امام باقرؑ اور امام سجادؑ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ وہ اس طرح سے زندگی نہیں گزار سکتے۔ اب یہاں مجھ جیسے لوگوں کی بات ہی نہ کی جائے تو بہتر ہے۔

اس بحث سے یہ مقصود ہے کہ میں یا آپ اس طرح کی زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔ امیر المومنینؑ کی زندگی تو کمال کی انتہا ہے۔ چوٹی کی نشاندہی کا مقصد یہ ہے کہ سب لوگ اسی کی طرف حرکت کریں لیکن کون ہے جو اس چوٹی تک پہنچے؟ ہم اسی حدیث میں دیکھیں گے کہ امام سجادؑ نے فرمایا: میں تو اس قسم کی زندگی گزارنے پر قادر نہیں ہوں۔

وما عرض لہ امران قطھما للہ رضی الا اخذ

بأشدھما علیہ فی دینہ

یعنی جب بھی امیر المومنینؑ کے سامنے دو کام یا دو راستے آتے جن میں سے ہر ایک اللہ کے ہاں پسندیدہ ہو (ایسا نہیں کہ ایک حلال یا ایک حرام ہو بلکہ دونوں حلال ہوں مثلاً دونوں عبادت ہوں) تو علیؑ اس کا انتخاب فرماتے تھے جو آپ کے لیے جسمانی طور پر زیادہ باعث مشقت ہو۔ اگر دو حلال کھانے سامنے آتے تو اس کا انتخاب کرتے تھے جو زیادہ سادہ ہو۔ اگر دو حلال لباس سامنے آتے تو بھی پست تر لباس کا انتخاب فرماتے تھے۔ اگر دو حلال کام سامنے آتے تو سخت تر کا انتخاب فرماتے تھے۔[1]

دیکھئے یہ باتیں کسی عام شخص کی نہیں ہیں اس حدیث کی رو سے امام صادقؑ

---

[1] دیکھئے امیر المومنین و انتخاب سخت ترین ھا فصل ۱۶

بات کر رہے ہیں۔ بہت نپی تلی باتیں ہیں۔

دیکھیے کہ دنیوی زندگی اور دنیوی لذات کے معاملے میں امام علیہ السلام کی اپنے ساتھ یہ سخت گیری کس قدر اہم اور قابل توجہ ہے۔

وما نزلت برسول اللّٰہ نازلة قط الا دعاہ فقدمه

ثقة به

جب بھی رسول اللہ کے لیے کوئی سخت کام درپیش ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی علیہ السلام کو بلاتے تھے اور اس کام کے لیے آپ علیہ السلام کو ہی مقدم رکھتے تھے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علی علیہ السلام پر اعتماد اور بھروسہ تھا۔[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ علی علیہ السلام اولاً اپنی ذمہ داری خوب نبھاتے ہیں ثانیاً سخت کاموں سے نہیں کتراتے، ثالثاً راہ خدا میں مجاہدت کے لیے تیار رہتے ہیں۔ بطور مثال ہجرت کی شب (جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھپ کر مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی) ایک شخص کی ضرورت تھی جو آنحضرت کے بستر پر سوئے چنانچہ آنحضرت نے علی علیہ السلام کا انتخاب کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگوں میں امیر المومنین علیہ السلام کو آگے بھیجتے تھے۔ تمام اہم کاموں میں (بنیادی اہمیت کے حامل امور میں) علی علیہ السلام کو آگے رکھتے تھے۔ "ثــــقة به" چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علی علیہ السلام پر بھروسہ تھا اور یقین تھا کہ علی مشکلات میں بھاگنے والا اور لرزنے یا کانپنے والا نہیں بلکہ خوب ڈٹنے والا ہے۔

دیکھیے ہم یہ بات نہیں کر رہے ہیں کہ مجھ جیسے (حقیر وضعیف) لوگ دعویٰ کریں کہ ہم امیر المومنین علیہ السلام کی طرح عمل کرنا چاہتے ہیں۔ نہیں بلکہ ہماری گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں علی علیہ السلام کی جانب حرکت کرنی چاہیے۔ علی علیہ السلام کے پیروکار مسلمانوں کو چاہیے کہ اس راستے کو اپنائیں اور ممکنہ حد تک آگے بڑھتے رہیں۔

اس کے بعد فرمایا:

وما اطاق احد عمل رسول اللہ من ھذہ الامة غیرہ

---

[1] شب ہجرت کے بارے میں مزید وضاحت کے لیے دیکھیے ضمیمہ نمبر ۵

علی کے علاوہ اس امت کا کوئی فرد رسول کی طرح عمل کرنے کی
تاب نہیں لا سکا۔
علی علیہ السلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ہر جگہ جاتے تھے۔ کسی اور شخص میں سو فیصد رسول
کے نقش قدم پر چلنے کی سکت نہ تھی۔

وکان لیعمل عمل رجل کان وجهه بین الجنة
والنار

اللہ کے ہاں پسندیدہ ان تمام بڑے بڑے ایمانی کاموں کے باوجود
امیرالمومنین علیہ السلام ایک ایسے شخص کی طرح عمل کرتے تھے جو خوف و رجاء کے درمیان یعنی
جنت و جہنم کے درمیان واقع ہوا ہو یعنی وہ ایک طرف سے جنت کو دیکھ رہا ہو اور دوسری
طرف سے جہنم کو۔

یرجو ثواب هذه ویخاف عقاب هذه

اس جملے کا خلاصہ یہ ہے کہ علی علیہ السلام اپنی تمام تر مجاہدت، قربانیوں اور عبادات کے
باوجود اپنے عمل پر نازاں نہیں تھے۔

ولقد اعتق من ماله الف مملوك
یعنی آپ نے اپنے ذاتی مال سے بتدریج ایک ہزار غلام خرید
کر آزاد کیے۔

فی طلب وجه الله والنجاة من النار
تا کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کریں اور جہنم کی آگ سے نجات
حاصل کریں۔

مما کد بیدیه و رشح منه جبینه
یعنی آپ جو اموال خرچ کرتے تھے وہ مفت کا مال نہیں تھا۔
اس حدیث میں امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

مما کد بیدیه

یعنی امام علیہ السلام نے یہ مال اپنا خون پسینہ ایک کر کے کمایا تھا۔

امیر المومنین علیہ السلام عصر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی، پچیس سالہ خاموشی کے دوران بھی اور اپنے دور خلافت میں بھی محنت و مشقت کرتے رہے۔ (بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام اپنے دور خلافت میں بھی محنت کیا کرتے تھے، زرعی زمینیں آباد کرتے تھے، کنواں کھودتے تھے، کماتے تھے اور پھر اس دولت کو راہ خدا میں خرچ کرتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ علیہ السلام غلام خریدتے اور انہیں آزاد کرتے رہتے تھے چنانچہ آپ نے ایک ہزار غلام خرید کر آزاد کیے۔

ان کان لیقوت اهله بالزیت و الخل والعجوة

ادھر خود امیر المومنین علیہ السلام کا گھرانہ روغن زیتون، سرکہ اور متوسط یا سستے کھجوروں پر گزارہ کرتا تھا۔

آج کل ہمارے ہاں عرف عام میں آپ اسے نان و ماست (روٹی + دہی) یا نان و پنیر (روٹی + پنیر) کہہ سکتے ہیں۔

وما کان لباسه الا الکرابیس

آپ کرباس کا لباس پہنتے تھے اور بس۔

اذا فضل شیء عن یده من کمه دعا بالجلم فقصه

اگر آپ کی آستین تھوڑی بہت لمبی ہوتی تو آپ قینچی مانگ کر اسے کوتاہ کردیتے تھے۔ گویا آپ کو اپنے لیے لمبی آستین گوارا نہ تھی۔

فرماتے تھے یہ اضافی شے ہے اسے کسی اور کام میں لانا چاہیے۔ اُن دنوں کپڑے کی قلت تھی اور لوگ لباس کے معاملے میں تنگدست تھے چنانچہ کرباس کا ایک ٹکڑا بھی لوگوں کے لیے کارآمد محسوب ہوتا تھا۔

وما اشبهه من ولده ولا اهل بیته احد اقرب

شبها به فی لباسه وفقهه من علی بن الحسین

گویا امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کی اولاد اور آل (آل

رسول) میں سے کوئی شخص (اس قسم کے طرز عمل، زہد و عبادت) لباس اور علم وغیرہ میں علی ابن الحسینؑ سے زیادہ امیر المومنینؑ کا شبیہ نہ تھا۔ امام سجادؑ علیؑ کے سب سے زیادہ شبیہ تھے۔ امام صادقؑ نے امام سجادؑ کی عبادت کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

ولقد دخل ابو جعفر ابنه (عليهما السلام) عليه

میرے پدر گرامی امام باقرؑ ایک دن امام سجادؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

فاذا هو بلغ من العبادة ما لم يبلغه احد

امام باقرؑ نے دیکھا کہ عبادت کی وجہ سے امام سجادؑ کی وہ حالت ہے جو کسی اور کی نہیں ہوئی۔

پھر فرماتے ہیں کہ بیداری کی وجہ سے آپ کا رنگ زرد پڑ چکا تھا، رونے کی وجہ سے آپ کی آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں، آپ کے پیروں میں ورم آ گیا تھا اور.....

اپنے والد کی یہ حالت دیکھ کر امام باقرؑ کا دل کباب ہو گیا۔

فلم املك حين رايته بتلك الحال البكاء

جب میں نے آپ کو اس حال میں دیکھا تو روئے بغیر نہ رہ سکا۔

فبكيت رحمة له

میں آپ پر ترس کھا کر رونے لگا۔

امام سجادؑ غور و فکر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ (کیونکہ تعقل و تفکر بھی ایک عبادت ہے۔) آپ اپنی فراست کے باعث فوراً جان گئے کہ آپ کا بیٹا (امام باقرؑ) کیوں رو رہے ہیں۔ آپ نے ایک عملی درس دینے کا ارادہ کیا اور اپنا سر اٹھا کر فرمایا:

قال يا بنى! اعطنى بعض تلك الصحف التى فيها عبادة على بن ابى طالب ؑ

اے میرے بیٹے! ہمارے پاس موجود نوشتہ جات میں سے وہ

نوشتہ مجھے لادو جس میں علی بن ابی طالبؑ کی عبادت کا ذکر ہے۔

بظاہر امام علی ابن ابی طالبؑ کے دور سے ہی امیر المومنینؑ کے فیصلوں، آپ کے حالات زندگی اور آپ کی احادیث پر مشتمل کتب، نوشتہ جات اور صحیفے ائمہؑ کے پاس موجود تھے۔ دیگر روایات سے مجموعی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ مختلف امور میں ان تحریروں سے استفادہ کرتے تھے۔ یہاں بھی امام سجادؑ نے اپنے فرزند امام باقرؑ کو حکم دیا کہ وہ علی بن ابی طالبؑ کی عبادت سے مربوط نوشتہ لے آئیں۔ امام باقر فرماتے ہیں:

فاعطیته میں نے وہ تحریر لا کر آپ کو دے دی۔

فقرأ فیها شیئاً یسیرا ثم ترکها من یده تضجرا

آپ نے اس تحریر میں سے تھوڑا سا پڑھا

(یہاں امام سجادؑ ایک طرف سے امام باقرؑ اور امام صادقؑ کو جبکہ دوسری طرف سے مجھے اور آپ کو درس دے رہے ہیں۔)

پھر ملال کے ساتھ اسے زمین پر رکھا اور فرمایا:

من یقوی علی عبادة علی بن ابی طالب؟

علی ابن ابی طالب کی طرح عبادت کرنے کی کس میں طاقت ہے؟

امام سجادؑ کی کثرت عبادت سے امام باقرؑ کا دل کباب ہوا تھا (میری اور آپ کی طرح نہیں جو اس سے معمولی عبادت کو بھی عظیم تصور کرتے ہیں) ادھر امام باقرؑ خود امام اور عظیم درجات کا حامل ہونے کے باوجود امام سجادؑ کی عبادت دیکھ کر فرطِ جذبات اور شدت غم سے بے اختیار زار زار روئے تھے لیکن یہی امام زین العابدینؑ اپنی تمام تر عبادت کے باوجود فرماتے ہیں:

من يقوى على عبادة علي بن ابي طالب؟[1]

علی والی عبادت کی کون تاب لاسکتا ہے؟

بالفاظ دگر امام سجادؑ اپنی عبادت اور علیؑ کی عبادت کے درمیان بڑا فاصلہ پاتے تھے۔

جس طرح ہم علیؑ کے عاشق ہیں اسی طرح پوری دنیا آپ کی گرویدہ ہے۔ عیسائی عشق علی سے مغلوب ہو کر کتاب لکھتے ہیں۔ جو لوگ عملی میدان میں دینی تعلیمات کے اتنے پابند نہیں ہوتے وہ بھی آپ کی تعریف کرتے ہیں۔ پھر اس علیؑ کو آپ دور سے کیوں دیکھتے ہیں؟ علی کے نزدیک جائیے۔ جو لوگ اس کوہ دماوند کو دور سے دیکھتے ہیں وہ کہتے ہیں: واہ واہ! کتنا خوبصورت ہے۔ ذرا اس پہاڑ کے پیچ وخم والے راستوں سے گزر کر اوپر جائیے تاکہ معلوم ہو کہ آپ کتنے پانی میں ہیں؟ ہمیں نزدیک ہونے، حرکت کرنے اور عزم کے ساتھ چل پڑنے کی ضرورت ہے۔ آج بشریت انہی فضائل کی محتاج ہے جن کے علمبردار امیر المومنینؑ تھے۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جو علمی ترقی، ٹیکنالوجی کی پیشرفت اور زندگی کے نت نئے طور طریقوں کے ظہور کے باعث کہنہ نہیں ہوسکتیں۔

عدل کہنہ نہیں ہوسکتا، انصاف اور حق پرستی کو زنگ نہیں لگ سکتا، ظالموں کے ساتھ دشمنی پرانی نہیں ہوسکتی، اللہ کے ساتھ قلبی لگاؤ بوسیدہ نہیں ہوسکتا۔ یہ سب ہر دور میں انسانی وجود کے انمٹ رنگ ہیں۔ امیر المومنینؑ ان تمام پرچموں کے علمبردار تھے۔ آج کا انسان ان ضروریات کا پیاسا اور ان حقائق کا متلاشی ہے۔

اگر ہم کسی جگہ کوئی حرف حق کہہ ڈالیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اسے کوئی بڑا کارنامہ سمجھنے لگیں۔ ہرگز نہیں۔ علی یہ ہے۔ اگر رات کو یا دن کو یا آدھی رات کو گھڑی بھر کے لیے ہمیں تھوڑی بہت عبادت کرنے کی توفیق حاصل ہو تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اس پر اترانے لگیں یا یہ سمجھیں کہ ہم نے کوئی بڑا تیر مارا ہے۔ (۱۸)

---

[1] دیکھئے ارشاد مفید ج۲، ص۱۴۱، کشف الغمۃ ج۲، ص۸۵، بحار الانوار ج۴۱، ص۱۱۰، وسائل الشیعہ ج۱، ص۹۱

▪ علیؑ کی جامع الصفات شخصیت

اسلام کی مجسم تصویر

امیر المومنین علیہ السلام جملہ اسلامی خصوصیات کے حامل تھے یعنی آپ کی شخصیت اسلام کی مجسم تصویر تھی۔ اگر ہم اسلام کو ایمان، علم اور عمل کا مرکب سمجھیں تو یہ تینوں عناصر علی علیہ السلام کی شخصیت میں بدرجہ اتم جمع تھے۔

امیر المومنین علیہ السلام کا ایمان، ایمان کے کامل ترین مصادیق میں سے ایک ہے۔ آپ اس وقت مومن تھے جب پورا معاشرہ کافر تھا۔ آپ مومن اول تھے[1] اور اس وقت بھی صاحب ایمان تھے جب سارے لوگ (رسول کی) تکذیب کرتے تھے۔

علم کے میدان میں آپ کے پاس قرآن کا علم، اسرار حیات کا علم، معاشرے کا علم اور انسان کی حقیقت کا علم جمع تھے۔ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی پر فروغ شخصیت انسانی

---

[1] سعید بن مسیب کہتا ہے: میں نے امام سجاد علیہ السلام سے پوچھا، جس دن علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے اسلام قبول کیا اس دن آپ کی عمر کیا تھی؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: "کیا وہ ایک لمحے کے لیے بھی کافر تھے؟" بعثت رسول کے وقت آپ علیہ السلام کی عمر دس سال تھی۔ اس وقت بھی آپ کافر نہ تھے بلکہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے تھے۔ آپ تمام لوگوں سے پہلے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتے تھے اور دوسروں سے تین سال قبل نماز پڑھتے تھے۔ (دیکھئے روضہ کافی ج ۸، ص ۳۳۹)

تاریخ کی فکری اور ثقافتی پیشرفت کے آسمان پر آفتاب عالمتاب کی طرح ضوفشانی کرتی ہے۔ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے فرمودات، خطوط، خطبے، فرامین اور مواعظ آج پوری انسانیت کے لیے ضابطہ حیات کی حیثیت رکھتے ہیں۔[1]

امیر المومنین علیہ السلام کی عبادت نے آپ علیہ السلام کو تمام عابدوں، زاہدوں اور دینداروں کا تاجدار بنا دیا ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام کا جہاد راہِ خدا کے جملہ جانثاروں کے لیے عظیم درس ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کا اخلاص اللہ کے مقرب بندوں کے اخلاص کی منہ بولتی تصویر ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام ناداروں، محتاجوں اور کمزوروں کی جو مدد فرماتے تھے اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ حق یہ ہے کہ یہ عظیم شخصیت ہر زاویے سے اسلام کی عملی، منہ بولتی اور مجسم تصویر ہے۔[19]

علیؑ کی شخصیت کے تمام عناصر ترکیبی کمال کی انتہا پر

امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت ان عناصر کا مجموعہ ہے جن میں سے ہر عنصر اکیلے ہی عظیم المرتبت انسانوں کو (جو اس عنصر کی منتہا تک پہنچنے کے خواہاں ہوں) شکست دینے کے لیے کافی ہے۔ ان عناصر میں سے ایک امیر المومنین علیہ السلام کا زہد یعنی دنیوی زندگی کی لذتوں اور رنگینیوں سے آپ علیہ السلام کی بے اعتنائی اور بے رغبتی ہے۔ دوسرا عنصر آپ کا لامتناہی علم و دانش ہے جس کے بارے میں بہت سارے بزرگوں اور تمام شیعوں کا اتفاق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امیر المومنین علیہ السلام کے علاوہ کسی کے پاس اتنا علم نہیں ہے۔[2]

---

[1] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو اپنے علم کا دروازہ قرار دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تاریخی اور عظیم فرمان علی علیہ السلام کے لامتناہی علم کی بہترین دلیل ہے۔ فرمان رسول: انا مدینۃ العلم و علی بابھا ایک مسلّم، قطعی اور متواتر حدیث ہے جسے شیعہ و سنی علماء نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کی سند اس قدر قوی ہے کہ اس حدیث کے کلام رسول ہونے میں شک و شبہہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

[2] شیخ طوسی نقل کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے امیر المومنین علیہ السلام کے ایک مخالف سے کہا: علی علیہ السلام کے علم کے مقابلے میں تمام اصحاب رسول کے علم کی مثال سات سمندروں کے مقابلے میں ایک قطرے کی طرح ہے۔ (امالی طوسی مجلس اول، حدیث ۱۴، ص ۱۱)

تیسرا عنصر عسکری، اخلاقی اور سیاسی میدانوں کے بشمول تمام میدانوں میں آپ علیہ السلام کی فداکاری ہے۔

چوتھا عنصر آپ کی عبادت ہے۔

پانچواں عنصر آپ کا عدل وانصاف ہے جو اسلامی عدل کا لازوال آئینہ ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت کا چھٹا بڑا میدان یا عنصر محتاجوں، بچوں، غلاموں، کنیزوں، عورتوں، معذوروں اور بیچاروں کے بشمول تمام کمزوروں کے ساتھ آپ کی شفقت و رافت ہے۔

ساتواں عنصر تمام اچھے کاموں میں امیر المومنین علیہ السلام کی پیشدستی ہے۔ آپ کی تاریخ حیات میں اس کا بخوبی مشاہدہ ہوتا ہے۔

آٹھواں عنصر آپ کی فصاحت وحکمت سے عبارت ہے۔[1]

اگر ہم امام کی شخصیت کے عناصر ترکیبی میں سے اہم ترین عناصر کو ہی شمار کرنا چاہیں تو یہ بھی آسانی سے میسر اور ممکن نہیں ہے۔ ان میں سے ہر عنصر کمال کی انتہا پر ہے۔ (۲۰)

---

[1] سید رضی نہج البلاغہ کے مقدمے میں کہتے ہیں: امیر المومنین علیہ السلام فصاحت وبلاغت کا سرچشمہ اور منبع ہیں۔ بلاغت کے اسرار آپ کی برکت سے آشکار ہوئے اور بلاغت کے قواعد واصول آپ سے ماخوذ ہیں۔ ہر ماہر خطیب نے آپ کی روش اختیار کی اور ہر مقرر نے آپ کے کلام سے مدد لی۔ آپ اس میدان میں سب سے آگے نکل گئے اور دوسرے پیچھے رہ گئے.... کیونکہ آپ کے کلام میں علم خداوندی کی نشانیاں ہیں اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات کی خوشبو ہے۔

نہج البلاغہ کے شارح ابن ابی الحدید امام کی فصاحت کے بارے میں کہتے ہیں: آپ فصیح وبلیغ لوگوں کے پیشوا اور سردار ہیں۔ اسی لیے آپ کے کلام کو "تحت کلام الخالق اور فوق کلام المخلوق" کہا گیا ہے۔ جی ہاں لوگوں نے آپ سے ہی خطابت اور نگارش کے اصول سیکھے ہیں۔ (شرح نهج البلاغه ج ۱، ص ۲۴)

جاحظ جو بجائے خود میدان فصاحت وبلاغت کے شہسوار تھے کہتے ہیں: میں نے خدا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کے بعد کوئی ایسا کلام نہیں سنا ہے جس کا میں نے مقابلہ نہ کیا ہو سوائے امیر المومنین علیہ السلام کرم اللہ وجہہ کے فرمودات کے جن کے ساتھ مقابلے کی سکت میں نے اپنے اندر ہرگز نہیں پائی۔ (الطراز ج ۱، ص ۱۶۵)

امیر المومنینؑ کی سو خصوصیات

اگر میں امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت کی شیرازہ بندی کرنا چاہوں تو کیا کہوں؟ امام کی شخصیت سے میری مراد آپ کا وہ ملکوتی جوہر نہیں جس تک رسائی مجھ جیسوں کے لیے ناممکن ہے بلکہ میری مراد امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت کا وہ حصہ اور اس کے وہ خدوخال ہیں جنہیں لوگ دیکھ سکتے ہیں، نمونہ عمل قرار دے سکتے ہیں اور غور و فکر کا موضوع بنا سکتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ یہ کام ایک تقریر یا ایک دو گھنٹے میں ہونے والا کام نہیں ہے۔ امام کی شخصیت کی جہات لامتناہی ہیں۔ ھو البحر من ای النواحی اتیتہ[1] یہ ناممکن ہے کہ ان جہات اور زاویوں کی شیرازہ بندی کی جائے اور مخاطب سے کہا جائے کہ امیر المومنین علیہ السلام یہ ہیں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ہم مختلف زاویوں سے غور و فکر کریں نیز اپنی فہم و فراست اور ہمت و بصیرت کے مطابق اس عظیم شخصیت کے بارے میں کچھ نہ کچھ عرض کریں۔ میں نے سوچا کہ شاید امیر المومنین علیہ السلام کی سو صفات یا خصوصیات کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ خواہ وہ صفات علم، تقویٰ، زہد، حلم اور صبر کے بشمول آپ کی معنوی اور روحانی خصوصیات ہوں خواہ ایک باپ یا شوہر یا شہری یا سپاہی یا کمانڈر یا حاکم کی حیثیت سے آپ کی سیرت کے عملی زاویے ہوں خواہ لوگوں کے ساتھ آپ کے سلوک کے لحاظ سے یا ایک متواضع اور عادل انسان، لوگوں کے امور کی تدبیر کرنے والے فرد یا ایک قاضی کی حیثیت سے آپ کی خصوصیات ہوں۔

شاید امیر المومنین علیہ السلام کی شان میں اس طرح کی سو صفات کا ذکر کیا جا سکے۔ اگر کوئی شخص ان سو صفات کو جامع، واضح اور قابل فہم پیرائے میں پیش کر سکے تو وہ امام علیہ السلام کی ایک نسبتاً کامل تصویر پیش کرنے میں کامیاب محسوب ہوگا لیکن ان صفات کا دائرہ اس قدر

---

[1] شاعروں کے کلام میں یہ جملہ بکثرت ملتا ہے۔ یہ مختلف شخصیات کی توصیف میں آیا ہے۔ نجم الدین جعفر بن محمد علی منہج الشیعہ فی فضائل وصی خاتم الشریعۃ میں امیر المومنین علیہ السلام کی توصیف میں کہتے ہیں۔

ھو البحر من ای النواحی اتیتہ   فلجتہ المعروف والجود ساحلہ

وہ ایک سمندر ہے خواہ آپ جس طرف سے بھی اس کا جائزہ لیں۔ اس سمندر کی گہرائی نیکی سے عبارت ہے اور کا ساحل جود و سخا سے عبارت ہے۔ (نسخہ ھای خطی کتابخانہ آیت اللہ گلپایگانی ج۱، ص۲۵۳)

وسیع و عریض ہے کہ ہر صفت یا خصوصیت کے لیے کم از کم ایک کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔ (۲۱)

تمام نسلوں کے لیے نمونہ عمل

امیر المومنین علیہ السلام کا وجود مختلف جہات سے اور مختلف حالات میں تمام نسلوں کے لیے ایک ابدی اور نا قابل فراموش درس ہے۔ آپ کا ذاتی کردار، آپ کی عبادت، آپ کی دعائیں، آپ کا زہد، یاد خدا میں آپ کا محو اور فانی ہونا نیز نفس، شیطان اور نفسانی و مادی خواہشات کے مقابلے میں آپ کی مجاہدت تمام نسلوں کے لیے نمونہ عمل ہیں۔ (۲۲)
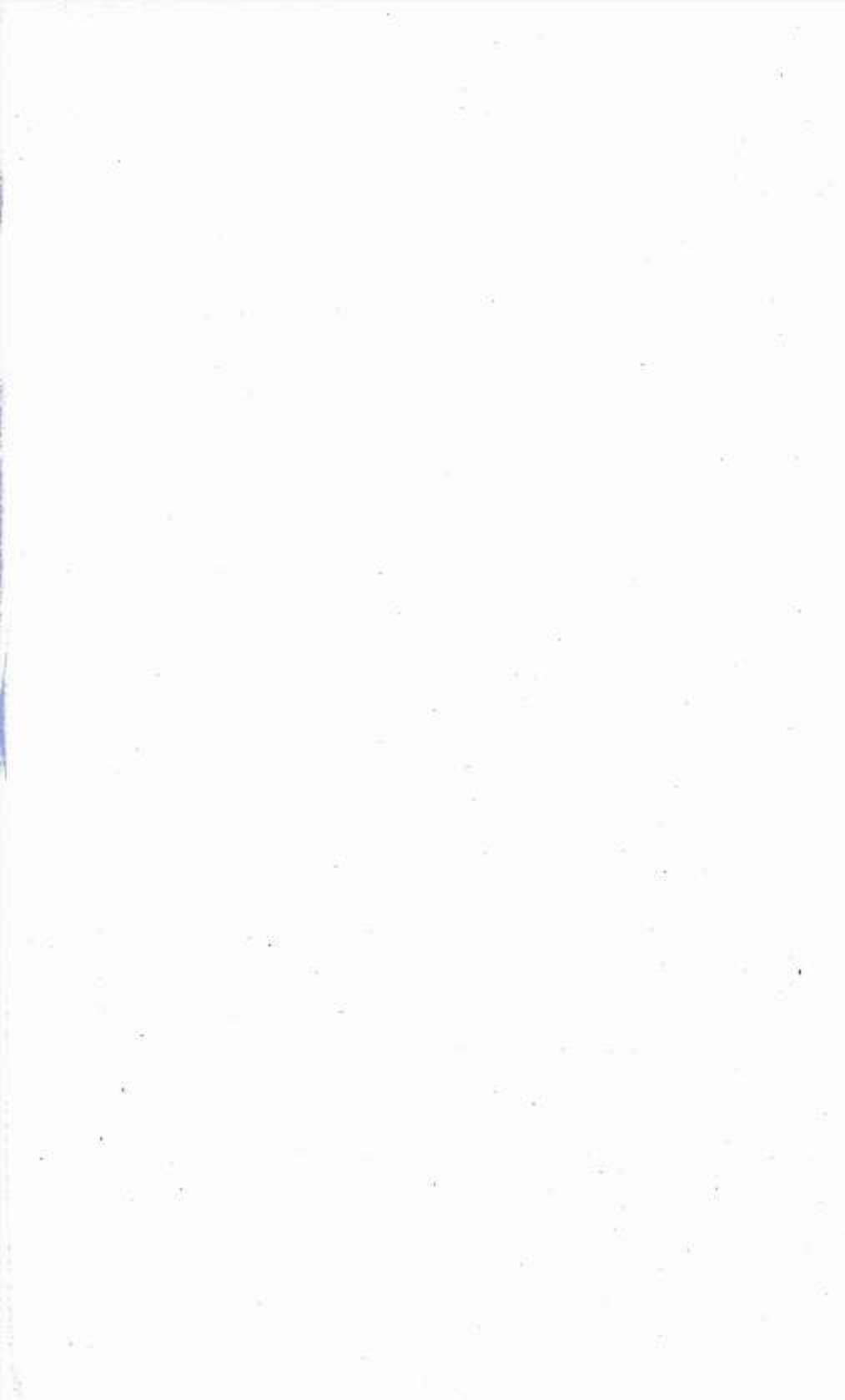
■ امیر المومنینؑ کی متوازن شخصیت

متضاد صفات

امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت میں حیرت انگیز توازن پایا جاتا ہے یعنی جو صفات بظاہر متضاد اور ناہماہنگ معلوم ہوتی ہیں وہ امیر المومنین علیہ السلام کی ذات میں اس خوبصورتی اور اس ترتیب سے پرودی گئی ہیں یا جڑی ہوئی ہیں جس سے ایک نیا حسن وجود میں آتا ہے۔

یہ متضاد صفات کسی اور میں باہم جمع نظر نہیں آتیں۔ امیر المومنین علیہ السلام کی ذات میں اس قسم کی متضاد صفات بکثرت پائی جاتی ہیں۔ یہاں ہم امیر المومنین علیہ السلام کی ذات میں پائی جانے والی ان متضاد صفات میں سے بعض کا تذکرہ کریں گے۔

عطوفت اور صلابت

عام طور پر رحمدلی یا رقت قلب یعنی عطوفت کی صلابت، سخت گیری اور قوت فیصلہ کے ساتھ نہیں بنتی لیکن امیر المومنین علیہ السلام عطوفت، رحمدلی اور رقتِ قلب کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز تھے۔ عام لوگوں میں یہ صفت بہت کم پائی جاتی ہے۔ مثلاً اگرچہ ایسے لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں جو ناداروں کی مدد کرتے ہیں اور کمزور گھرانوں کی خبر لیتے ہیں لیکن وہ شخص صرف امیر المومنین علیہ السلام ہیں جو اولاً اپنے دور اقتدار و حکومت میں یہ کام انجام

دیتے ہیں ثانیاً آپ یہ کام صرف چند روز نہیں بلکہ ہمیشہ انجام دیتے ہیں۔ یہ آپ کا دائمی معمول ہے۔ ثالثاً آپ صرف مادی مدد بھیجنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ غریب گھرانوں، بوڑھوں، اندھوں اور کمسن بچوں کے ہاں خود جاتے ہیں، ان کے ساتھ بیٹھتے ہیں، ان سے گھل مل جاتے ہیں، ان کا دل خوش کرتے ہیں پھر ان کی مدد بھی کرتے ہیں اور واپس آتے ہیں۔ کیا آپ رحمدل، شفیق اور رقیق القلب لوگوں میں اس قسم کے چند افراد ڈھونڈ نکال سکتے ہیں؟ یہ ہے امیر المومنین علیہ السلام کی رقت قلبی اور عطوفت۔

آپ اس بیوہ کے گھر جاتے ہیں جس کے یتیم بچے ہیں، اس کے گھر کے تنور میں آگ جلاتے ہیں، اس کے لیے روٹی پکاتے ہیں اور اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کے بچوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان غمگین اور پریشان حال بچوں کے لبوں پر مسکراہٹ لانے کے لیے ان کے ساتھ کھیلتے ہیں، جھک کر انہیں اپنے کندھے پر سوار کرتے ہیں، انہیں اٹھا کر ادھر ادھر چلتے ہیں اور ان کی فقیرانہ جھونپڑی میں ان کا دل لبھاتے ہیں تاکہ ان یتیم بچوں کے لبوں پر ہنسی کے پھول کھلیں۔[1] یہ ہے امیر المومنین علیہ السلام کی عطوفت اور رحمدلی جسے دیکھ کر اُس دور کی ایک بزرگ شخصیت نے کہا تھا: میں نے امیر المومنین علیہ السلام کو اپنی مبارک انگلیوں سے یتیم اور نادار بچوں کے منہ میں شہد ڈالتے ہوئے اتنی بار دیکھا کہ لو ددت انی کنت یتیماً یعنی میں نے سوچا کہ کاش میں بھی یتیم ہوتا تاکہ علی علیہ السلام میرے ساتھ بھی اسی طرح پیار کرتے۔ یہ ہے امیر المومنین علیہ السلام کی رحمدلی، رقت قلب اور عطوفت۔

دوسری طرف سے جب یہی امیر المومنین علیہ السلام جنگ نہروان میں کج اندیش اور متعصب لوگوں کی ایک ایسی جماعت سے روبرو ہوئے جو غلط حیلے بہانوں سے اسلامی حکومت کی بنیاد کو ہی گرانا چاہتی تھی تو آپ نے پہلے انہیں نصیحت کی جو کارگر نہیں ہوئی پھر آپ نے دلیل کے ذریعے سمجھایا لیکن یہ بھی نتیجہ بخش ثابت نہیں ہوا۔ ایلچی بھیجے لیکن فائدہ

---

[1] دیکھیے تیسویں فصل، امیر المومنین علیہ السلام کی یتیم نوازی اور غریب پروری۔

نذار دنیز مالی مدد فرمائی اور تعاون کا وعدہ کیا لیکن بے سود۔ آخر کار لشکر کی صف آرائی کے بعد ایک بار پھر نصیحت فرمائی لیکن وہ بھی کارگر ثابت نہیں ہوئی۔ اس کے بعد آپ فیصلہ کن اقدام کرتے ہیں۔ خوارج کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ امام علیہ السلام اپنے ایک ساتھی کو پرچم تھماتے ہیں اور فرماتے ہیں:

جو شخص کل تک اس پرچم تلے آجائے اسے امان حاصل ہوگا لیکن دوسروں کے ساتھ جنگ ہوگی۔

بارہ ہزار میں سے آٹھ ہزار لوگ پرچم کے نیچے آگئے۔ فرمایا:

تم لوگ جا سکتے ہو۔

وہ چلے گئے حالانکہ ان لوگوں نے امیر المومنین علیہ السلام سے محاذ آرائی کی تھی، دشمنی برتی تھی اور آپ کو برا بھلا کہا تھا۔ آپ علیہ السلام نے ان باتوں کو اہمیت نہیں دی۔ یہ لوگ لڑنا چاہتے تھے لیکن جب اس ارادے سے دستبردار ہوئے تو امام نے انہیں جانے دیا۔

چار ہزار خوارج باقی رہ گئے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر پکا ارادہ ہے تو جنگ کرلو۔ آپ نے دیکھا کہ وہ لڑنے پر مصر ہیں۔ فرمایا:

تمہارے چار ہزار میں سے دس بھی زندہ نہیں بچیں گے۔

آپ نے جنگ کا آغاز کیا۔ خوارج کے چار ہزار میں سے نو افراد باقی بچے۔ باقی سب کو ہلاک کر دیا۔[1] یہ وہی علی علیہ السلام ہیں۔ جب آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ آپ کے مقابلے میں بدطینت اور خبیث لوگ موجود ہیں جو بچھو کی طرح ناقابل اصلاح ہیں تو آپ نے سختی سے نپٹنے کا فیصلہ کیا۔ یہ وہی علی ہے۔ اشداء علی الکفار رحماء بینھم[2]

دیکھئے کہ یہ دو خصوصیات امیر المومنین علیہ السلام کے اندر کس قدر حسین امتزاج کو جنم دیتی ہیں! وہ رحمدل اور نرم دل انسان جو ایک بچے کو روتا دیکھ کر بے تاب اور بے چین ہو

---

[1] نقش نگار (فارسی) ص ۱۲۲ تا ۱۴۰ میں خوارج اور ان کے ساتھ امیر المومنین علیہ السلام کے سلوک کے بارے میں تفصیلی بحث ہوئی ہے۔ (دیکھئے علی کا راستہ، ج ۱، ص ۱۶۳ تا ۱۸۱)

[2] سورہ فتح ۲۹/۔ رسول کے ساتھی وہ ہیں جو کافروں کے معاملے میں سخت گیر لیکن اپنے درمیان رحیم و شفیق ہیں۔

جاتا ہے اور کہتا ہے: جب تک میں اس بچے کو نہ ہنساؤں یہاں سے نہیں جاؤں گا وہی انسان ان کج اندیش اور کج عمل لوگوں کے مقابلے میں (جو بچھو کی طرح ہر بے قصور انسان کو ڈنک مارتے ہیں) سخت موقف اختیار کرتا ہے اور چار ہزار افراد کو ایک ہی دن اور صرف چند گھنٹوں میں تہہ تیغ کر دیتا ہے۔ لا یفلت منهم عشرة ان میں سے دس بھی نہیں بچے۔ خود امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر کے دس سے بھی کم لوگ شہید ہوئے۔ شاید پانچ یا چھ افراد شہید ہوئے جبکہ خوارج کے چار ہزار میں سے دس بھی نہیں بچے۔ یعنی نو افراد بچ گئے۔ یہ ہے امیر المومنین علیہ السلام کی متوازن شخصیت۔

ورع اور حکمرانی

امام کی جامع الاضداد شخصیت کا ایک اور مظہر آپ کے اندر ''ورع'' اور حکمرانی کا امتزاج ہے جو بہت عجیب ہے۔ ''ورع'' کیا ہے؟ ورع یہ ہے کہ انسان ہر اس مشکوک امر سے اجتناب کرے جس سے گناہ یا دین کی مخالفت کی بو آتی ہو۔ اب کیا ''ورع'' کے ساتھ حکمرانی ممکن ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ انسان حکمران ہوتے ہوئے ورع اور تقویٰ کی رعایت کرے؟ ہم اس وقت اقتدار میں ہیں چنانچہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ جب کسی کے اندر یہ خصوصیت موجود ہو تو مسئلہ کتنا سنگین ہو جاتا ہے۔ حکمرانی میں انسان بعض کلی مسائل سے روبرو ہوتا ہے۔ ایک قانون کو نافذ کرنے کی راہ میں سو قسم کے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں لیکن ممکن ہے کہ اس قانون کے باعث کسی گوشے میں کسی شخص پر ظلم ہو۔ کسی انسان کا کارندہ اس دنیا کے کسی حصے میں یا اس ملک کے کسی گوشے میں قانون کی خلاف ورزی کر سکتا ہے۔ پس یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک حکمران اس قدر لامحدود مسائل و جزئیات کے باوجود اللہ کے حضور ورع اور تقویٰ کی رعایت کرے؟ بنابریں بظاہر حکومت اور ورع میں نباہ نہیں ہو سکتا لیکن امیر المومنین علیہ السلام مقتدر ترین حکمرانی کے ساتھ ''ورع'' اور تقویٰ کے اعلیٰ ترین معیار کا امتزاج قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ ایک نہایت حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

آپ کسی کے ساتھ بے جا لحاظ داری سے کام نہیں لیتے تھے۔ اگر آپ کی نظر

میں کسی والی یا حاکم کے اندر کمزوری پائی جاتی یا وہ اس منصب کا اہل نہ ہوتا تو آپ اس کو برخاست کر دیتے تھے۔ محمد بن ابی بکر[1] امیر المومنین علیہ السلام کے بیٹے کی طرح تھے۔ آپ محمد کو اپنے بیٹے کی طرح چاہتے تھے اور وہ بھی علی بن ابی طالب علیہ السلام کو باپ کی حیثیت دیتے تھے۔

محمد حضرت ابو بکر کے چھوٹے فرزند اور امیر المومنین علیہ السلام کے مخلص شاگرد تھے۔ وہ امیر المومنین علیہ السلام کے ہاں پلے تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے محمد کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا۔ بعد میں انہیں خط لکھا اور بتایا کہ وہ اکیلے مصر کو نہیں سنبھال سکتے لہٰذا آپ انہیں ہٹا کر مالک اشتر کو مصر کا گورنر بنا رہے ہیں۔ محمد بن ابی بکر کو یہ فیصلہ ناگوار گزرا اور وہ روٹھ گئے۔ اگرچہ محمد کا مقام بہت بلند ہے لیکن آخر بندہ بشر تھے۔ اس لیے روٹھ گئے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اس بات کو اہمیت نہیں دی۔ محمد بن ابی بکر عظیم شخصیت کے حامل تھے۔ جنگ جمل میں اور بیعت امیر المومنین علیہ السلام کے وقت آپ علیہ السلام کے بہت کام آئے تھے۔ وہ حضرت ابو بکر کے فرزند اور ام المومنین حضرت عائشہ کے بھائی تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام کے لیے وہ بہت قیمتی تھے[2] لیکن امام نے محمد کی ناراضگی کو کوئی اہمیت نہیں دی۔[3] یہ ہے وہ ''ورع'' جو حکمرانوں کے کام آتا

---

[1] محمد بن ابی بکر کی سوانح حیات ضمیمہ نمبر ۶ میں ملاحظہ ہو۔

[2] جنگ جمل کے نمایاں کرداروں میں سے ایک محمد ابن ابی بکر ہیں۔ وہ پیدل دستے کے کمانڈر تھے جبکہ عمار یاسر سواروں کے۔ تن بہ تن جنگ میں محمد بن ابی بکر نے جابر بن حرید اور نور بن عدی کے بشمول کئی پہلوانوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور انہیں پچھاڑ دیا۔ لشکر جمل نے حضرت عائشہ کی اونٹنی کو اپنا محور بنا رکھا تھا اور اردگرد سخت جنگ جاری تھی۔ امیر المومنین علیہ السلام نے عمار، مالک اشتر اور محمد بن ابی بکر وغیرہ کو حکم دیا کہ اونٹنی کے پیر کاٹ دیں تاکہ مخالف لشکر کی مرکزیت کا خاتمہ ہو۔ اونٹنی کے گرتے ہی لشکر جمل کو شکست ہوگئی۔ اس کے بعد امیر المومنین علیہ السلام نے محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ وہ اپنی بہن حضرت عائشہ کے حالات معلوم کریں اور ان کی ممکنہ مدد کریں۔ امام کے حکم کے مطابق محمد اپنی بہن حضرت عائشہ کی عماری کے قریب آئے۔ حضرت عائشہ نے پوچھا: کون ہو؟ محمد نے کہا: تیرا نزدیک ترین رشتہ دار ہوں لیکن تجھ پر سب سے زیادہ غضبناک ہوں۔ میں تیرا بھائی محمد ہوں۔ امیر المومنین نے مجھے تیری احوال پرسی کا حکم دیا ہے۔ محمد نے بصرہ کے ایک گھر میں حضرت عائشہ کے ٹھہرنے کا بندوبست کیا۔ (اخبار الطوال ص ۱۵۰، الاستیعاب ج ۳، ص ۱۳۶۶، الفتوح ج ۲، ص ۴۷۸، مروج الذہب ج ۲، ص ۳۰۶)

[3] مصر کی گورنری سے محمد کی معزولی اور اس فیصلے کی توجیہ میں محمد کے نام امیر المومنین علیہ السلام کے خط کی تفصیل کے لیے دیکھیے ضمیمہ نمبر ۷

ہے۔امیر المومنینؑ اس (سیاسی) ورع کے درجہ کمال پر فائز تھے۔

نجاشی ایک شاعر تھا۔ اس نے امیر المومنینؑ کی شان میں اور آپؑ کے دشمنوں کے خلاف اشعار کہے تھے۔ وہ ایک دفعہ ماہ رمضان میں دن کے وقت ایک گلی سے گزر رہا تھا۔ ایک بدقماش نے اس سے کہا: آؤ آج کا دن ہمارے پاس گزارو۔ نجاشی نے کہا: میں مسجد جانا چاہتا ہوں۔ شاید وہ قرآن اور نماز پڑھنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ بدقماش اس شاعر کو بزور اپنے ساتھ لے گیا۔ شاعر اس شخص کے گھر گیا وہاں وہ روزہ خوری اور شراب نوشی کی بساط پر بیٹھ گیا۔ وہ بادل ناخواستہ پھنس گیا۔ بعد میں سب کو پتہ چل گیا کہ انہوں نے شراب نوشی کی ہے۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ ان پر شرعی حد جاری ہونی چاہیے۔ اسّی تازیانے شراب نوشی کے اور دس یا بیس اضافی تازیانے رمضان کی حرمت پامال کرنے پر۔ نجاشی نے کہا: ''میں آپ کی حکومت کا مداح شاعر ہوں۔ میں نے آپ کے دشمنوں کا مقابلہ اپنی زبان سے کیا ہے۔ اب آپ مجھے کوڑے مارنا چاہتے ہیں؟'' امام نے جو جواب دیا اسے ہم آج کل کی زبان میں کچھ یوں ادا کرسکتے ہیں: ''تیری بات ٹھیک ہے، تم بہت ہی محترم، اچھے اور قیمتی آدمی ہو لیکن میں شرعی حد کو معطل نہیں کرسکتا۔''

نجاشی کے رشتہ داروں اور خویش واقارب نے بہت ہی زور لگایا کہ اگر آپ اسے کوڑے ماریں گے تو ہماری عزت لٹ جائے گی اور ہم سر اٹھا کر نہیں چل سکیں گے لیکن امامؑ نے فرمایا: نہیں میں شرعی حد کو معطل نہیں کرسکتا۔ پھر اس شاعر کو لٹا کر تازیانے مارے گئے۔ وہ راتوں رات بھاگ گیا۔ اس نے کہا: ''چونکہ آپ کی حکومت کو مجھ جیسے شاعر، اہل فن اور روشن خیال شخص کے ساتھ برتاؤ کا طریقہ نہیں آتا اس لیے میں وہاں جا رہا ہوں جہاں میرے قدر شناس موجود ہیں۔'' وہ معاویہ کے پاس چلا گیا اور کہنے لگا: ''معاویہ ہماری قدر جانتا ہے۔''[1]

جائے جہنم۔ جو شخص اتنا اندھا ہے کہ ذاتی جذبات کی رو میں بہہ کر علیؑ کی

---

[1] نجاشی پر حد جاری ہونے اور معاویہ کے پاس اس کے پناہ لینے کا واقعہ ضمیمہ نمبر ۸ میں مرقوم ہے۔

تابانی کا مشاہدہ نہیں کرسکتا اس کی سزا یہی ہے کہ وہ معاویہ کا ہمرکاب بنے۔

امیر المومنینؑ کو علم تھا کہ یہ شخص ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ان دنوں شاعروں کو بڑی اہمیت حاصل تھی، آجکل سے بھی زیادہ۔ اگرچہ آج ارباب فن کی اہمیت مسلمہ ہے لیکن اُس زمانے میں ان کی اہمیت نسبتاً زیادہ تھی۔ اُن دنوں ریڈیو اور ٹیلی وژن کا وجود نہ تھا اور ذرائع ابلاغ بھی نہ تھے بلکہ یہی شعرا تھے جو اپنے اشعار کے ذریعے ہر جگہ افکار کی ترویج کرتے تھے۔

امیر المومنینؑ کا ورع اور تقویٰ آپ کی مقتدر حاکمیت کے ساتھ توأم ہو گیا۔ دیکھیے کس قدر حسین امتزاج ہے۔ یہ امتزاج دنیا میں کہیں اور دستیاب نہیں۔ ہم نے تاریخ میں اس قسم کی چیز نہیں دیکھی ہے۔ امیر المومنینؑ کے پیشرو خلفاء میں بھی قوت فیصلہ کی کمی نہ تھی۔ ان کے غیر معمولی کارنامے تاریخ میں مذکور ہیں لیکن امیر المومنینؑ سے پہلے اور ان کے بعد آج تک جو کچھ دیکھا گیا ہے اس کے اور امیر المومنینؑ کے مابین بعد المشرقین ہے جو قابل بیان نہیں ہے۔

طاقت کے باوجود مظلومیت

امامؑ کی متضاد صفات کا ایک اور نمونہ آپؑ کی طاقت اور مظلومیت سے عبارت ہے۔ امیر المومنینؑ کے عہد میں آپ سے طاقتور کون تھا؟ شجاعت حیدری سے کون واقف نہیں؟ امیر المومنینؑ کی زندگی کے آخری لمحے تک کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ آپ کی شجاعت کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ لیکن یہی طاقتور علی اپنے دور کے مظلوم ترین فرد تھے بلکہ شاید (جیسا کہ کہا گیا ہے اور درست بھی ہے) آپ تاریخ اسلام کے مظلوم ترین انسان ہیں۔ طاقت اور مظلومیت دو ایسے عناصر ہیں جو ہرگز یکجا نہیں ہو سکتے۔ عام طور پر جو طاقتور ہوتے ہیں وہ مظلوم واقع نہیں ہوتے لیکن امیر المومنینؑ مظلوم تھے۔[1]

---

[1] دیکھیے زیر نظر کتاب فصل نمبر ۲۳ (امیر المومنینؑ: ایک مقتدر لیکن مظلوم)

زہد اور تعمیر دنیا

زہد اور تعمیر دنیا کا امتزاج امیر المومنینؑ کی جامع الاضداد شخصیت کا ایک اور مظہر ہے۔ امیر المومنینؑ کا زہد اور دنیا سے آپ کی بے رغبتی ضرب المثل ہے۔ شاید نہج البلاغہ کا سب سے نمایاں موضوع یا اس کے اہم ترین موضوعات میں سے ایک ''زہد'' ہے۔ یہی امیر المومنینؑ رسول اللہ ﷺ کی رحلت سے لے کر اپنی حکومت کی ابتدا تک کے پچیس سالہ عرصے میں اپنے ذاتی مال سے آبادکاری کا کام کرتے رہے۔ آپ باغ بناتے، کنواں کھودتے، پانی نکالتے اور کھیت آباد کرتے تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ آپ ان سب کو راہ خدا میں دے دیتے تھے۔ تعمیر دنیا (جسے اللہ نے سب کی ذمہ داری قرار دی ہے) اور دنیا سے بے رغبتی کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے۔ (یہ دونوں قابل جمع ہیں۔)

تعمیر دنیا کریں، زمین آباد کریں، مال و دولت بنائیں لیکن دنیا سے دل نہ لگائیں، دنیا کے غلام نہ بنیں، ثروت، پیسے اور دولت کے پجاری نہ بنیں اور مال کے غلام نہ بنیں تاکہ آپ اسے بآسانی راہ خدا میں خرچ کرسکیں۔ اسلامی توازن یہی ہے۔

عدل اور توازن کا مظہر

علی ابن ابی طالبؑ کا عدل آپ کی جامع الاضداد شخصیت کا ایک اور نمونہ ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ علی ابن ابی طالب عدل کے پیکر ہیں تو اس کا ظاہری اور عام فہم مفہوم یہ ہے کہ آپ معاشرتی عدل کے علمبردار تھے۔ اس عدل میں کوئی شک نہیں لیکن اس سے بھی بالاتر عدل یہی ''توازن'' ہے۔

بالعدلِ قامت السماوٰت والارض[1]

عدل کی بدولت آسمان اور زمین قائم ہیں۔

بالفاظ دیگر کائنات کا یہ توازن عدل کے باعث برقرار ہے۔ حق بھی یہی ہے۔

---

[1] یہ جملہ رسول اکرم ﷺ سے منقول ہے۔ (دیکھئے عوالی اللئالی ج۴، ص۱۰۳)

درحقیقت عدل اور حق ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ ان دونوں کا مفہوم اور دونوں کی حقیقت ایک ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام کی خصوصیات عدل اور توازن کی جلوہ گاہ ہیں۔ ہر خوبی آپ کی ذات میں کمال و جمال کی انتہائی حدوں کو چھوتی نظر آتی ہے۔ (۲۴)

امیر المومنینؑ کا ایمان

مسلمِ اول

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے والا مومن اول امیر المومنین علیہ السلام ہی تھے۔ اگر چہ اُس معاشرے کے سارے لوگ اس دعوتِ حق کے منکر تھے لیکن علی علیہ السلام نے ان کے کفر و عناد اور انکار کو کوئی وقعت نہیں دی اور "یوم الدار" [1] کے واقعے میں اپنا پہلا انقلابی قدم اٹھایا۔

"یوم الدار" کے واقعے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بزرگانِ عرب کو مکہ میں جمع کیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ آپؐ نے فرمایا:

> آج جو شخص سب سے پہلے ایمان لے آئے گا وہ میرا وصی اور میرے بعد میرا جانشین ہوگا۔

آپؐ نے سب کے سامنے یہ تجویز رکھی لیکن کفار اور قریشیوں میں سے کسی نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا۔ صرف تیرہ سالہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے کھڑے ہو کر یہ دعوت قبول کر لی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی علی علیہ السلام کے ایمان کو منظور فرماتے ہوئے ان کے وصی ہونے کا اعلان کیا۔ یہاں تک کہ کافروں نے حضرت ابو طالب کا مذاق اڑاتے ہوئے ان سے کہا:

---

[1] یوم الدار کے بارے میں ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۹۔

یہ لو! محمد نے تو تیرے ہی بیٹے کو تیرا امیر قرار دیا ہے۔[1]

ایمان کا کھلم کھلا اظہار

امیر المومنین علیہ السلام وہ مومن ہیں جس کا ایمان بعثت کے تیرہ سالوں کے دوران کبھی پوشیدہ نہیں رہا سوائے ابتدائی چند دنوں کے۔ دیگر مسلمانوں نے کئی سالوں تک اپنا ایمان چھپائے رکھا لیکن امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں سب کو علم تھا کہ آپ شروع میں ہی دعوت رسول پر ایمان لا چکے ہیں۔ یوں آپ کا ایمان مخفی نہیں تھا۔[2]

آپ ذرا اس صورتحال کا خوب تصور کیجئے کہ ہمسائے توہین کرتے ہیں، قوم کے رؤساء اہانت اور سخت گیری سے کام لیتے ہیں، شعراء اور خطباء مذاق اڑاتے ہیں نیز دولتمند، پست فطرت اور رذیل لوگ توہین کرتے ہیں لیکن امیر المومنین علیہ السلام مخالفت کی ان ہمگین موجوں کے مقابلے میں ایک پہاڑ کی طرح محکم و استوار کھڑے ہوتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں:

میں نے خدا کو پہچان لیا ہے۔ میں نے سیدھا راستہ پا لیا ہے۔

پھر آپ اس پر ڈٹ جاتے ہیں۔ یہ ہے آپ علیہ السلام کی شجاعت۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی زندگی کے

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج۱،ص۱۱۱، تاریخ طبری ج۲،ص۶۲، شواھد التنزیل حسکانی نمبر۵۱۴، تاریخ دمشق ج۱، نمبر۱۳۳ تا ۱۳۸، کامل ابن اثیر ج۱ص۵۸۵، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱۳،ص۲۱۰، تفسیر ابن کثیر ج۳،ص۳۶۳، کنز العمال ج۱۳،ص۱۱۴، نمبر۳۶۳۷۱ و ص۱۳۱، السیرۃ الحلبیۃ ج۱،ص۲۸۶

[2] بہت سے مورخین نے عفیف کندی سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: میں عہد جاہلیت میں مکہ آیا۔ رسول کے چچا عباس بن عبدالمطلب میرے میزبان تھے۔ ہم دونوں کعبہ کے پاس تھے۔ میں نے دیکھا کہ ایک مرد آیا اور کعبہ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک لڑکا آیا اور اس کے دائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک عورت آئی اور ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ میں نے ان دونوں کو اس مرد کی اقتداء میں رکوع و سجود بجالاتے دیکھا۔ اس عدیم النظیر منظر سے میرا تجسس بڑھ گیا۔ میں نے عباس سے پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا: وہ مرد محمد بن عبداللہ ہے۔ وہ لڑکا اس کا بھتیجا علی بن ابی طالب علیہ السلام اور ان دونوں کے پیچھے جو عورت ہے وہ محمد کی زوجہ خدیجہ ہے۔ پھر کہا: میرا بھتیجا کہتا ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا جب قیصر و کسریٰ کے خزانے اس کے پاس ہوں گے لیکن خدا کی قسم روئے زمین پر ان تینوں کے علاوہ اس دین کا کوئی پیروکار نہیں ہے۔

الاستیعاب ج۳،ص۱۰۹۶، اسد الغابہ ج۳،ص۵۳۵، الاصابۃ ج۴،ص۳۲۵، تاریخ طبری ج۲،ص۳۱۲، الطبقات الکبری ج۸،ص۱۲، الکامل ج۲،ص۵۷

تمام مراحل خاص کر مکہ اور مدینہ میں اپنی اس شجاعت کا ثبوت دیا۔[1] (۲۶)

ایک دن کے لیے بھی بت پرستی نہیں کی

علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے اپنی تریسٹھ سالہ زندگی میں کبھی غیر اللہ کی عبادت نہیں کی۔ آپ علیہ السلام نے کسی بھی جاندار یا بے جان بت کے آگے اپنا سر نہیں جھکایا۔[2] (۲۷)

سب سے افضل ایمان

امیر المومنین علیہ السلام کا ایمان افضل ترین ایمان کے مصادیق میں سے ایک تھا۔ آپ مومن اول تھے۔ آپ اس وقت مومن تھے جب پورا معاشرہ کافر تھا اور سب لوگ (رسول کی) تکذیب کرتے تھے۔ اسی لیے آپ کا ایمان سب کے مقابلے میں بہترین ایمان قرار پایا۔[3]

---

[1] امیر المومنین علیہ السلام اپنے ایمان لانے کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں: جب اللہ نے ہمارے رسول پر وحی نازل کی اور آپ کو رسالت کی ذمہ داری سونپی اس وقت میں اپنے گھرانے میں سب سے کمسن تھا۔ میں ان دنوں پیغمبر کے گھر میں آپ کے زیر تربیت زندگی گزار رہا تھا اور آنحضرت کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔
پیغمبر اکرم نے عبد المطلب کے پورے خاندان کو توحید اور اپنی رسالت قبول کرنے کی دعوت دی۔ آپ نے ان کے ہر چھوٹے بڑے کے سامنے یہ دعوت رکھی لیکن ان سب نے اس دعوت کو قبول کرنے سے روگردانی کی اور انکار کیا۔ نہ صرف انکار کیا بلکہ وہ پیغمبر کے مدمقابل کھڑے ہو گئے اور سنجیدگی سے آنحضرت کے مقابلے پر اتر آئے۔ انہوں نے آپ کا بائیکاٹ کیا، آپ سے دوری اختیار کر لی اور آپ سے تمام معاشرتی تعلقات توڑ لیے۔
جب بنی عبد المطلب نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ طرز عمل اپنایا تو دوسروں نے بھی آنحضرت کی مخالفت شروع کر دی۔ چونکہ یہ لوگ آپ کی دعوت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اپنی عقل سے کام نہیں لیتے تھے تاکہ آپ کے پیغام کی حقیقت کو درک کریں اس لیے انہوں نے اس دعوت کو سنگین سمجھتے ہوئے اس سے سرتابی کی لیکن ان حالات میں بھی میں واحد فرد تھا جس نے شوق و شغف کے ساتھ آپ کی دعوت فوراً قبول کر لی اور آپ کی اطاعت کو اپنا شعار بنا لیا۔
مجھے آنحضرت کی حقانیت کا اتنا یقین ہو گیا کہ کوئی شک و شبہ نہ رہا۔ میں تین سال تک پیغمبر اور خدیجہ (جس نے رسول کی دعوت دل و جان سے قبول کی تھی) کے ساتھ تھا۔ ہم تینوں باہم نماز پڑھتے تھے جبکہ روئے زمین پر ہم تینوں کے علاوہ کوئی نمازی نہ تھا۔ خصال صدوق ج ۲، ص ۳۶۶، قصاص مفید ص ۱۶۵

[2] حضرت ابن عباس سے مروی ہے: واللہ ما من عبد آمن باللہ الا وقد عبد الصنم الا علی بن ابی طالب فانہ آمن باللہ من غیر ان عبد صنما اللہ کی قسم سب ایمان لانے والوں نے بت پرستی کی ہے سوائے علی ابن ابی طالب کے جو کسی بت کی پرستش کیے بغیر ہی اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۱، ص ۲۹۲، بحار الانوار ج ۳۸، ص ۲۳۲

[3] رسول اللہؐ نے فرمایا: ان سباق الامم ثلاثة لم یکفروا طرفة عین: علی بن ابی طالب و صاحب یاسین ⇐

تمام خلائق کے ایمان سے بہتر

امیر المومنینؑ[1] وہ مومن تھے جس کے وجود کی گہرائیوں میں ایک ہی فکر، ایک ہی عقیدے اور ایک ہی ایمان کی جڑیں راسخ تھیں۔

اشھد باللہ لقد قال لنا	محمد و القول منه ما خفا
لو ان ایمان جمیع الخلقة ممن	سکن الارض و من حل السماء
یجعل فی کفة میزان لکیّ	یوفیٰ بایمان علیّ ما وفی[1]

یعنی اگر زمین اور آسمان میں رہنے والی جملہ مخلوقات کا ایمان ترازو کے ایک پلڑے میں ڈالا جائے اور علی کا ایمان دوسرے پلڑے میں ڈالا جائے تو علیؑ کا ایمان غالب آئے گا۔[2] (۲۹)

---

[1] و مومن آل فرعون، فھم الصدیقون و علی افضلھم امتوں کے سابقین تین ہیں۔ انہوں نے ہرگز کفر نہیں کیا۔ (وہ یہ ہیں) علی ابن ابی طالب اور صاحب یاسین (جن کا واقعہ سورہ یونس میں مذکور ہے) اور مومن آل فرعون۔ یہ تینوں صدیق ہیں اور علی ان سب میں افضل ہے۔ (مناقب ابن شھر آشوب ج ۲،ص ۶، الصراط المستقیم ج ۱،ص ۳۲۸، بحار الانوار ج ۱۳،ص ۵۸، وج ۱۴،ص ۲۷۴)

[1] یہ اشعار عرب شاعر عبدی کے ہیں۔ کہتا ہے: اللہ کی قسم محمد ﷺ نے ہم سے فرمایا اور آپ کا یہ قول کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اگر روئے زمین اور آسمان میں رہنے والی تمام مخلوقات کا ایمان ترازو کے ایک پلڑے میں ڈالا جائے تا کہ علی کے ایمان سے اس کا موازنہ کیا جائے تو ہرگز علی کے ایمان کے برابر نہیں ہو سکے گا۔ (دیکھئے مناقب ابن شھر آشوب ج ۲،ص ۹، بحار الانوار ج ۳۸،ص ۲۳۳)

[2] امام سجاد امام حسینؑ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے امیر المومنینؑ سے فرمایا: یا ابا الحسن! لو وضع ایمان الخلائق و أعمالھم فی کفة میزان و وضع عملك لیوم واحد فی الکفة الأخری لرجح عملك لیوم واحد علی جمیع ما عمل الخلائق اے ابوالحسن! اگر تمام مخلوقات کا ایمان اور ان کے اعمال ترازو کے ایک پلڑے میں ڈالے جائیں اور آپ کے ایک دن کا عمل دوسرے پلڑے میں تو آپ کے ایک دن کا عمل تمام مخلوقات کے جملہ اعمال پر غالب آئے گا۔ (ماة منقبة ص ۷۹)

خلیفہ دوم حضرت عمر کے دور میں کچھ لوگوں نے خلیفہ سے ایک شرعی مسئلہ پوچھا: انہوں نے امیر المومنین سے پوچھ کر انہیں جواب سے آگاہ کیا۔ ان لوگوں نے تعجب سے کہا ہم آپ سے پوچھتے ہیں لیکن آپ کسی اور سے جواب لیتے ہیں۔ خلیفہ ⇐

ؐ نے کہا: کیاتم جانتے ہو یہ کون ہیں؟ یہ علی ابن ابی طالب ہیں جس کے بارے میں رسول اللہ نے فرمایا: لـــــو أن السماوات والارض وضعتا فی کفة، و وضع ایمان علی فی کفة، لرجح ایمان علی اگر آسمانوں اور زمین کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور علی کے ایمان کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو علی کا ایمان زیادہ بھاری ہوگا۔
دیکھئے امالی طوسی مجلس ۲۳ حدیث ۲ ص ۵۷۵ و ص ۲۳۸، کشف الغمة ج ا ص ۲۸۸، العمدة ص ۳۷۰، مناقب ابن شهر آشوب ج ۲ ص ۳۷۰

امیر المومنینؑ کا اخلاص و تقویٰ

اخلاص: سیرتِ امیر المومنین کی روح

ہمیں چاہئے کہ اخلاص کو اپنے کاموں کی روح اور بنیاد قرار دیں۔ جیسا کہ علی ابن ابی طالب کی زندگی میں بھی غالباً آپ کے کاموں کی روح اور بنیاد یہی اخلاص تھا یعنی آپ کسی ذاتی یا نفسانی مقصد کے بغیر صرف رضائے الٰہی کے حصول اور خدائی و اسلامی احکام کی بجا آوری کے لیے کام کرتے تھے۔

آپ علیہ السلام نے ایک قریشی رئیس زادے کی حیثیت سے ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی گزارنے سے صرف خدا کی خاطر احتراز کیا اور تیرہ سالوں تک (مکہ میں) پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوش بدوش مشکلات و مصائب سے نبرد آزما رہے۔[1]

---

[1] امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: مَارَأَيْتُ مُنْذُ بَعَثَ اللّٰهُ مُحَمَّداً رَخَاءً فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهِ لَقَدْ خِفْتُ صَغِيراً وَجَاهَدْتُ كَبِيراً أُقَاتِلُ الْمُشْرِكِينَ وَأُعَادِي الْمُنَافِقِينَ حَتّٰى قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيَّهُ جب سے اللہ نے محمد کو مبعوث برسالت فرمایا تب سے مجھے (دشمنانِ دین کی عداوتوں کے باعث) کوئی آسودگی نہیں ملی۔ میں اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے اپنا بچپنا بدامنی اور خوف و ہراس کی حالت میں گزارا۔ میں جوانی میں جہاد کرتا نیز مشرکین کے ساتھ جنگ اور منافقین کا مقابلہ کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ نے اپنے رسول کی روح قبض کر لی اور آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔ (دیکھیے شیخ مفید کی الارشاد جلد ۱، صفحہ ۲۸۲)

آخر کار آپ علیہ السلام اس رات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر میں سو گئے جس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے مدینہ ہجرت فرمارہے تھے۔ اگر انسان غور کرے تو معلوم ہوگا کہ بستر رسول میں آپ علیہ السلام کا سو جانا عظیم ترین فداکاری اور قربانی کا مظاہرہ تھا کیونکہ یہ سو فیصد یقینی موت کے منہ میں چھلانگ لگانے کے مترادف تھا۔ رات کی تاریکی میں غیظ وغضب سے بھرے ہوئے مسلح دشمن دیواروں کے پیچھے گھات لگائے بیٹھے تھے تاکہ بستر میں سوئے ہوئے شخص کو (جوان کے خیال میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے) قتل کر دیں۔

اس رات امیر المومنین علیہ السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی:

اگر میں آپ کی جگہ سو جاؤں تو کیا آپ صحیح وسلامت نکل جائیں گے؟

فرمایا: "ہاں"

عرض کی: "پس میں سو جاتا ہوں۔"[1]

ایک عیسائی لکھاری (جو امیر المومنین علیہ السلام کو اسلامی اور شیعی نقطہ نظر سے نہیں دیکھتا) لکھتا ہے:

امیر المومنین علیہ السلام کے اس اقدام کا موازنہ صرف سقراط کے اقدام سے کیا جا سکتا ہے جس نے معاشرے کے مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے ہاتھ سے زہر کا جام نوش کیا۔ یہ سو فیصد یقینی قربانی اور فداکاری ہے۔

اس رات صرف اور صرف اخلاص کی حکمرانی تھی۔ جن لوگوں کو اپنی فکر لاحق ہوتی ہے وہ اس طرح کے مواقع پر اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ موقع سے فائدہ اٹھائیں لیکن علی علیہ السلام کو اس لمحے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نجات کی فکر لاحق تھی۔

---

[1] ہجرت کا واقعہ امیر المومنین علیہ السلام کی زبانی ضمیمہ نمبر ۵ میں ملاحظہ ہو۔

صرف اللہ کی خوشنودی

غزوہ احد میں معدودے چند لوگوں کے سوا باقی سب چلے گئے لیکن امیر المومنین علیہ السلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرتے رہے۔ جنگ خندق میں عمرو بن عبدود کے ساتھ لڑنے سے سب نے احتراز کیا لیکن امیر المومنین علیہ السلام بار بار اس کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتے رہے۔ جنگ خیبر میں، آیاتِ برائت کی تبلیغ کے واقعے میں، رحلت رسول کے بعد والے حالات میں، سقیفہ میں جانشین رسول کے انتخاب کے موقع پر، خلیفہ دوم کے بعد تشکیل شدہ چھ رکنی شوریٰ میں، غرض ان تمام مقامات پر امیر المومنین علیہ السلام نے صرف اور صرف رضائے الٰہی کو مدنظر رکھا اور فقط خدا کی خاطر اس راستے کا انتخاب کیا جو اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں تھا۔ آپ علیہ السلام نے ان امور میں اپنی ''ذات'' کو ہرگز دخیل نہیں بنایا۔

خلافت قبول کرتے وقت، خلافت سے محرومیت کے پچیس سالہ دور میں، خلفاء کے ساتھ تعاون کے وقت، اسلام کے لیے جدوجہد کرتے وقت، میدان جہاد میں، اسلامی نظام کی خدمت اور اس کی خاطر مجاہدت کے دوران، لوگوں کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفس کا اہتمام کرتے ہوئے، اپنے دور حکومت میں مختلف ایجنڈوں، مقاصد اور صفات کے حامل گروہوں کے ساتھ اپنے طرز عمل میں، غرض ہر موڑ پر علی ابن ابی طالب نے وہ موقف اختیار کیا جو اللہ کو پسند ہو اور جسے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختیار کیا ہو۔ یہ ہے اللہ کا بندۂ خالص۔ (۳۰)

پورا وجود اسلام کے لیے وقف

آپ علیہ السلام نے اپنا پورا وجود اسلام، پیغمبر کے مشن اور خدا کی خوشنودی کے لیے وقف کر دیا۔ امیر المومنین علیہ السلام کوئی ذاتی سرمایہ نہیں چھوڑ گئے۔ عصر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دس سالوں کے دوران امیر المومنین علیہ السلام نے جو کچھ کیا وہ اسلام کی پیشرفت کے لیے کیا۔ یہ جو آپ سنتے ہیں کہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، امیر المومنین علیہ السلام اور ان کے بچے بھوک سہتے تھے تو اس کی وجہ یہی ہے۔ وگرنہ اگر یہ جوان دولت کمانا چاہتا تو وہ ہر کمانے والے سے زیادہ کما سکتا تھا۔ یہ وہی علی ہیں جو بعد میں

اپنی سالخوردگی کے دوران کنواں کھودتے ہیں اور کنویں سے اونٹ کی گردن کے برابر پانی نکلتا ہے۔ پھر جب کنواں تیار ہو جاتا تو قبل اس کے کہ محنت و مشقت کے گرد و غبار سے اپنا ہاتھ منہ صاف کرتے، زمین پر بیٹھ جاتے تھے اور کنویں کا وقف نامہ مرقوم فرماتے تھے۔[1] آپ نے اس طرح کے کام بہت کیے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے کتنے ہی نخلستان آباد کیے تھے۔ پھر امیر المومنین علیہ السلام اپنی جوانی میں کیوں بھوک سہتے تھے؟ مروی ہے کہ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ اس قدر گرسنہ تھیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؑ کے چہرے پر بھوک کی زردی دیکھی۔ رسول کا دل کباب ہو گیا اور آپ نے اپنی بیٹی کے لیے دعا کی۔[2]

امیر المومنین علیہ السلام کی ساری جد و جہد اللہ کی خاطر اور اسلام کی پیشرفت کے لیے تھی۔ آپ اپنے لیے کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ (۳۱)

مجسمۂ تقویٰ

درحقیقت علی علیہ السلام متقین کے امام اور تقویٰ و پرہیزگاری کا مجسمہ تھے۔[3]

میں تمام ابنائے ملت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ہر چیز سے پہلے تقویٰ اور گناہوں سے اجتناب کے زاویے سے نیز اپنے اقوال و افعال یہاں تک کہ افکار اور قلبی احوال کے نقطۂ نظر سے امیر المومنین علیہ السلام کی متابعت و پیروی کو اپنا وطیرہ بنائیں اور تقویٰ اختیار کریں۔ (۳۲)

اپنے نفس کا شدید محاسبہ

تقویٰ کیا ہے؟ تقویٰ یہ ہے کہ انسان اس بات کا شدید خیال رکھے کہ اپنے اعمال

۱۔ دیکھیے تیرھویں فصل: امیر المومنین علیہ السلام: پیکر ایثار و انفاق۔

۲۔ دیکھیے مکارم اخلاق ص ۳۳۶، الخرائج و الجرائح ج ۱ ص ۵۲، بحار الانوار ج ۴۳ ص ۲۷

۳۔ بہت سی احادیث اور بہت سارے مآخذ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین علیہ السلام کو "امام المتقین" کے لقب سے نوازا ہے۔ اسی لیے یہ نام آپ کے اوصاف خاص میں مذکور ہوتا ہے۔ درج ذیل مآخذ میں "امیر المومنین" کی ترکیب مذکور ہے۔ الیقین ص ۱۳۹ و ص ۲۹۳، المناقب ج ۳ ص ۶۵، معانی الأخبار ص ۴۰۲، مئة منقبة ص ۸۸، کنز الفوائد ج ۲ ص ۱۲، کشف الیقین ص ۳۰۳، کشف الغمة ج ۱ ص ۴۰۰، العمدة ص ۲۶۴، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۹ ص ۱۶۹، خصال صدوق ج ۱ ص ۱۱۶، امالی طوسی ص ۱۹۳ مجلس ۷، حدیث ۳۰، امالی صدوق ص ۶۵ مجلس ۱۵، حدیث ۱۱

میں جادۂ حق سے ذرہ برابر نہ ہٹنے پائے۔ تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنے اوپر کڑی نظر رکھے، پیسے کو ہاتھ لگاتے وقت ہوشیار رہے، دوسرے لوگوں کی آبرو کے معاملے میں اپنے اوپر نظر رکھے، انتخاب اور نصب کرتے وقت نیز کسی کو دور کرتے یا دھتکارتے وقت اپنا محاسبہ کرے اور گفتگو میں محتاط رہے تاکہ کوئی ناحق بات زبان پر نہ آنے پائے۔ غرض اپنا شدید محاسبہ کرتا رہے۔

آپ نہج البلاغہ پر نظر کریں۔ نہج البلاغہ اس قسم کی باتوں سے لبریز ہے۔ بدقسمتی سے کچھ لوگوں کا معمول بن گیا ہے کہ وہ جو بھی غلط کام انجام دیتے ہیں اسے اس بہانے انجام دیتے ہیں کہ امیرالمومنین علیہ السلام ایسے تھے اور ایسا کرتے تھے۔ کس دلیل سے؟ کس بناء پر؟ امیرالمومنین علیہ السلام کی سیرت تو نہج البلاغہ میں ہے۔ امیرالمومنین علیہ السلام کا تذکرہ ان بے شمار احادیث میں ہے جو آپ علیہ السلام سے اور آپ کی آل اطہار علیہم السلام سے مروی ہیں۔ اگرچہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ علی کا طرز عمل ایسا تھا ویسا تھا!! نہیں! علی وہ ہے جو نہج البلاغہ میں ہے۔ آپ نہج البلاغہ کی ابتدا سے انتہا تک نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ نہج البلاغہ سرتاپا تقویٰ کی ترغیب اور پرہیزگاری کی دعوت سے عبارت ہے۔[1] جب تک انسان پرہیزگار نہ بنے دین خدا کی خدمت نہیں کرسکتا۔ بدکرداری بہت بری بیماری ہے۔ اگر انسان کا دل گناہ سے آلودہ ہو تو وہ حقیقت کو درک نہیں کرسکتا، کہاں یہ کہ وہ حقیقت کے راستے پر گامزن ہو سکے۔[2] تقویٰ امیرالمومنین علیہ السلام کی حکومت کی امتیازی علامت ہے،[3] وہی حکومت جو لوگوں کے ارادے اور ان کی پسند سے وجود میں آئی تھی۔

---

[1] بطور نمونہ ملاحظہ ہو نہج البلاغہ صبحی صالح: ۸۶، ۱۱۱، ۱۱۴، ۱۵۷، ۱۸۳، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۳، ۲۲۱، ۲۳۰

[2] امیرالمومنین علیہ السلام کا فرمان ہے: الهوی شریک العمی یعنی خواہشات نفسانی اور کوردلی کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ آپ فرماتے تھے: انکم ان ملکتم شهواتکم نزت بکم الی الاشر و الغوایة اگر تم نفسانی خواہشات کے غلام بن جاؤ گے تو وہ تمہیں گمراہی اور بدبختی کے گڑھے میں گرا دیں گی۔ دیکھئے غرر الحکم (ترجمہ انصاری) ج۱، ص۲۲، نمبر ۶۳۲ و ج۱، ص۲۹۳، نمبر ۳۲۔

[3] امیرالمومنین علیہ السلام کا معروف فرمان ہے: هیهات لو لا التقی لکنت ادهی العرب اگر تقویٰ کی رعایت ضروری نہ ہوتی تو میں عرب کا چالاک ترین فرد ہوتا۔ دیکھئے الکافی ج۸، ص۲۴، شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید ج۱، ص۲۸، الصراط المستقیم ج۱، ص۱۶۴، بحار الانوار ج۴۲، ص۲۹۰، غرر الحکم ص۱۲۰

امیر المومنینؑ جبر اور طاقت کے زور سے لوگوں کے اوپر حکومت کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ اگرچہ آپ اپنے آپ کو حقدار سمجھتے تھے لیکن آپ کنارہ کش رہے یہاں تک کہ لوگوں نے آکر اصرار کیا، زور دیا اور شاید رو دھو کر التماس کیا کہ مولا! آپ ہماری قیادت وحکومت کی زمام سنبھالیں۔ تب کہیں جا کر آپ نے لوگوں کی قیادت سنبھالی۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ اگر لوگ نہ آتے، اصرار نہ کرتے اور پر زور درخواست نہ کرتے تو مجھے اس حکومت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ حصول اقتدار اور حکومت چلانے سے امیر المومنینؑ کو ذرہ برابر رغبت نہ تھی۔ اقتدار کی لالچ اسے ہوتی ہے جو اس کے ذریعے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کا خواہاں ہو۔ امیر المومنینؑ کو اقتدار سے دلچسپی نہ تھی کیونکہ آپ کی دلچسپی شرعی ذمہ داریوں کی ادائیگی اور حق کی بالادستی سے تھی۔ لوگوں نے اقتدار آپ کے سپرد کیا تو آپ نے اسے قبول کیا اور پھر پوری طاقت سے اسلامی اقتدار کی حفاظت فرمائی۔ جن لوگوں نے اسلامی حاکمیت اور اسلامی حکومت سے ٹکر لینے کی کوشش کی ان کے ساتھ آپ نے کوئی رو رعایت نہیں برتی خواہ وہ اصحاب رسول ہوں یا معروف اور بااثر شخصیات ہوں یا ماضی میں اسلام کی خاطر جہاد کرنے والے ہوں۔ برحق حکومت کے ساتھ لڑنے والے جو بھی ہوں ان کے ساتھ سختی سے نمٹنا ضروری تھا اور امامؑ نے ایسا ہی کیا۔ امیر المومنینؑ کی تین جنگیں اسی نوعیت کی تھیں۔ یہ ہیں ایک برحق اسلامی حکومت کی امتیازی خصوصیات۔

امام کا شفاف اور صریح طرز عمل

امیر المومنینؑ التقویٰ اور امانت کا مظہر ہونے کے علاوہ کھرے، شفاف اور سچے انسان بھی تھے۔ آپ کا ظاہر و باطن ایک تھے۔ آپ ایک سیاستدان اور عالم اسلام کے رہبر و رہنما تھے نیز اس دور میں کروڑوں لوگوں پر مشتمل عظیم جمعیت کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے تھے جبکہ آج کل کی طرح کے ذرائع ابلاغ کا فقدان تھا۔ ان حالات میں آپ اسلامی معاشرے اور امت مسلمہ کے امور کو چلا رہے تھے لیکن سیاسی طاقت ہونے کے باوجود آپ حق اور سچائی کے راستے سے نہیں ہٹے۔[1]

---

[1] امیر المومنینؑ کی سچائی کے بارے میں امام صادقؑ کا یہ فرمان ملاحظہ ہو: قال ابو کھمس قلت لابی عبداللہ: ⇦

علی علیہ السلام سچے اور کھرے تھے۔ جو بات کہتے تھے اس پر دل سے ایمان رکھتے اور اسی پر عمل بھی کرتے تھے۔[1] اسی لیے امیر المومنین علیہ السلام کے فرامین کا ایک ایک لفظ پوری تاریخ بشریت میں دنیا کے فکری اور نظریاتی رہنماؤں کے لیے ایک منارۂ نور کی طرح درخشندہ و تابندہ رہا ہے۔ (۴۴)

خدا کا بندہ اور بندگان خدا کا خدمت گار

ایک حکمران، ایک کمانڈر اور ایک مسئول کی حیثیت سے امیر المومنین علیہ السلام کا وجود پاکیزگی، شفافیت اور سچائی کا مظہر تھا۔ آپ نے تن آسانی کو اپنے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیا۔ آپ نے اپنے ماتحتوں کے ساتھ حاکمانہ اور متکبرانہ رویہ اختیار نہیں کیا۔ آپ نے ہمیشہ اور ہر جگہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ اور بندگان خدا کا خدمتگار سمجھا۔ آپ علیہ السلام نے (دنیوی مفادات سے قطع نظر) خلوص کے ساتھ کام کیا۔[2] (۴۵)

☜عبداللّٰہ بن ابی یعفور یقرئك السلام: قال: علیك و علیه السلام، اذا اتیت عبداللّٰه فاقرئه السلام، وقل له: ان جعفر بن محمد یقول لك: انظر ما بلغ به علی عند رسول اللّٰه فالزمه، فان علیا بلغ ما بلغ به عند رسول اللّٰه بصدق الحدیث و اداء الامانة ابوکہمس کہتے ہیں: میں نے امام صادق علیہ السلام سے عرض کیا: عبداللہ بن ابی یعفور آپ کو سلام کہتا ہے۔ فرمایا: تجھ پر اور اس پر سلام ہو۔ جب تو عبداللہ کے پاس پہنچے تو اسے میرا سلام پہنچانا اور اس سے کہنا: جعفر بن محمد تجھ سے کہتا ہے: دیکھو کہ علی علیہ السلام کو رسول اللہ کے ہاں اتنا بلند مقام کیوں کر حاصل ہوا۔ تو بھی اسی روش کو اپنانا۔ کیونکہ علی علیہ السلام کو رسول کے پاس جو مقام حاصل ہوا وہ گفتگو کی سچائی اور امانتداری کی وجہ سے حاصل ہوا۔ (الکافی ج ۲، ص ۱۰۴)

[1] امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان ہے: من نصب نفسه للناس اماما فلیبدا بتعلیم نفسه قبل تعلیم غیره ولیکن تادیبه بسیرته قبل تادیبه بلسانه ومعلم نفسه و مودبها احق بالاجلال من معلم الناس و مودبهم جو شخص اپنے آپ کو لوگوں کا پیشوا قرار دیتا ہے اسے چاہیے کہ دوسروں کو سکھانے سے پہلے خود سیکھے نیز زبانی اصلاح سے پہلے اپنے عمل کی اصلاح کا سامان کرے۔ اپنے نفس کی تعلیم و تربیت اور اصلاح کرنے والا دوسرے لوگوں کی تعلیم و اصلاح کا اہتمام کرنے والے سے زیادہ احترام و اکرام کا حقدار ہے۔ (نہج البلاغہ صبحی صالح ص ۴۸۰، کلمات قصار ۷۳)

[2] ضرار بن حمزہ نے معاویہ کے جواب میں امیر المومنین علیہ السلام کی یوں توصیف کی ہے: کان واللّٰه شدید القوی، بعید المدی، یتفجر العلم من انحائه والحکمة من ارجائه، حسن المعاشرة، سهل المباشرة، خشن الماکل،☜

اللہ کی خاطر خودنمائی

امیر المومنین علیہ السلام نے صرف ایک بار ایک بہادر ہیرو کی طرح خودنمائی کی اور یہ اس وقت جب آپ عمرو بن عبدود کے مقابلے پر نکلے تھے۔ آپ شمشیر بدست سر اٹھا کر چل رہے تھے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھا اور فرمایا: هـذه مشية [1] یہ وہ چال ہے جو اللہ کو ہر جگہ ناپسند ہے سوائے اس طرح کے مواقع کے۔

دیکھئے کہ صرف ایک بار خودنمائی ہو رہی ہے اور وہ بھی درست موقع پر، تاک کر اور اسی جگہ جہاں خودنمائی ہونی چاہیے۔ کیا یہ معمولی باتیں ہیں؟ کیا یہ کم ہیں؟ یہ تو نمونہ عمل ہے کیونکہ اس دشمن کے مقابلے میں خودنمائی ہو رہی ہے جو سرتاپا غرور ہے۔ عمرو بن عبدود کا پورا

☜قصير الملبس، غزير العبرة، طويل الفكرة، يقلب كفه و يخاطب نفسه، و كان فينا كاحدنا، يجيبنا اذا سالناه، ويبدانا اذا سكتنا و نحن مع تقريبه لنا اشد ما يكون صاحب لصاحب هيبة لا نبتدئه الكلام لعظمته مع تقريبه ايانا و قربه منا، لا نكاد نكلمه هيبة له اللہ کی قسم وہ زبردست قوتوں اور عمیق فکر کا مالک تھا۔ اس کی تمام حرکات و سکنات سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹتے تھے۔ وہ لوگوں کے ساتھ میل جول میں اچھا اور حسن سلوک کا حامل تھا۔ وہ روکھی سوکھی کھاتا اور کوتاہ لباس پہنتا تھا۔ وہ موسلا دھار آنسو بہاتا اور دیر تک غور و فکر میں مصروف رہتا تھا۔ وہ اپنی ہتھیلی اپنے چہرے کے سامنے لا کر اپنے آپ سے مخاطب ہوتا تھا۔ وہ ہمارے درمیان ہم جیسا تھا، جب ہم پوچھتے تو وہ جواب دیتا تھا اور جب ہم خاموش ہوتے تو وہ بولتا تھا۔ ہم اس کے ساتھ قربت و مصاحبت کے باوجود اس سے اتنا ڈرتے تھے جتنا کوئی ساتھی اپنے کسی ساتھی سے نہیں ڈرتا۔ اگرچہ وہ ہمیں اپنی قربت سے نوازتا تھا اور ہمارے قریب تھا لیکن اس کی عظمت کے باعث ہم اس سے گفتگو میں پہل نہیں کرتے تھے۔ اس کی ہیبت کے باعث ہم اس سے تکلم نہیں کرتے تھے۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۸، ص ۲۲۵)

صعصعہ بن صوحان کے بشمول امیر المومنین علیہ السلام کے بعض دیگر طرفدار اور اصحاب بھی آپ علیہ السلام کی توصیف میں یوں رطب اللسان ہیں: كان فينا كاحدنا، لين جانب، و شدة تواضع، و سهولة قياد، و كنا نهابه مهابة الاسير المربوط للسياف الواقف على راسه وہ ہمارے درمیان ہماری طرح رہتے تھے۔ وہ بہت متواضع اور فروتن تھے۔ لوگوں کے ساتھ ہم آہنگ تھے۔ ہم اس سے اس طرح ڈرتے تھے جس طرح وہ اسیر جس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہوں اور اس کے سر پر تلواریں لٹک رہی ہوں۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۲۵)

[1] شواهد التنزیل ج ۲ ص ۱۱، بحار الانوار ج ۲۰، ص ۲۱۵

وجود غرور تھا۔ وہ ایک عمر رسیدہ پہلوان تھا جس نے اپنی پوری زندگی میں جب بھی شمشیر زنی کی اپنے دشمن کو خاک وخون میں غلطاں کر دیا۔ اسی لیے وہ اتنا مغرور تھا۔ جنگ خندق نے ایک ماہ طول کھینچا اور کوئی شخص اس خندق کو عبور نہ کر سکا۔ کئی کلو میٹر طویل خندق کے کنارے رسول اللہؐ نے مسلسل پہرہ دار بٹھائے رکھے تاکہ کوئی اسے پار نہ کر سکے وگرنہ یہ بھی ایک خندق ہی تو تھا جس سے چڑھ کر اوپر آنا چنداں محال نہ تھا۔ پھر دشمن اسے عبور کیوں نہ کر سکے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیر انداز ان تاریک اور سرد راتوں میں مسلسل تیر اندازی کرتے رہے۔ (اتفاق سے اس سال مدینہ میں زبردست سردی پڑی۔ رات کو وہ سردی کے باعث سو نہیں سکتے تھے۔ علاوہ ازیں قحط اور بھوک کا بھی سامنا تھا۔) اس لیے دشمن پورے ایک ماہ تک خندق پار کر کے اس طرف نہ آ سکے۔ بس صرف اس دفعہ عمرو بن عبدود اپنے دو تین ساتھیوں کے ساتھ اس طرف آنے میں کامیاب ہوا۔ عمرو کا غرور و تکبر اس کی شخصیت کی نمایاں علامت تھا۔ دشمن کہہ رہے تھے کہ اب مدینہ کا مسئلہ ہی حل ہو گیا۔

جنگ خندق بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ میری نظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام جنگوں میں سب سے اہم یہی جنگ خندق تھی۔ بہت عجیب جنگ تھی۔ دشمنوں نے رسول اللہؐ کے مقابلے میں ہرگز اتنا بڑا لشکر جمع نہیں کیا تھا۔ اب کی بار وہ اس ارادے سے آئے تھے کہ مسلمانوں کا قصہ ہی پاک کر کے واپس لوٹیں چنانچہ انہوں نے اپنی پوری طاقت جمع کر لی تھی۔

اس قسم کی جنگ میں اور ان مخصوص حالات میں جب پورا قریش، سارا غطفان اور مختلف قبائل پورے ساز و سامان کے ساتھ آئے ہوں اور خونخوار بھیڑیوں کی طرح منتظر ہوں نیز سب غرور و تکبر کی تصویر بنے ہوئے ہوں اور خندق پار کرنے میں ناکامی کے باعث غصے میں پھونک رہے ہوں، ان حالات میں عمرو خندق پار کر کے اس طرف آتا ہے۔ ظاہر ہے اس شخص کے مقابلے میں ایک خالص ایمانی اقدام کی ضرورت تھی۔ امام کا غرور اس غرور کے مقابلے میں تھا۔ یہ غرور بے جا نہیں تھا۔ امام نے ثابت کیا کہ آپ کا غرور بے بنیاد نہیں تھا۔ عمرو کو چت کرنے کے بعد امیر المومنین علیہ السلام اس کے سینے پر چڑھے۔ پھر آپ نے اس کا سر کاٹ کر

قصہ تمام کر دیا۔

فارسلنا علیھم ریحاً و جنوداً لم تروھا!

پس ہم نے ان کے مقابلے میں ہوا بھیجی اور وہ لشکر بھیجے جنہیں تم نہیں دیکھ رہے تھے۔

پھر دشمن بھاگ کر وہاں سے رفو چکر ہو گئے۔[1] (۳۶)

---

[1] جنگ خندق کے بارے میں مزید وضاحت کے لیے دیکھیے ضمیمہ نمبر ۱۰

■ امیر المومنینؑ کا صبر اور آپ کی بصیرت

صبر اور بصیرت

امیر المومنین علیہ السلام اپنی نوجوانی میں، یعنی بعثت نبوی کے اوائل میں، عنفوان جوانی میں یعنی ہجرت مدینہ کے وقت (جب علی علیہ السلام کی عمر بیس سال سے زیادہ تھی)، رحلت رسول کے بعد والے دشوار اور پرفتن دور میں نیز عمر کے آخری حصے میں یعنی اپنی زندگی کے آخری پنجسالہ دور حکومت وخلافت میں، غرض پچاس سال پر محیط اس پورے عرصے میں ممتاز خصوصیات کے حامل رہے ہیں۔ سارے لوگ (خاص کر جوان طبقہ) اس نقطہ نظر سے آپ کی سیرت کو نمونہ عمل بنا سکتے ہیں۔

عظیم تاریخی شخصیات غالباً اپنی جوانی بلکہ نوجوانی کے ایام سے ہی بعض خصوصیات کی حامل رہی ہیں یا انہوں نے ان خصوصیات کو اپنے اندر پیدا کیا ہے۔ نمایاں اور عظیم لوگوں کی عظمت عام طور پر ایک طویل المدت جدوجہد کی مرہون منت ہوتی ہے جس کا مشاہدہ ہم امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی میں کرتے ہیں۔ میں امام علیہ السلام کی نشیب وفراز سے پر زندگی میں اجمالی طور پر اس نکتے کا مشاہدہ کرتا ہوں اور آپ لوگوں سے عرض کرتا ہوں کہ امیر المومنین علیہ السلام اپنی نوجوانی کی ابتداء سے اپنی شہادت تک دو ممتاز صفات یعنی ''بصیرت'' اور ''صبر'' (بیداری اور

استقامت) کا پیکر رہے ہیں۔ آپ ایک لحظے کے لیے بھی غفلت، کج فہمی، فکری انحراف اور حقائق کی غلط تشخیص میں مبتلا نہ ہوئے۔[1] جب سے غار حرا اور کوہ نور میں نزول وحی کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کا پرچم لہرایا تھا نیز کلمہ لا الہ الا اللہ اور نبوت ورسالت کی تبلیغ شروع کی تھی تب سے امیر المومنین علیہ السلام نے اس درخشندہ حقیقت کو پہچان لیا اور اس پہچان کی بنا پر مشکلات کا مقابلہ کیا۔ جہاں جہاں ضرورت ہوئی وہاں جدوجہد، مشکلات کے مقابلے اور جانفشانی سے دریغ نہیں کیا بلکہ اپنی جان طبق اخلاص میں سجا کر میدان میں اترتے رہے۔ اگر سیاسی کاموں یا حکومت اور ملک کا نظام چلانے میں کوشش کی ضرورت پڑتی تو آپ اسے بھی انجام دیتے تھے۔ آپ کی بصیرت اور آگاہی ایک لمحے کے لئے بھی آپ سے جدا نہیں ہوئی۔ ثانیاً آپ نے صبر واستقامت کا ثبوت دیا اور اس صراط مستقیم پر ڈٹے رہے۔ صبر واستقامت دکھانا، نہ تھکنا اور نفسانی خواہشات (جو انسان کو سستی برتنے اور کام نہ کرنے کی دعوت دیتی ہیں) کے ہاتھوں مغلوب نہ ہونا بہت اہم باتیں ہیں۔

یاد رہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کی عصمت قابل تقلید نہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت کا موازنہ کسی بھی شخص سے نہیں کیا جا سکتا۔ ہم اپنے معاشرے اور اپنی تاریخ میں جن عظیم شخصیات کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کا موازنہ امیر المومنین علیہ السلام سے کیا جائے تو یہ ذرے اور آفتاب کا موازنہ ہو گا۔ یہ دونوں سرے سے قابل موازنہ نہیں ہیں۔ البتہ امیر المومنین علیہ السلام کی دونوں مذکورہ خصوصیات قابل تقلید ضرور ہیں۔ یہ کہنا غلط ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام چونکہ امیر المومنین علیہ السلام تھے اس لیے صبر وبصیرت (یعنی بیداری اور استقامت) کے حامل تھے۔ سب کو چاہیے کہ ان دو خصوصیات کے زاویے سے اپنے آپ کو امیر المومنین علیہ السلام کے قریب لانے کی حتی المقدور کوشش کریں۔ (۳۷)

---

[1] امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ماشککت فی الحق مذ اریتہ جب سے مجھے حق دکھایا گیا ہے اس کے بعد سے میں نے ہرگز اس میں شک نہیں کیا ہے۔ نہج البلاغہ صبحی صالح خطبہ ۴، ص ۵۱ نیز کلمات قصار ۸۴، ص ۵۰۲

یقین اور استقامت

وجعلنا منهم ائمة یهدون بامرنا لما صبروا و کانوا

بآیاتنا یوقنون[1]

راہ خدا میں امت کی ہدایت کرنے والے پیشواؤں اور برحق ائمہ کی ایک خصوصیت ان کی آگاہی ویقین اور پھر ان کے صبر واستقامت سے عبارت ہے۔ اگر ہم امیر المومنین علیہ السلام کی سیاسی زندگی پر اجمالی نظر کریں تو ہم اس آگاہی، یقین اور صبر واستقامت کا مشاہدہ کریں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیئس سالہ دور میں امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی بڑے بڑے واقعات وحوادث سے لبریز نظر آتی ہے۔ مکہ اور مدینہ دونوں میں سنگین ذمہ داریوں، دشوار مہمات اور خطرات ومہالک کی بہتات تھی۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اس دشوار گزار سنگلاخ اور نشیب وفراز سے پر راستے کو صرف یقین اور استقامت کی مدد سے طے کیا۔

امیر المومنین علیہ السلام سے منقول درج ذیل جملہ اس دعوے کی سچائی کی بہترین دلیل ہے:

لقد کنا مع رسول الله (صلی الله علیه وآله) نقتل

آباء نا و ابناء نا واخواننا و اعمامنا

یعنی ہم رسول اللہ کی رکاب میں اپنے آباء، اپنے بیٹوں، اپنے بھائیوں اور اپنے چچوں سے جنگ کرتے تھے اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ان کے ساتھ نبرد آزما ہوتے تھے۔

ما یزیدنا ذلك الا ایمانا و تسلیما، مضیا علی اللقم،

و صبرا علی مضض الالم

یعنی راہ خدا میں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ جنگ کے دشوار مرحلے میں نہ صرف یہ کہ ہم بددل نہیں ہوتے تھے بلکہ ہمارے ایمان وتصدیق اور جذبہ تسلیم ورضا میں اضافہ ہوتا تھا۔

ولقد کان الرجل منا والآخر من عدونا یتصاولان

---

[1] سورہ سجدہ۔۲۴ اور ہم نے ان میں سے بعض کو پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی ہدایت کا سامان کرتے تھے کیونکہ وہ صبر سے کام لیتے اور ہماری نشانیوں پر یقین رکھتے تھے۔

تصاول الفحلين يتخالسان انفسهما ايهما يسقي صاحبه

كاس المنون فمرة لنا من عدونا و مرة لعدونا منا

یعنی جب ہم میدان جنگ میں اپنے حریفوں اور دشمنوں سے روبرو ہوتے تھے تو ہمیں صرف اس بات کی فکر ہوتی تھی کہ ہم اپنی ذمہ داری ادا کریں نیز دشمنان خدا کو نیست و نابود اور ہلاک کر دیں۔[1] یہ ہے اس تیس سالہ دور میں امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کا خلاصہ۔ کوئی مہینہ ایسا نہیں گزرتا تھا جس میں علی علیہ السلام کے اہل و عیال آپ کو جنگی لباس میں ملبوس اور خطرات کے دہانے پر کھڑا نہ دیکھیں۔ امیر المومنین علیہ السلام نے ان تمام مشکلات اور خطرات کے مقابلے میں صبر و استقامت کا ثبوت دیا اور اپنا دشوار گزار سفر جاری رکھا یہاں تک کہ اسلام کا شجر سرسبز ہو گیا اور اس کی جڑیں مضبوط اور محفوظ ہو گئیں۔

رحلتِ رسول کے بعد والے پچیس سالوں کے دوران بھی امیر المومنین علیہ السلام آگاہی و یقین کا مظہر اور صبر و استقامت کا پیکر نظر آتے ہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام کو جب بھی کسی چیز کے بارے میں یہ یقین ہو جاتا کہ یہ آپ کی ذمہ داری بنتی ہے تو پھر کوئی مانع آپ کو اس ذمہ داری پر عمل سے نہیں روک سکتا تھا۔

پچیس سالہ دور کی ابتدا میں کچھ لوگ آپ کے پاس آئے۔ انہوں نے آپ کو (حکومت وقت کے خلاف) قیام کی ترغیب دی۔ امیر المومنین علیہ السلام اپنی ذمہ داری کو خوب پہچانتے تھے اس لیے فرمایا:

ایھا الناس، شقوا امواج الفتن بسفن النجاة، و عرجوا عن طریق المنافرة و ضعوا تیجان المفاخرة. افلح من نھض بجناح او استسلم فاراح. ھذا ماء آجن و لقمة یغص بھا آکلھا، و مجتنی الثمرة لغیر

---

[1] نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۵۶، ص ۹۱

وقت اينا عها كالزارع بغير ارضه [1]

خود پرستی کے خول سے نکل جاؤ، اقتدار پرستی کا جوا اتار دو اور دور ہو جاؤ کہ علی اس دام فریب میں آنے والا نہیں۔ علی کو خوب معلوم ہے کہ عالم اسلام کے امور کے بارے میں کیا موقف اختیار کرنا چاہیے۔ علی جانتا ہے کہ اسلام علی سے کیا چاہتا ہے پھر وہ اسے مکمل طاقت اور استقامت کے ساتھ انجام دیتا ہے۔ بنابریں امام علیہ السلام نے ان لوگوں کی تجویز کو رد کر دیا۔ آپ نے بیعت نہیں کی لیکن دین اسلام کے مفاد کو دیکھتے ہوئے فرمایا:

فامسكت يدى حتى رايت راجعة الناس قد رجعت عن الاسلام، يدعون الى محق دين محمد صلى الله عليه وآله [2]

امیر المومنین علیہ السلام نے یہ محسوس کیا کہ مفاد پرست عناصر آپ علیہ السلام کو خلفا کے مقابلے

---

[1] لوگو! نجات کی کشتیوں کے ذریعے فتنوں کی موجوں کا سینہ چاک کرو۔ منافرت کے پست راستے سے جدا ہو کر بلندیوں کی طرف پرواز کرو۔ باہمی فخر و مباہات کے تاجوں کو اتار پھینکو۔ کامیابی صرف دو قسم کے لوگوں کو نصیب ہوتی ہے: ایک وہ جن کی پشت پناہی کرنے والے مددگار موجود ہوں اور وہ مطلوبہ قوت کے ساتھ پرواز کریں۔ دوسرے وہ جو مسالمت آمیز طریقہ اختیار کرتے ہوئے اپنی افرادی قوت کو آرام کا موقع دیں۔
یہ حکومت اور اقتدار جس کے تم خواہاں ہو ایک بدبودار گندا پانی اور گلے میں پھنسنے والا لقمہ ہے۔ جو شخص کچا میوہ توڑے وہ اس کسان کی طرح ہے جو کسی اور کی زمین میں بیج بوئے۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۵، صفحہ ۵۲)

[2] یہ امیر المومنین علیہ السلام کے ایک مکتوب سے ماخوذ ہے جو آپ نے مالک اشتر کو مصر کا گورنر بناتے وقت اہل مصر کے نام لکھا تھا۔ اس میں آپ نے رحلت رسول کے بعد کے حالات کی تشریح بیان فرمائی ہے۔ اس خط کا ترجمہ کچھ یوں ہے: اما بعد اللہ نے محمد کو بھیجا تاکہ وہ اہل عالم کو ڈرائے نیز انبیائے الٰہی کے دین کی گواہی دے اور حفاظت کرے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت ہوئی تو مسلمانوں نے آپ کی خلافت و امارت میں اختلاف کیا۔ اللہ کی قسم میں ہرگز یہ نہیں سمجھتا تھا کہ پیغمبر کے بعد عرب والے آل رسول کو امامت و قیادت سے محروم کر دیں گے اور مجھے اس سے دور رکھیں گے۔ جس چیز نے مجھے رنجیدہ کیا وہ یہ تھا کہ لوگ فلاں۔۔ کے گرد جمع ہو گئے تاکہ اس کی بیعت کریں۔ میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ میں نے بچشم خود دیکھا کہ ایک گروہ اسلام سے برگشتہ ہو چکا ہے اور دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مٹانے کے درپے ہے۔ جب بات یہاں پہنچی تو مجھے خوف ہوا کہ اگر میں اسلام اور مسلمانوں کی مدد نہ کروں تو مجھے اسلام کی بربادی کا منظر دیکھنا پڑے گا جس کا خطرہ میرے لیے حکومت اور خلافت کو خیرباد کہنے سے زیادہ اہم تھا کیونکہ حکومت تو ایک عارضی دنیوی متاع ہے اور بادلوں کی طرح جلد چھٹ جاتی ہے۔ پس میں ان حوادث کو دفع کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا چنانچہ باطل کا خاتمہ ہو گیا اور دین کی بنیاد مستحکم ہو گئی۔ (نہج البلاغہ صبحی صالح، مکتوب نمبر ۶۲، ص ۴۵۲)

میں کھڑا کرنا چاہتے ہیں تاکہ اسلام کا پرچم سرنگوں ہو جائے۔ اسی لیے آپ پچیس سالوں تک خلفا کے ساتھ نباہ کرتے رہے۔ یوں آپ نے ایک آگاہ اور ثابت قدم مسلمان کی حیثیت سے یہ مشکل دور گزار لیا۔[1]

(قتل عثمان کے بعد) جب لوگ امام علیہ السلام کی تلاش میں آئے اور آپ نے محسوس کیا کہ اب میدان میں قدم رکھنا ضروری ہے تو آپ نے بیعت قبول کر لی اور زمام حکومت سنبھال لی۔[2] امیر المومنین علیہ السلام نے چار سال نو ماہ پر مشتمل اپنے مختصر دور حکومت میں بھی اسی آگاہانہ یقین اور اسی صبر و استقامت کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھا۔ جنگ صفین میں آپ نے فرمایا:

ولا یحمل هذا العلم الا اهل البصر و الصبر [3]

اس علم کو صرف وہی اٹھا سکتا ہے جو صاحب بصیرت اور صابر ہو۔

خود امیر المومنین علیہ السلام اسی یقین اور صبر کے سہارے مشکلات کا مقابلہ کرتے رہے اور انہی دو پروں کے ذریعے آسمان عبودیت کی بلندیوں میں محو پرواز رہے۔ باد مخالف کی تند و تیز لہریں آپ کو اپنے راستے سے نہ ہٹا سکیں۔ ایک طرف سے اقتدار کے بھوکے اور

---

[1] نقش نگار (علی کا راستہ۔ ج ۱) چوتھی فصل، ص ۳۲ تا ۳۴ میں پچیس سالہ دور زندگی میں امام علیہ السلام کی پالیسیوں اور خلفاء کے ساتھ آپ کے روابط کے بارے میں وضاحت موجود ہے۔

[2] امیر المومنین علیہ السلام خطبہ شقشقیہ میں فرماتے ہیں: اما و الذی فلق الحبة و برا النسمة لولا حضور الحاضر و قیام الحجة بوجود الناصر وما اخذ الله علی العلماء الا یقاروا علی کظة ظالم و لا سغب مظلوم لالقیت حبلها علی غاربها و لسقیت آخرها بکاس اولها و لا لفیتم دنیاکم هذه ازهد عندی من عطفة عنز دیکھو اس ذات کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور ذی روح چیزیں پیدا کیں، اگر بیعت کرنے والوں اور مددگاروں کی موجودگی سے مجھ پر حجت تمام نہ ہو گئی ہوتی اور وہ عہد نہ ہوتا جو اللہ نے علماء سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون و قرار سے نہ بیٹھیں گے تو میں خلافت کی لگام اسی کے کندھے پر ڈال دیتا اور اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس سے اس کے اول کو سیراب کیا تھا اور تم اپنی دنیا کو میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ناقابل اعتناء پاتے۔ (نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۳، ص ۵۰)

[3] نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۱۷۳، نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین خطبہ ۱۷۱

جاہ طلب عناصر آپ پر دباؤ ڈال رہے تھے جبکہ دوسری طرف سے انتہا پسند، سادہ لوح اور لکیر کے فقیر مسلمان آپ پر دباؤ بڑھا رہے تھے۔ خلاصہ یہ کہ دائیں بائیں دونوں طرف سے امیرالمومنین علیہ السلام پر دباؤ تھا لیکن آپ ان میں سے کسی کے آگے سر تسلیم خم نہیں ہوئے۔

جس دن خوارج (یہ نئے اور ناتجربہ کار مسلمان) امیرالمومنین علیہ السلام (جس نے اپنی مبارک زندگی حکومت الٰہیہ کی راہ میں صرف کی تھی) کو "لاحکم الا للہ" کا درس دے رہے تھے اس دن بھی آپ نے اس نعرے کو قبول نہیں کیا[1] بلکہ آپ نے مزاحمت کا ثبوت دیا۔ آپ نے ان کا مقابلہ کیا اور مزاحمت کی نیز پوری طاقت، قوت فیصلہ اور شجاعت کے ساتھ پروپیگنڈوں سے لاپرواہ ہو کر مسلمانوں کی بھلائی اور اسلام کی بقاء کی راہ پر اپنا سفر جاری رکھا یہاں تک کہ آپ اللہ کے سب سے بڑے انعام یعنی شہادت سے سرافراز ہوئے اور سنگین ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوئے۔

یہ ہے امیرالمومنین علیہ السلام کی زندگی کا خلاصہ جو سراپا آگاہی و بصیرت کے ساتھ توام اور صبر و استقامت کا مرقع ہے۔ (۳۸)

غیب پر شہود آمیز یقین

امیرالمومنین علیہ السلام کا قول ہے:

---

[1] جب خوارج نے لاحکم الا للہ کا نعرہ لگایا تو امیرالمومنین نے فرمایا: کلمة حق یراد بها باطل نعم انه لا حکم الا لله ولکن هولاء یقولون لا امرة الا لله و انه لا بد للناس من امیر بر او فاجر یعمل فی امرته المومن و یستمتع فیها الکافر و یبلغ الله فیها الاجل و یجمع به الفیء و یقاتل به العدو و تامن به السبل و یوخذ به للضعیف من القوی حتی یستریح بر و یستراح من فاجر یہ ایک برحق جملہ ہے لیکن اسے ایک غلط اور باطل مفہوم پر منطبق کیا جا رہا ہے۔ یہ درست ہے کہ حکم صرف خدا کا ہے لیکن خوارج کا مقصود یہ ہے کہ حکمرانی صرف خدا کی ہے حالانکہ لوگوں کو ایک حکمران کی ضرورت ہوتی ہے خواہ وہ نیکوکار ہو یا بدکار تاکہ اہل ایمان اس کی حکومت کے سائے میں اپنا کام کرتے رہیں، کافروں کو بھی اس سے فائدہ ہو، لوگ اس کی حکومت میں زندگی گزاریں، اس کے ذریعے بیت المال کی جمع آوری ہو، دشمنوں کے ساتھ جنگ میسر ہو، راستے پر امن ہوں، طاقتوروں سے مظلوموں کا حق لیا جائے، نیک لوگ خوشحال ہوں اور عوام برے لوگوں سے مامون رہیں۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۴۰، صفحہ ۸۲)

لَو کُشِفَ الغِطآءُ مَا ازْدَدتُ یَقِیناً [1]

یعنی اگر غیب کا پردہ ہٹ جائے اور میں غیب کو (یعنی باری تعالیٰ کی ذاتِ اقدس، فرشتوں، جنت، جہنم، غرض کائنات کی ہر اس غیبی وملکوتی حقیقت کو جسے ادیانِ عالم نے بیان کیا ہے) انہی ظاہری آنکھوں سے دیکھ لوں تو بھی میرے سابقہ یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ [2]

بالفاظ دیگر میرا یقین اور ایمان اس شخص کے یقین کی طرح ہے جس نے ان تمام حقائق کو اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھا ہو۔ (۳۹)

---

[1] غرر الحکم ص۱۱۹، ارشاد القلوب ج۱ص۱۲۳، الفضائل ص۱۳۷، کشف الغمہ ج۱ص۱۷۰، الطرائف ج۲ص۵۱۲، شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید ج۷ص۲۵۳، الصراط المستقیم ج۱ص۲۳۰، مناقب ابن شہر آشوب ج۲ص۳۸، بحار الانوار ج۶۶ص۲۰۹۔

[2] امیر المومنینؑ کا فرمان ہے: وَ إِنِّی لَعَلیٰ بَیِّنَةٍ مِن رَبِّی وَمِنهاجٍ مِن نَبِیِّی وَإِنِّی لَعلیٰ الطَّرِیقِ الوَاضِحِ أَلْقُطُهُ لَقْطاً بیشک میں اپنے رب کی طرف سے (اپنی حقانیت کے بارے میں) واضح دلیل رکھتا ہوں۔ میں اپنے نبی کے روشن وآشکار راستے پر گامزن ہوں۔ میرا راستہ واضح اور روشن ہے اور میں آگاہی وشناخت کے ساتھ اس پر چل رہا ہوں۔ نہج البلاغہ صبحی صالح خطبہ ۹۷، ص ۴۳۔

امیر المومنینؑ کا یہ بھی فرمان ہے: وَ إِنِّی عَلیٰ یَقِینٍ مِن رَبِّی وَغَیرِ شُبْهَةٍ مِن دِینِی مجھے اپنے رب پر یقین ہے اور اپنے دین کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے۔ نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۲۲، ص ۶۳۔

نیز آپ ہی کا فرمان ہے: إِنَّ مَعِی لَبَصِیرَتِی، مَا لَبَسْتُ عَلیٰ نَفسِی ولا لُبِسَ عَلَیَّ میری بصیرت وآگاہی میرے ساتھ ہے۔ میں نے حقیقت کو اپنے اوپر مشتبہ نہیں کیا ہے اور نہ وہ مجھ پر مشتبہ ہوئی ہے۔ نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۱۰، ص ۵۴۔

امیر المومنین علیہ السلام کی عبادت

علی علیہ السلام والی عبادت کرنے کی کون تاب لاسکتا ہے؟

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کی اولاد اور آل (آل رسول) میں سے کوئی شخص (اس قسم کے طرز عمل، زہد و عبادت،) لباس اور علم وغیرہ میں علی ابن حسین علیہ السلام سے زیادہ امیر المومنین علیہ السلام کا شبیہ نہ تھا۔ امام سجاد علیہ السلام سب سے زیادہ علی علیہ السلام کے شبیہ تھے۔ امام صادق علیہ السلام نے امام سجاد علیہ السلام کی عبادت کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

ولقد دخل ابو جعفر ابنه (علیهما السلام) علیه

میرے پدر گرامی امام باقر علیہ السلام ایک دن امام سجاد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

فاذا هو بلغ من العبادة ما لم یبلغه احد

امام باقر علیہ السلام نے دیکھا کہ عبادت کی وجہ سے امام سجاد علیہ السلام کی وہ حالت ہوگئی ہے جو کسی اور کی نہیں ہوئی۔

پھر فرماتے ہیں کہ بیداری کی وجہ سے آپ کا رنگ زرد پڑ چکا تھا، رونے کی وجہ

سے آپ کی آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں، آپ کے پیروں میں ورم آ گیا تھا اور.... اپنے والد کی یہ حالت دیکھ کر امام باقر علیہ السلام کا دل کباب ہو گیا۔

فلم املك حين رايته بتلك الحال البكاء

جب میں نے آپ کو اس حال میں دیکھا تو روئے بغیر نہ رہ سکا۔

فبكيت رحمة له

میں آپ پر ترس کھا کر رونے لگا۔

امام سجاد علیہ السلام غور و فکر میں ڈوبے ہوئے تھے (کیونکہ تعقل و تفکر بھی ایک عبادت ہے) آپ اپنی فراست کے باعث فوراً جان گئے کہ آپ کا بیٹا (امام باقر علیہ السلام) کیوں رو رہے ہیں۔ آپ نے ایک عملی درس دینے کا ارادہ کیا اور اپنا سر اٹھا کر فرمایا:

يا بني ! اعطني بعض تلك الصحف التي فيها عبادة علي بن ابي طالب

اے میرے بیٹے! ہمارے پاس موجود نوشتہ جات میں سے وہ نوشتہ مجھے لا دو جس میں علی بن ابی طالب علیہ السلام کی عبادت کا ذکر ہے۔

بظاہر امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے دور سے ہی امیر المومنین علیہ السلام کے فیصلوں، آپ کے حالات زندگی اور آپ کی احادیث پر مشتمل کتب، نوشتہ جات اور صحیفے ائمہ علیہم السلام کے پاس موجود تھے۔ دیگر روایات سے مجموعی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ مختلف امور میں ان تحریروں سے استفادہ کرتے تھے۔ یہاں بھی امام سجاد علیہ السلام نے اپنے فرزند امام باقر علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ علی بن ابی طالب علیہ السلام کی عبادت سے مربوط نوشتہ لے آئیں۔ امام باقر فرماتے ہیں: فاعطیته میں نے وہ تحریر لا کر آپ کو دے دی۔

فقرأ فيها شيئاً يسيرا ثم تركها من يده تضجرا

آپ نے اس تحریر میں سے تھوڑا سا پڑھا

(یہاں امام سجادؑ ایک طرف سے امام باقرؑ اور امام صادقؑ کو جبکہ دوسری طرف سے مجھے اور آپ کو درس دے رہے ہیں)

پھر ملال کے ساتھ اسے زمین پر رکھا۔

وقال من یقوی علی عبادۃ علی بن ابی طالب

فرمایا: علی ابن ابی طالب کی طرح عبادت کرنے کی کس میں طاقت ہے؟

امام سجادؑ کی کثرت عبادت سے امام باقرؑ کا دل کباب ہوا تھا (میری اور آپ کی طرح نہیں جو معمولی سی عبادت کو بھی عظیم تصور کرتے ہیں۔) ادھر امام باقرؑ خود امام اور عظیم درجات کا حامل ہونے کے باوجود امام سجادؑ کی عبادت دیکھ کر فرطِ جذبات اور شدت غم سے بے اختیار زار زار روئے تھے۔ لیکن یہی امام زین العابدینؑ اپنی تمام تر عبادت کے باوجود فرماتے ہیں:

من یقوی علی عبادۃ علی بن ابی طالب[1]

علی والی عبادت کی کون تاب لاسکتا ہے؟

بالفاظ دیگر امام سجادؑ اپنی عبادت اور علیؑ کی عبادت کے درمیان بڑا فاصلہ پاتے تھے۔ (۴۰)

مدینہ کے نخلستانوں میں علیؑ کا تضرع

ابو درداء نقل کرتے ہیں:

رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک رات میں نے دیکھا کہ مدینہ کے ایک نخلستان سے (اللہ کے حضور) مناجات اور نالہ و تضرع کی آواز آرہی ہے۔ میں قریب گیا۔ میں نے دیکھا کہ یہ تو علی ابن ابی طالب ہیں جو

---

[1] دیکھئے ارشاد مفید ج ۲، ص ۱۴۱، بحار الانوار ج ۴۱، ص ۱۱۰

مناجات اور دعا میں مشغول اور زبردست گریہ کررہے ہیں۔ زیادہ رونے اور دعا و مناجات کے باعث آپ غش کھا کر وہیں گر گئے۔ میں سخت گھبرا گیا اور یہ سوچنے لگا کہ علی کی روح نکل گئی ہے۔ اسی گھبراہٹ میں میں نے جا کر فاطمہ زہرا کو اطلاع دی لیکن فاطمہ زہرا میری طرح نہیں گھبرائیں کیونکہ آپ نے علی کی اس حالت کا بارہا مشاہدہ فرمایا تھا۔[1] (۴۱)

عنفوان شباب میں سب سے زیادہ عبادت

امیرالمومنین علیہ السلام کو جوانی کے دور سے ہی دعا و مناجات اور تضرع و زاری کی عادت تھی۔[2] آپ جوانی کے ایام میں بھی اس عمل میں مصروف رہتے تھے۔

عصر رسول میں بھی آپؑ ہر میدان میں اور ہمیشہ سرگرم عمل رہنے والے انقلابی جوان تھے۔ امام علیہ السلام جہدِ مسلسل کا پیکر تھے۔ آپ علیہ السلام کے پاس کوئی فارغ وقت نہیں تھا۔ جس دن ایک محفل میں یہ سوال کیا گیا کہ اصحاب رسول میں سب سے زیادہ عبادت گزار کون ہے تو ابو درداء نے کہا: علی ہیں۔ سوال ہوا: وہ کیسے؟ ابو درداء نے مثالوں سے سب کو قائل کیا کہ علی علیہ السلام سب سے زیادہ عبادت گزار ہیں۔[3] اس وقت آپؑ چوبیس سالہ جوان تھے۔

---

[1] اس حدیث کا مکمل متن ضمیمہ نمبر ۱۱ میں ملاحظہ ہو۔

[2] یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی۔ اس وقت امیرالمومنینؑ جوان تھے۔ کئی مفسرین کے مطابق یہ آیت امیرالمومنین علیہ السلام کی شان میں اتری: أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (زمر/۹)
یا وہ شخص جو رات کے اوقات عبادت میں مشغول رہتا ہے اور سجدہ و قیام کی حالت میں آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے اور رحمت خداوندی کی امید رکھتا ہے؟ کہہ دے: کیا علم رکھنے والے اور جاہل برابر ہیں؟ صرف عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ تفسیر البرہان ج ۴، ص ۶۹۹، تفسیر قمی ج ۲، ص ۲۴۶

[3] ابو درداء کی گفتگو کا متن ضمیمہ نمبر ۱۱ میں ملاحظہ ہو۔

اس کے بعد تو صورتحال واضح ہے۔ آپؑ کے دورِ خلافت میں بھی آپ کی یہی حالت رہی۔ امیر المومنینؑ کی عبادت کے بارے میں مختلف واقعات (مثلاً نوف بکالی کا واقعہ) مذکور ہیں [1]

''صحیفہ علویہ'' امیر المومنینؑ سے مروی دعاؤں پر مشتمل کتاب ہے جسے بزرگ علماء نے جمع کیا ہے۔[2] ان دعاؤں کا ایک نمونہ یہی دعائے کمیل ہے [3] جسے آپ شب جمعہ

---

[1] نوف بکالی سے مروی ہے: میں نے ایک شب امیر المومنینؑ کو دیکھا کہ آپ عبادت کی خاطر اپنا بستر چھوڑ کر نکلے ہیں۔ آپؑ نے ستاروں پر ایک نظر دوڑائی اور مجھ سے فرمایا: اے نوف! سوئے ہوئے ہو یا بیدار ہو؟ میں نے عرض کی: بیدار ہوں۔ فرمایا: یا نَوفُ! طُوبیٰ لِلزاهِدينَ فِي الدُّنيا الرّاغِبِينَ فِي الآخِرةِ اُولئكَ قَومٌ اتَّخَذُوا الأرضَ بِساطاً وَتُرابها فِراشاً وَماءَهاطِيباً وَالقُرآن شِعاراً وَالدعاءَ دِثاراً ثُمَّ قَرَضُوا الدُّنيا قَرضاً عليٰ مِنهَاجِ المَسِيحِ ((اے نوف! خوشا نصیب ان کے جنہوں نے دنیا میں زہد اختیار کیا اور آخرت سے لو لگایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے زمین کو فرش، مٹی کو بستر، پانی کو مشروب عطر آگین، قرآن کو اندرونی لباس اور دعا کو بیرونی لباس قرار دیا پھر حضرت مسیح کی طرح دامن جھاڑ کر دنیا سے الگ ہو گئے۔))
اے نوف! داؤدؑ رات کے اسی حصے میں اٹھے اور کہنے لگے: یہ وہ گھڑی ہے جس میں بندہ جو بھی دعا مانگے وہ قبول ہو جاتی ہے مگر یہ کہ وہ ظالم حکمرانوں کے لیے ٹیکس جمع کرنے والا یا ان کا جاسوس یا محکمہ پولیس کا کارندہ یا سارنگی یا ڈھول تاشہ بجانے والا ہو۔ (نہج البلاغۃ صبحی صالح، کلمات قصار نمبر۱۰۴، ص۴۸۶)

[2] صحیفہ علویہ امیر المومنینؑ کی ان دعاؤں کا مجموعہ ہے جنہیں عبداللہ بن صالح سماہیجی نے جمع کیا ہے۔ سید ہاشم رسولی محلاتی نے اس کا فارسی ترجمہ کیا ہے۔ اس کتاب میں امام اول کی ڈیڑھ سو سے زیادہ دعائیں مروی ہیں۔ کتاب کے مقدمے میں ان دعاؤں کے صحیح السند ہونے کی تصریح کی گئی ہے لیکن کتاب کے حجم کو کم رکھنے کے لیے اسناد کے ذکر سے اجتناب کیا گیا ہے۔

[3] جنگ جمل کے بعد امیر المومنینؑ نے بصرہ میں چند دن قیام فرمایا۔ ۱۵ شعبان کی رات آپ نے اپنے ساتھیوں کی محفل میں شب برات کے فضائل بیان کیے اور اس رات دعائے خضر پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ محفل برخاست ہوئی اور حاضرین چلے گئے۔ آدھی رات کو کمیل امیر المومنینؑ کی قیام گاہ پر آئے۔ کمیل نے امام سے دعائے خضر سکھانے کی درخواست کی۔ امامؑ نے کمیل کو دعائے خضر سکھائی اور تاکید فرمائی کہ ہو سکے تو ہر شب جمعہ ورنہ ہر ماہ ایک بار یا سال میں ایک بار اور کم از کم زندگی میں ایک بار اسے پڑھے۔ ایک روایت میں ہے کہ کمیل نے کہا: امام نے ۱۵ شعبان کی رات سجدے کی حالت میں یہ دعا پڑھی اور میں نے اسے یاد کر لیا۔ (اقبال الاعمال ص۷۰۶ نیز مصباح المتہجد ص۸۴۴۔ دعائے خضر امام علیؑ نے کمیل کو سکھائی اور کمیل سے دوسروں تک منتقل ہوئی۔ ⇐

پڑھتے ہیں۔ ایک دفعہ میں نے ہمارے عظیم رہبر مرحوم امام (خمینی) سے پوچھا:

آپ تمام دعاؤں میں کس دعا کو زیادہ پسند کرتے اور اہمیت دیتے ہیں؟

انہوں نے سوچ کر بتایا:

دو دعاؤں کو۔ ایک دعائے کمیل اور دوسری مناجات شعبانیہ کو۔

احتمال یہی ہے کہ مناجات شعبانیہ کا تعلق بھی امیر المومنین علیہ السلام سے ہے کیونکہ مروی ہے کہ تمام ائمہ علیہم السلام مناجات شعبانیہ پڑھا کرتے تھے۔[1] (۴۲)

ساری زندگی عبادت

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی عبادت میں گزار دی۔ جب سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت امیر المومنین علیہ السلام کا وجود ہدایت الٰہیہ کے نور سے منور ہوا اس وقت سے لے کر دشمنانِ خدا کی تلوار سے شہادت کے مرتبے پر فائز ہونے تک آپ امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کا ایک لحہ بھی ایسا نہیں دکھا سکتے جس میں امام علیہ السلام اللہ کی عبادت، اس کی یاد اور اس کے ساتھ رابطہ برقرار رکھنے سے غافل رہے ہوں۔ خوشی، غمی، جنگ اور امن کے بشمول کسی موقع پر آپ عبادت سے غافل نہیں رہتے تھے۔

آپ رات کو ایک خاص انداز میں، دن کو دوسرے طریقے سے، مسجد میں کسی اور انداز میں، میدان جنگ میں اپنے انداز سے، مسند حکومت پر اپنے طریقے سے اور کرسی

☜ اسی لیے دعائے کمیل کے نام سے معروف ہوئی۔ دعاؤں کی کتابوں خاص کر مفاتیح الجنان میں یہ دعا منقول ہے۔

[1] امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ مناجات شعبانیہ کے بارے میں کہتے ہیں: مروی ہے کہ یہ حضرت امیر علیہ السلام اور آپ کی اولاد کی مناجات ہے۔ سارے ائمہ طاہرین علیہم السلام اس کے ذریعے اللہ کو پکارتے تھے۔ بہت کم دعائیں اور مناجاتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہو کہ تمام ائمہ انہیں پڑھتے تھے۔ (جہاد اکبر ص ۳۷) سید بن طاوس "اقبال الاعمال" ص ۶۸۷ میں لکھتے ہیں کہ یہ امیر المومنین علیہ السلام کی مناجات ہے اور ائمہ اسے پڑھتے تھے۔

قضاوت پر اپنے انداز میں خدا سے رابطہ برقرار رکھتے تھے۔ غرض آپ ہر حال میں خدا سے رابطہ رکھتے تھے، اس کی بندگی بجالاتے تھے اور اس کے لیے کام کرتے تھے۔ یہ ہے امیرالمومنین علیہ السلام کی سیرت۔[1] (۴۳)

دن رات میں ہزار رکعت نماز

مروی ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام گاہے ایک دن رات میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے۔[2] (۴۴)

میدان کارزار میں نماز

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

---

[1] یقیناً امیرالمومنین علیہ السلام اس آیہ مبارکہ کے واضح مصداق تھے: رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ (نور ۳۷) ((کچھ مرد وہ ہیں جنھیں تجارت اور خرید و فروش اللہ کو یاد کرنے، نماز قائم کرنے اور زکات دینے سے غافل نہیں کرتیں۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں قلوب اور آنکھیں زیر و زبر ہو جاتی ہیں۔))

[2] امام صادق علیہ السلام نے جمیل بن صالح سے فرمایا: اگر تمہارے لیے ماہ رمضان یا دیگر ایام میں ایک ہزار رکعت نماز ایک دن رات کے اندر پڑھنا ممکن ہو تو پڑھو کیونکہ علی علیہ السلام ایک دن رات میں ہزار رکعت نماز بجالاتے تھے۔ (تہذیب الاحکام ج ۳، ص ۶۱، الاستبصار ج ۱، ص ۴۶۱ نیز البلد الامین ص ۱۷۷) اسی طرح امام صادق علیہ السلام نے ابوبصیر سے فرمایا: اگر ماہ رمضان میں ایک دن رات میں ہزار رکعت نماز پڑھ سکو تو پڑھو کیونکہ علی علیہ السلام اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک دن رات میں ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے۔ (الکافی ج ۴، ص ۱۵۴)

خصال صدوق میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ علی ابن حسین علیہ السلام چوبیس گھنٹوں میں ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے۔ آپ کے پاس کھجور کے پانچ سو درخت تھے۔ آپ ان میں سے ہر ایک کے پاس دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ (الخصال ج ۲ ص ۵۱۷)

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: جب امیرالمومنین علیہ السلام کو کوئی مصیبت پیش آتی تو اس دن آپ ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے، مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے اور تین دن روزہ رکھتے تھے۔ آپ اپنی اولاد سے کہتے تھے: جب تمہیں کوئی مصیبت لاحق ہو تو میری طرح تم بھی اسے بجالانا کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا کرتے تھے۔ امام سجاد علیہ السلام نے آخر میں فرمایا: میں بھی امیرالمومنین کی طرح عمل کرتا ہوں۔ (الدعوات ص ۲۸۷)

میں نے جنگ صفین میں ایک دن دیکھا کہ امیر المومنین علیہ السلام سخت لڑائی کے دوران آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

میں نے تعجب سے پوچھا:

یاامیر المومنین! آپ اوپر کیوں دیکھ رہے ہیں؟

فرمایا:

میں دیکھ رہا ہوں کہ ظہر ہوئی ہو تو نماز پڑھ لوں۔

میں نے عرض کی:

یاامیر المومنین! نماز ظہر کا وقت ہو گیا ہے لیکن ہم ابھی جنگ جاری رکھتے ہیں، نماز بعد میں پڑھ لیں گے۔

امام نے میری طرف رخ کر کے فرمایا:

نہیں ہم اسی کی خاطر تو لڑ رہے ہیں۔[1] ہم نماز، دینِ خدا اور ذکرِ خدا کی خاطر تو تلوار چلا رہے ہیں۔ (۴۵)

علی علیہ السلام کی عبادت کا راز

امیر المومنین علیہ السلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ معاشرے کی باطنی اصلاح کی خاطر اپنی باطنی اصلاح سے دستبردار نہیں ہوئے۔ عام طور پر جو لوگ دوسروں کو باطنی کمال اور ترقی کی طرف لے جاتے ہیں وہ اپنی باطنی اصلاح اور پیشرفت میں ناکام رہ جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں لیکن خود نصیحت نہیں پکڑتے۔ بہت سے لوگ تبلیغ و ارشاد کے ذریعے لوگوں کو آگاہی، معرفت اور تزکیۂ باطن سے بہرہ مند کرتے ہیں لیکن وہ خود ان تمام خوبیوں سے محروم رہتے ہیں جو عظیم خسارہ ہے۔ اسی لیے امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَنْ نَصَبَ نَفسَهُ لِلنَّاسِ إماماً فَلْيَبْدَأْ بِتَعلِيمِ نَفسِهِ

---

[1] ارشاد القلوب ج۲، ص۲۱۷۔

قَبلَ تَعلِیمِ غَیرِہٖ[1]

انسان کو چاہیے کہ پہلے خود ادب سیکھے پھر دوسروں کو سکھائے۔یعنی دوسروں کی اصلاح کرتے وقت اپنی اصلاح سے غافل نہ رہے۔

مولانا روم اپنی ''مثنوی''[2] کی ایک فصل میں معاشرے کی اصلاح کرنے والوں کی اسی خصوصیت کا ذکر خوبصورت انداز میں کرتے ہیں۔وہ کہتے ہیں:

آسمان سے برسنے والا یہ پانی جو سمندروں ، گڑھوں، دریاؤں اور چشموں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے انسانی بدن کی گندگیوں، میل کچیل اور آلودگیوں کو صاف کرتا ہے اور ماحول کو پاکیزہ بناتا ہے لیکن دوسروں کو صاف کرتے کرتے خود گندا اور آلودہ ہو جاتا ہے۔

اس پانی کو دوبارہ پاک وصاف بنانے کے لیے ایک اور تطہیر کی ضرورت ہوتی ہے۔اس تطہیر کی یہ صورت ہے کہ پانی بخار بن کر آسمان کی طرف پرواز کرے، وہاں بادلوں کا اجتماع ہو اور پھر بارش کی صورت میں پاک وصاف ہو کر واپس لوٹے۔

اس تمثیل کے بعد مولانا روم کہتے ہیں:

معلموں، مرشدوں، ہدایت کرنے والوں اور عارفوں کی مثال بھی اسی پانی کی طرح ہے۔ یہ لوگ دوسروں کے

---

[1] جو شخص اپنے آپ کو دوسروں کا پیشوا قرار دیتا ہے وہ دوسروں کو سکھانے سے پہلے خود سیکھے۔(نہج البلاغہ صبحی صالح ص ۴۸۰، کلمات قصار نمبر ۷۳۔

[2] مثنوی معنوی (نسخہ نکلسن)، دفتر پنجم ص ۱۴۔

دلوں اور جانوں کو پاکیزہ بناتے ہیں لیکن خود آلودہ ہو جاتے ہیں۔ انہیں دوبارہ پاک ہونے کے لیے اوپر کی طرف پرواز کرنے کی ضرورت ہے۔ انہیں ذکر، توجہ، اشک، عبادت، تضرع، خضوع وخشوع اور نماز کے ذریعے اپنی تطہیر، تہذیب نفس اور تزکیۂ باطن کا اہتمام کرنا ہوگا۔

یہ وہی نہایت اہم نکتہ ہے جس کی طرف غالباً بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر نیکی کا حکم دینے والے خود نیکی پر عمل نہیں کرتے۔ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَعَنَ اللّٰهُ الْآمِرِینَ بِالْمَعْرُوفِ التَّارِکِینَ لَهُ [1]

اللہ کی لعنت ہو ان لوگوں پر جو دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں لیکن خود نیکی کو ترک کرتے ہیں۔

ان توضیحات کی روشنی میں ان عبادتوں کو مفہوم مل جاتا ہے جنہیں علی علیہ السلام رات کی تاریکی میں بجا لاتے تھے۔ جی ہاں! میدانِ کارزار کا یہ شیر ژیاں محراب عبادت میں ابرِ بہار کی طرح آنسو بہاتا تھا، خوف خدا سے لرزتا تھا نیز ایک لمحے کے لیے بھی عبادت، دعا اور تضرع وزاری سے غفلت نہیں برتتا تھا۔ اسے شب اور عبادتِ شب سے لگاؤ تھا۔ وہ

۱۔ امام نے ایک خطبے میں فرمایا: ظَهَرَ الْفَسَادُ فَلَا مُنْکِرٌ مُغَیِّرٌ وَلَا زَاجِرٌ مُزْدَجِرٌ۔ أَفَبِهٰذَا تُرِیدُونَ أَنْ تُجَاوِرُوا اللّٰهَ فِی دَارِ قُدْسِهِ وَتَکُونُوا أَعَزَّ أَوْلِیَائِهِ عِنْدَهُ؟ هَیْهَاتَ لَا یُخْدَعُ اللّٰهُ عَنْ جَنَّتِهِ وَلَا تُنَالُ مَرْضَاتُهُ إِلَّا بِطَاعَتِهِ۔ لَعَنَ اللّٰهُ الْآمِرِینَ بِالْمَعْرُوفِ التَّارِکِینَ لَهُ وَالنَّاهِینَ عَنِ الْمُنْکَرِ الْعَامِلِینَ بِهِ

خرابیاں ظاہر وآشکار ہو چکی ہیں لیکن نہ ان کی مخالفت کرنے اور انہیں بدلنے والا کوئی ہے نہ ان سے روکنے والا کوئی نظر آتا ہے۔ کیا اس حالت میں تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ کے دار قدس (جنت) میں اس کے جوار رحمت سے ہمکنار ہو جاؤ اور اس کے معزز ترین بندوں میں شامل ہو جاؤ؟ ہرگز نہیں۔ اللہ کو فریب دے کر جنت حاصل کرنا بھی ممکن نہیں نیز اللہ کی اطاعت کے بغیر اس کی خوشنودی کا حصول بھی میسر نہیں۔ اللہ کی لعنت ہو ان لوگوں پر جو نیکی کا حکم دیتے ہیں لیکن خود اسے ترک کرتے ہیں اور ان لوگوں پر بھی جو برائی سے روکتے ہیں لیکن خود اس کا ارتکاب کرتے ہیں۔

(نہج البلاغہ خطبہ ۱۲۹، ص ۱۸۷)

دوسروں کی باطنی اصلاح کی خاطر اپنے نفس کی تطہیر سے غافل نہیں رہتا تھا۔[1]

علی آن شیر خدا شاہ عرب الفتی داشتہ با ایں دل شب
شب ز اسرار علی آگاہ است دل شب محرم سر اللہ است[2] (۴۶)

---

[1] امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے: ایک شخص نے انس بن مالک سے سنا کہ یہ آیت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شان میں اتری ہے: اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آناءَ اللَّيلِ ساجِداً وَ قائِماً يَحذَرُ الآخِرَةَ وَيَرجُوا رَحمَةَ رَبِّهِ ((یا وہ شخص جو رات کے اوقات میں مصروف عبادت رہتا ہے نیز سجدے اور قیام کی حالت میں آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے؟)) (زمر/۹)
وہ شخص کہتا ہے: میں نزدیک سے علی علیہ السلام کی عبادت کا مشاہدہ کرنے گیا اور خدا کی قسم میں نے علی علیہ السلام کو ایسا ہی پایا۔ آپ نے نماز مغرب اپنے اصحاب کے ساتھ پڑھی پھر تعقیبات میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ نماز عشاء کا وقت ہو گیا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر آپ اپنے گھر لوٹے۔ میں بھی آپ کے ساتھ آپ کے گھر گیا۔ آپ نے پوری رات نماز اور تلاوت قرآن میں گزاری، یہاں تک کہ پو پھٹ گئی تو آپ وضو کر کے مسجد تشریف لے گئے۔ مسجد میں لوگوں کے لیے نماز صبح کی امامت فرمائی اور سورج نکلنے تک محراب عبادت میں تعقیبات میں مشغول رہے۔ طلوع آفتاب کے بعد لوگوں کی حاضری شروع ہو گئی۔ لوگ گروہ در گروہ آپ کی خدمت میں آرہے تھے اور اپنے مسائل حل کراتے جاتے تھے۔ ایک گروہ اٹھتا تھا تو دوسرا گروہ بیٹھتا تھا یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت ہوا۔ آپ نے نماز ظہر کے لیے دوبارہ وضو کیا اور اپنے اصحاب کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر عصر کی نماز تک محراب عبادت میں تعقیبات میں مصروف رہے۔ نماز عصر کے بعد لوگوں کی آمد دوبارہ شروع ہو گئی۔ آپ ان کے مسائل حل فرماتے، قضاوت کرتے اور فتوئی دیتے جاتے تھے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور میں مسجد سے نکل گیا اور یہ سوچنے لگا: گواہی دیتا ہوں کہ یہ آیت علی ابن ابی طالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (امالی صدوق، مجلس ۴۷، حدیث ۱۴، ص ۲۸۲)

[2] یہ اشعار بلند پایہ شاعر مرحوم شہریار نے امیر المومنین علیہ السلام کی شان میں کہے ہیں مکمل نظم یہ ہے:

علی آن شیر خدا شاہ عرب	الفتی داشتہ با ایں دل شب
شب ز اسرار علی آگاہ است	دل شب محرم سر اللہ است
شب علی دید و بہ نزدیکی دید	گرچہ او نیز بہ تاریکی دید
شب شنفتہ است مناجات علی	جوشش چشمۂ عشق ازلی
شاہ را دید و بہ نوشینی خواب	روی بر سینۂ دیوار خراب
قلعہ بانی کہ بہ قصر افلاک	سر دہد نالۂ زندانی خاک
اشکباری کہ چو شمع بیزار	می فشاند زر و می گرید زار

←

درد مندی که چو لب بگشاید — در و دیوار به زنهار آید
کلماتی چو دُر آویزهٔ گوش — مسجدِ کوفه هنوزش مدهوش
فجر تا سینهٔ آفاق شکافت — چشمِ بیدارِ علی خفته نیافت
روزه داری که به مُهرِ اسحار — بشکند نانِ جوینِ افطار
ناشناسی که به تاریکیِ شب — می برد شامِ یتیمانِ عرب
پادشاهی که به شب برقع پوش — می کشد بارِ گدایان بر دوش
تا نشد پردگی آن سر جلی — نشد افشا که علیؑ بود علیؑ
شاهبازی که به بالِ وحیِ راز — می کند در ابدیت پرواز
عشقبازی که هم آغوشِ خطر — خفت در جایگهِ پیغمبر
شهسواری که به برقِ شمشیر — در دلِ شب بشکافد دلِ شیر
آن دمِ صبحِ قیامت تاثیر — حلقهٔ در شد ازو دامنگیر
دست در دامنِ مولا زد در — که علی بگذر و از ما مگذر
شالِ شه وا شد و دامن به گرو — زینتش دست بداماں که مرو
شال می بست و ندائی مبهم — که کمربند شهادت محکم
پیشوائی که زشوقِ دیدار — می کند قاتلِ خود را بیدار
ماه محرابِ عبودیتِ حق — سر به محرابِ عبادت مشتق
می زند پس لب او کاسهٔ شیر — می کند چشم اشارت به اسیر
چه اسیری که همان قاتلِ اوست — تو خدائی مگر ای دشمنِ دوست؟
در جهانی همه شور و همه شر — ہا! عَلیٌّ بشرٌ کیفَ بَشر
کفن از گریهٔ غسال خجل — پیرہن از رخِ وصال خجل
شب روان مست ولای تو علی — جانِ عالم به فدای تو علی

■ امیر المومنینؑ: ذات کے خول سے آزاد

زندگی بھر خدا کی یاد

امیر المومنین علیہ السلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپؑ نے اپنی زندگی کی ابتدا سے انتہا تک صرف اللہ کو اپنی سوچ اور فکر کا محور قرار دیا۔ آپؑ نے غیر اللہ اور خدا کے مخالفین کے راستوں کے مقابلے میں صرف اللہ کے راستے کو چن لیا۔[1] (۴۷)

ذات اور ذاتیات سے ماوراء

امیر المومنین علیہ السلام کی ممتاز ترین خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ اپنی ذات اور ذاتیات سے ماوراء تھے۔ آپ علیہ السلام احکامِ خداوندی کے مقابلے میں اپنی نفسانی خواہشات اور خود پرستی کو قربان کر چکے تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کے تمام اہم واقعات اور کارنامے اسی محور کے گرد گھومتے ہیں۔

---

[1] امیر المومنین علیہ السلام کی نصیحتوں میں سے ایک یہ ہے: اَیُّهَا النَّاسُ! لَا تَسْتَوْحِشُوا فِي طَرِيقِ الْهُدَىٰ لِقِلَّةِ اَهْلِهِ فَاِنَّ النَّاسَ قَدِ اجْتَمَعُوا عَلَىٰ مَائِدَةٍ شِبَعُهَا قَصِيرٌ وَجُوعُهَا طَوِيلٌ ((لوگو! ہدایت کے سفر میں اہل حق کی کمی سے وحشت زدہ مت ہونا۔ بے شک لوگ ایک ایسے دسترخوان پر جمع ہوئے ہیں جس کی شکم سیری کا عرصہ مختصر لیکن اس کی گرسنگی کا دورانیہ طویل ہے۔)) (نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۲۰۱، ص ۳۱۹)

آپؑ کی زندگی کا پہلا کارنامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان کا اظہار تھا۔ آپؑ اس وقت ایمان لائے جب آسمان نیلی فام کے نیچے آپؑ اور حضرت خدیجہ علیہا السلام کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر ایمان رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ آپ اس دین پر ایمان رکھتے تھے جس پر ایمان اُس دور کی تمام طاغوتی طاقتوں کے خلاف اعلان جنگ کے مترادف تھا۔ اسلام پر ایمان مکہ اور جزیرہ نمائے عرب پر حاکم قبائلی نظام کے خلاف بغاوت محسوب ہوتا تھا۔

اس بات کے لیے زبردست ہمت وجرأت کی ضرورت تھی کہ انسان اپنی دنیوی زندگی کے تمام ارمانوں، آرزوؤں، خواہشات، آسائشات اور خوشی وسکون کے جملہ وسائل وامکانات کو خیرباد کہتے ہوئے اس دعوت اور اس اعلان جنگ پر لبیک کہے لیکن امیر المومنین علیہ السلام نے اس چیلنج کو قبول کیا اور اس پر ڈٹے ہوئے اس راستے کی تمام مشکلات کو دل وجان سے قبول کیا۔ علی علیہ السلام خود فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ عَلِمَ الْمُسْتَحْفِظُونَ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ اَنِّی لَمْ اَرُدَّ عَلَی اللّٰهِ وَلَا عَلٰی رَسُولِهٖ سَاعَةً قَطُّ وَلَقَدْ وَاسَیْتُهُ بِنَفْسِیْ فِی الْمَوَاطِنِ الَّتِی تَنْكُصُ فِیْهِ الْاَبْطَالُ وَتَتَاَخَّرُ فِیْهِ الْاَقْدَامُ

میں اللہ اور رسول کے حکم کی تعمیل میں گھڑی بھر بھی پیچھے نہیں رہا۔ میراث رسول کی حفاظت کرنے والے آگاہ اصحاب اس بات کی گواہی دیں گے۔ میں نے اس راہ میں کسی ضروری اقدام سے گریز نہیں کیا۔ میں نے ان مواقع پر بھی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر رسول کی مدد کی جہاں بڑے بڑے پہلوانوں اور سورماؤں کے قدم لڑکھڑا جاتے اور پسپا ہوتے ہیں۔[1]

ذاتی مفادات، خواہشات اور انانیت کا مقابلہ کرنے نیز ذاتی آسائشات پر

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۷، ص ۳۱۱

دینی اور الٰہی ذمہ داریوں کو ترجیح دینے کی راہ میں یہ امیر المومنین علیہ السلام کا پہلا اقدام تھا۔

خواہشاتِ نفس کی سرکوبی

امیر المومنین علیہ السلام کا دوسرا کارنامہ شب ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر سونا تھا۔ اس اقدام کا ایک خاص پہلو آپ کی فداکاری اور جانثاری سے عبارت ہے کیونکہ اس گھڑی موت کا خطرہ بہت زیادہ تھا۔ مشرکوں نے رات کی تاریکی میں اس گھر پر اور اس کے اندر موجود بستر پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس رات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے کافروں کو غافل رکھنے کے لیے امیر المومنین علیہ السلام کو رسول کے بستر پر سونا پڑا۔ اس بات کا قوی احتمال تھا کہ امیر المومنین علیہ السلام اس رات اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔[1]

---

[1] سورۂ انفال کی تیسویں آیت کے نزول کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے فرمایا: اے علی! جبرئیل نے مجھے یہ آیت سنائی ہے اور قریش کی سازش کی خبر دی ہے کہ وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ جبرئیل نے آج ہی کی رات مکہ سے نکلنے اور غار ثور کی طرف جانے کا خدائی حکم بھی پہنچایا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے کہوں کہ آپ میرے بستر میں سو جائیں تاکہ قریش کو میری روانگی کا علم نہ ہو۔ اس بارے میں آپ کیا کہیں گے اور کیا کریں گے؟ علی علیہ السلام نے عرض کی: کیا آپ کی جگہ میرے سونے کے نتیجے میں آپ محفوظ رہیں گے؟ پیغمبر نے فرمایا: ہاں۔ علی علیہ السلام مسکرائے اور ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ سجدے میں چلے گئے۔ آپ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلامتی کی نعمت پر خدا کا شکر ادا کیا۔ سجدۂ شکر سے سر اٹھانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی: آپ اطمینان خاطر کے ساتھ اللہ کی طرف سے حکم شدہ مہم پر چلے جائیے۔ میری آنکھ، میرے کان، میری جان اور میرا پورا وجود آپ پر فدا ہوں۔ آپ کا جو بھی حکم ہوگا اس کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔ آپ مطمئن رہیں کہ میں وہی کروں گا جو آپ چاہیں گے۔ البتہ جو بھی توفیق نصیب ہوتی ہے وہ اللہ کے لطف و کرم سے ہی نصیب ہوتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو ضروری ہدایات دیں پھر فرمایا: اے علی! اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو ان کے ایمان اور ان کی دیانت داری کے حساب سے آزماتا ہے۔ اسی لیے سب سے زیادہ بلائیں اور امتحانات انبیاء کے حصے میں آتے ہیں۔ ان کے بعد اوصیاء کو سب سے زیادہ مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اوصیاء کے بعد ان لوگوں پر زیادہ آزمائشیں آتی ہیں جو بعد کے درجات میں واقع ہوتے ہیں۔ اس وقت اللہ آپ کا اور میرا امتحان لے رہا ہے جس طرح اس نے ابراہیم کا امتحان لیا تھا اور انہیں اپنا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا تھا۔ پس صبر سے کام لیں اور اپنی استقامت میں اضافہ کریں۔ یقیناً اللہ کی رحمت محسنوں کے قریب ہے۔ (دیکھئے امالی طوسی مجلس ۱۲، حدیث ۳۷، ص ۴۶۵)

یہ اس ناقابل فراموش اور عظیم کارنامے کا ایک پہلو ہے جبکہ اس کا دوسرا پہلو جو بہت معنی خیز ہے یہ ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے یہ اقدام ٹھیک اس وقت کیا جب مکی دور کی تیرہ سالہ افتخار آفرین جدوجہد کے ثمرات ظاہر ہونے ہی والے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حملہ آور کافروں کے ہاں سے نکل کر ایک نئے شہر میں ان دوستوں کے ہاں جا رہے تھے جنہوں نے آپ کی بیعت کی تھی۔

اس طرح کے حساس اور دلکش موقعوں پر ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے رہبر اور قائد کے ہمراہ رہے اور ان لوگوں میں شامل ہو جائے جو نئے معاشرے اور جدید ماحول سے سب سے پہلے آشنا ہو رہے ہوں جہاں لوگ اسے جانتے ہوں اور اس کا وجود لوگوں کے دلوں کے لیے باعث سکون ہو۔ ٹھیک اسی لمحے امیر المومنین علیہ السلام نے یہ خطرناک ذمہ داری قبول کر لی اور اپنے ارمانوں کو دفن کر دیا۔ (۴۸)

سر بکف جان نثار

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دس سالہ مدنی دور کی جنگوں میں امیر المومنین علیہ السلام ہمیشہ اگلی صفوں میں حاضر رہتے تھے۔ علی علیہ السلام نے ہرگز یہ نہیں سوچا: "مجھے زندہ رہنا چاہیے تاکہ مستقبل میں اسلام کی خدمت کر سکوں۔" آپ ہمیشہ اگلی صفوں میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑتے تھے اور کسی قسم کے شک و تردد کے بغیر اپنی جان قربان کرنے کے لیے مکمل طور پر تیار رہتے تھے۔ (۴۹)

صرف حکم الٰہی کا پابند

دس سالہ مدنی زندگی کے خاتمے اور رحلت رسول کے فوراً بعد امیر المومنین علیہ السلام نے (سقیفہ کی) فیصلہ کن، حساس اور اہم نشست میں شرکت نہیں فرمائی۔ اگر امیر المومنین علیہ السلام سقیفہ بنی ساعدہ کی نشست میں شرکت فرماتے تو شاید عالم اسلام کی تقدیر کچھ اور ہوتی اور خلافت کا منظر مختلف ہوتا۔ ایسے حساس موقعے پر سب کو یہ فکر لاحق ہوتی ہے کہ حکومت کی لگام کس کے ہاتھ آئے گی۔ لیکن علی علیہ السلام اپنے آپ کو اس گرداب سے باہر رکھتے ہیں۔ علی علیہ السلام

اس وقت غائب ہیں جب سارے لوگ مستقبل کے بارے میں اپنے ممکنہ کردار کا مشاہدہ کرنے کے لیے میدان میں حاضر ہیں۔ اس وقت علی علیہ السلام ایک زیادہ اہم اور زیادہ مقدس ذمہ داری نبھانے میں مشغول ہیں۔ یہ ذمہ داری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز، تکفین، تدفین اور آپ کی وصیت پر عملدر آمد (یعنی قرآن کی جمع آوری) سے عبارت ہے۔[1]

جب حضرت ابوبکر کی بیعت کے بعد (جیسا کہ تاریخ کے اوراق میں ثبت ہے) امیر المومنین علیہ السلام نے یہ محسوس کیا کہ اب پانی سر سے گزر چکا ہے تو آپ نے کنارہ کشی اختیار کی اور مزاحمت، بغاوت یا مقابلے کی پالیسی اختیار نہیں کی۔ امام علیہ السلام نے ان عناصر کی تجاویز کو وقعت نہیں دی جو آپؑ کے ہاتھ میں تلوار تھما کر آپؑ کو خانہ جنگی کا علمبردار بنانا چاہتے تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے خانہ جنگی کی آگ بھڑکانے کے خواہاں عناصر کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور فرمایا:

> میں کنارہ کشی اختیار کرتا ہوں اور ان مسائل میں پھنسنا نہیں چاہتا۔

آپ علیہ السلام نے نہ صرف یہ کہ خانہ جنگی کو قبول نہیں کیا بلکہ انہیں نصیحت بھی فرمائی کہ تم نے جس اقتدار اور حکومت پر نگاہیں مرکوز کر رکھی ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کی خاطر اسے مطمح نظر بنا رکھا ہے وہ ایک بدبودار گندا پانی مَاءٌ آجِنٌ اور گلے میں پھنسنے والا لقمہ

---

[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کی رو سے آنحضرت کی تجہیز و تکفین کی ذمہ داری امیر المومنین علیہ السلام پر عائد ہوتی تھی۔ اس کے بعد قرآن کی جمع آوری بھی آپؑ کی ذمہ داری تھی۔ رحلت رسول کی مصیبت پر صبر نیز تدفین رسول اور جمع قرآن کی دو اہم ذمہ داریوں کے بارے میں امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: اس دوران صرف میں تھا جس نے صبر کی لگام ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دی۔ میں حواس باختہ نہیں ہوا اور خاموشی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق آپ کے غسل و کفن اور آپ کی نماز جنازہ کا فریضہ انجام دینے میں مشغول ہو گیا۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کیا۔ اس کے بعد میں آپؐ کے حکم کے مطابق قرآن کی جمع و تدوین میں مصروف ہو گیا۔ آنسوؤں کی کثرت، دلفگار آہ و فغان نیز حزن و غم اور مصیبت کی شدت کے باوجود میں نے ان ذمہ داریوں کو اللہ اور رسول کے حکم کے مطابق انجام دیا اور ان کا حق ادا کر دیا نیز بردباری اور دور اندیشی کے ساتھ ان تمام مراحل کو طے کیا۔ (خصال صدوق ج ۲، ص ۳۷۱ نیز شیخ مفید کی الاختصاص ص ۱۷۰)

لُقمَۃٌ یَغَصُّ بِھَا آکِلُھا[1] ہے جو خطرناک ہے۔

علی علیہ السلام نے انہیں اپنی شرعی ذمہ داریوں کی رعایت اور مسلمانوں کے مفادات کا خیال رکھنے کی دعوت دی۔ یہ آپ علیہ السلام کی وہی روش ہے جس پر آپؑ اپنی ساری زندگی عمل پیرا رہے۔(۵۰)

جذبہ قربانی کی درخشاں مثال

امیر المومنین علیہ السلام خلافت کے مسئلے سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے بعد روٹھ کر خانہ نشین ہو سکتے تھے، حکمران طبقے کے خلاف گڑبڑ پھیلا سکتے تھے، ہر قسم کے مثبت کاموں کا بائیکاٹ کر سکتے تھے اور ایک ایسے غیر ذمہ دار حزب اختلاف کا کردار ادا کر سکتے تھے جسے لوگوں کے درمیان احترام، عام مقبولیت اور تقدس حاصل ہو لیکن آپؑ نے ایسا نہیں کیا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد اہل بصرہ کے نام اپنے ایک خط میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

فَامْسَکْتُ یَدِیْ حَتّیٰ رَاَیْتُ رَاجِعَۃَ النَّاسِ قَدْ
رَجَعَتْ عَنِ الْاِسْلَامِ یَدْعُوْنَ اِلیٰ مَحْقِ دِیْنِ
مُحَمَّدٍ فَخَشِیْتُ اِنْ لَمْ اَنْصُرِ الْاِسْلَامَ وَاَھْلَہٗ
اَنْ اَریٰ فِیْہِ ثَلْماً اَوْ ھَدْماً تَکُوْنُ الْمُصِیْبَۃُ بِہٖ
عَلَیَّ اَعْظَمَ مِنْ فَوْتِ وِلَایَتِکُمُ الَّتِیْ اِنَّمَا ھِیَ
مَتَاعُ اَیَّامٍ قَلَائِلَ یَزُوْلُ مِنْھَا مَا کَانَ کَمَا
یَزُوْلُ السَّرَابُ اَوْ کَمَا یَتَقَشَّعُ السَّحَابُ
فَنَھَضْتُ فِیْ تِلْکَ الْاَحْدَاثِ حَتّیٰ زَاحَ الْبَاطِلُ

---

[1] یہ حکومت و اقتدار جس کے تم خواہاں ہو بدبودار گندا پانی اور گلے میں پھنسنے والا لقمہ ہے۔ (دیکھئے نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۵، ص ۵۲) امام کے اس فرمان کے بارے میں دیکھئے: کتاب ہذا، دسویں فصل "امیر المومنینؑ کا صبر اور آپؑ کی بصیرت۔"

وَزَهَقَ وَاطْمَانَّ الدِّينُ وَتَنَهْنَهَ [1]

یعنی میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کنارہ کش ہو گیا یہاں تک کہ میں نے اچانک محسوس کیا کہ دنیائے اسلام کو میری ضرورت ہے۔ میں نے دیکھا کہ دین سے پھرنے والے دین محمد کو مٹانے اور اسلامی معاشرے کو اختلاف کی بھٹی میں جھونکنے کے در پے ہیں۔ تب میں نے سوچا کہ اب خاموشی جائز نہیں، لہٰذا میں نے قیام کیا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے خلفاء کی مدد فرمائی اور ان کی مساعدت کی تا کہ اسلام کو خطرات سے محفوظ رکھیں۔ امام علیہ السلام نے یہاں بھی اپنے نفس امارہ کو پاؤں تلے کچل دیا اور ایک ایسے غیر ذمہ دار لیکن تقدس مآب حزب اختلاف کا کردار ادا کرنے سے اجتناب کیا جو کسی کونے میں بیٹھ کر تنقید کرتا رہے اور ان لوگوں کی تضعیف کا سامان کرتا رہے جو وقتی طور پر حکومت چلا رہے ہوں۔

امیر المومنین علیہ السلام پوری قوت کے ساتھ میدان عمل میں اترے۔ آپؑ پچیس سالوں تک عالم اسلام کے جملہ چھوٹے بڑے حوادث میں اپنا مثبت کردار ادا کرتے رہے۔ یہ امیر المومنین علیہ السلام کی عالی ظرفی، ایثار، اغماض اور جذبہ قربانی کا ایک تابندہ نمونہ ہے۔

جن دنوں حضرت عثمان کا گھر محاصرے میں تھا امیر المومنین علیہ السلام حضرت عثمان کی مدد کر رہے تھے حالانکہ محاصرہ کرنے والوں میں آپؑ کے چاہنے والے بھی شامل تھے۔ یہ لوگ آپ علیہ السلام سے کچھ اور توقع رکھتے تھے۔ وہ یہ توقع رکھتے تھے کہ امیر المومنین علیہ السلام ان کی قیادت سنبھالیں اور مل کر یہ مہم سر کر لیں۔ لیکن امیر المومنین علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا کیونکہ آپؑ کو

---

[1] پھر میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ گیا یہاں تک کہ میں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا کہ ایک جماعت اسلام سے سرتابی اختیار کر چکی ہے اور دین محمد کو نابود کرنے کے در پے ہے۔ پس مجھے خوف ہوا کہ اگر میں اسلام اور اہل اسلام کی مدد نہ کروں تو اسلام ٹوٹ پھوٹ اور تباہی سے دوچار ہوگا۔ میرے لئے یہ مصیبت حکومت و خلافت کو خیر باد کہنے سے زیادہ سخت تھی کیونکہ حکومت سراب کی طرح ایک عارضی، فانی اور دنیوی شے ہے یا ان بادلوں کی طرح ہے جو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ختم ہو جاتے ہیں۔ پس میں ان بحرانوں کا خاتمہ کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ باطل کا خاتمہ ہو گیا اور دین کی بنیادیں مستحکم ہو گئیں۔ (دیکھئے نہج البلاغہ صبحی صالح، مکتوب نمبر ۶۲، صفحہ ۴۵۱)

یہ روش قبول نہیں تھی۔ آپ علیہ السلام نے اس بحران میں بھی ایک ایسا مثبت کردار ادا کیا جو عام طور پر انسانی خواہشات کے سو فیصد منافی ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کا عظیم باطن ان خواہشات سے کہیں بلند و برتر تھا۔ (۵۱)

خلافت امیر المومنینؑ کی تلاش میں

قتل عثمان کے بعد لوگ امیر المومنین علیہ السلام کے پاس آئے اور آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اس دن آپؑ موقع پرستی سے کام لیتے ہوئے اپنے آپ کو ایک ہیرو کے طور پر پیش کر سکتے تھے اور لوگوں کے درمیان اپنا ڈھنڈورا پیٹ سکتے تھے لیکن آپؑ نے ایسا نہیں کیا بلکہ ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔ امیر المومنین علیہ السلام خلافت و اقتدار کے پیچھے نہیں لپکے بلکہ خلافت آپؑ کی تلاش میں چلی آئی۔ امیر المومنین علیہ السلام اپنے معروف کلام میں فرماتے ہیں:

> وَ بَسَطْتُم یَدِی فَکَفَفْتُها وَ مَدَدتُمُوها فَقَبَضْتُها[1]
>
> تم لوگوں نے اپنے ہاتھ میری طرف دراز کیے تا کہ میں خلافت قبول کروں لیکن میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ تم نے اصرار کیا لیکن میں نے انکار و اجتناب سے کام لیا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے یہاں بھی اقتدار سے کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار نہیں فرمایا یہاں تک کہ آپؑ نے محسوس کیا کہ اب خلافت کو قبول کرنا آپ کی شرعی ذمہ داری ہے کیونکہ عالم اسلام کو آپؑ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ کا معروف فرمان ہے:

> لَوْ لَا حُضُورُ الْحَاضِرِ وَقِیَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُودِ النَّاصِرِ وَمَا اَخَذَ اللّٰهُ عَلَى الْعُلَمَاءِ اَنْ لَا یُقَارُّوْا عَلٰى کِظَّةِ ظَالِمٍ وَلَا سَغَبِ مَظْلُومٍ لَاَلْقَیْتُ حَبْلَهَا عَلٰى غَارِبِهَا وَلَسَقَیْتُ آخِرَهَا بِکَاْسِ اَوَّلِهَا وَلَاَلْفَیْتُمْ دُنْیَاکُمْ هٰذِهِ اَزْهَدَ

---

[1] نہج البلاغہ صبحی صالح، کلام ۲۲۹، ص ۳۵۰

عِندِیْ مِنْ عَفطَةِ عَنْزٍ [1]

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی شرعی ذمہ داری سمجھتے ہوئے خلافت قبول فرمائی۔ چنانچہ آپ نے یہ نہیں فرمایا:

میں زمامِ حکومت نہیں سنبھالوں گا اور دوسروں نے جو خراب حالات پیدا کیے ہیں ان کی ذمہ داری اپنے ذمے نہیں لوں گا۔

آپ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ آگے کیا مشکلات اور رکاوٹیں منہ کھولے کھڑی ہیں لیکن ان تمام مشکلات کے باوجود آپ علیہ السلام نے اپنی ذمہ داری کا احساس فرمایا چنانچہ آپ علیہ السلام اس بات پر آمادہ ہوئے کہ اپنی عظیم حیثیت اور شخصیت کے ذریعے اسلامی معاشرے اور عالمِ اسلام کی اصلاح کی کوشش کریں۔ بنابریں آپؑ نے حکومت قبول کرلی۔

یہ ہے امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی۔ اپنی ۶۳ سالہ زندگی اور پانچ سالہ دورِ حکومت میں آپ نے اپنے مفادات سے چشم پوشی کرتے ہوئے اور ایثار و قربانی کا ثبوت دیتے ہوئے نیز اپنی ذات اور ذاتیات سے بالاتر رہتے ہوئے بے شمار مصائب و مشکلات کو برداشت کیا۔ (۵۲)

خود بینی اور ذاتیات سے اجتناب

امیر المومنین علیہ السلام کے دورِ خلافت میں آپ کے اوپر کئی المناک جنگیں مسلط کی گئیں۔ آپ کے خلاف ایک محاذ پر دنیائے اسلام کی نامور شخصیات اور اصحابِ رسول موجود تھے جو مسلمانوں کے درمیان بہت معزز اور معروف تھے۔ حضرت عائشہ اور طلحہ و

---

[1] یہ امیر المومنین علیہ السلام کے خطبہ شقشقیہ کا ایک حصہ ہے۔ فرماتے ہیں: ''اگر لوگوں کا یہ (عظیم) اجتماع نہ ہوتا اور ان مددگاروں کی وجہ سے مجھ پر اتمامِ حجت نہ ہو جاتا نیز اگر اللہ نے علماء سے عہد نہ لیا ہوتا کہ وہ ظالموں کی شکم پارگی اور مظلوم کی گرسنگی پر آرام سے نہیں بیٹھیں گے تو میں خلافت کی لگام کو رہا کرتا، اس سے آنکھیں موند لیتا اور اس کے آخر کو اس کے ابتدائی جام سے سیراب کرتا اور تمہیں معلوم ہوتا کہ تمہاری یہ دنیا میری نظر میں بکری کی ناک سے نکلنے والی گندگی سے بھی حقیر تر ہے۔'' (نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ نمبر ۳، صفحہ ۴۹)

زبیر عالم اسلام کے مشہور اور قابل احترام چہرے تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ جنگ بہت مشکل مرحلہ تھا۔ انہوں نے امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کا آغاز کیا۔

جب امیر المومنین علیہ السلام ان شخصیات کے ساتھ جنگ پر مجبور ہوئے تو آپ نے پوری دلجمعی اور قوت ارادی کے ساتھ جنگ لڑی اور اپنی شرعی ذمہ داری کا حق ادا کر دیا۔ یوں جنگ جمل اپنے منطقی انجام کو پہنچ گئی۔[1]

ادھر جنگ صفین طاقت، دولت (اور مکر و فریب) کے نہایت مستحکم شامی محاذ کے ساتھ امیر المومنین علیہ السلام کا ٹکراؤ تھا۔ معاویہ کے پاس طاقت اور دولت کی فراوانی تھی۔ لوگوں کی ایک بڑی جماعت امیر معاویہ کی حامی اور ان کی خاطر جنگ لڑنے پر آمادہ تھی۔ یہ لوگ امیر معاویہ اور ان کے بھائی یعنی یزید بن ابی سفیان کے ذریعے اسلام سے آشنا ہوئے تھے۔ معاویہ اور آل ابی سفیان سالہا سال سے شام میں مقیم تھے۔ شامیوں نے اسلام کو اور انہیں ایک ساتھ دیکھا تھا۔ وہ انہیں پہچانتے تھے۔ معاویہ کے پاس بڑی دولت بھی موجود تھی۔

امیر المومنین علیہ السلام یہاں بھی اپنا موقف بدل سکتے تھے لیکن آپ نے اپنی دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی کو مقدم رکھا۔ ایک انسان اپنے آرام و سکون کی خاطر نیز پریشانیوں سے رہائی کے لیے جن حیلے بہانوں سے کام لیتا ہے انہیں امیر المومنین علیہ السلام نے یکسر پرے پھینک دیا۔ یوں آپ نے صفین کی پر مشقت جنگ کی تلخیوں کو برداشت کرنا قبول کیا۔[2]

آخر میں خوارج کے ساتھ ٹکراؤ کی نوبت آئی۔ امیر المومنین علیہ السلام اس ہٹ دھرم،

---

[1] اس بارے میں زیر نظر کتاب کی اکیسویں فصل ''اندرونی جنگوں میں امیر المومنین کا موقف'' نیز نقش نگار (علی کا راستہ، ج ۱) میں جنگ جمل سے مربوط بحث میں کچھ تفصیلات مذکور ہیں۔

[2] جنگ صفین ۱۱۰ دنوں سے زیادہ عرصے تک جاری رہی۔ اس دور کی جنگوں میں اس قدر طویل جنگ کی مثال کم ملتی ہے۔ صفین میں جنگی نقصانات بہت زیادہ تھے۔ مقتولین کی تعداد کم از کم ۷۰،۰۰۰ بیان کی گئی ہے جن میں سے ۴۵۰۰۰ کا تعلق لشکر معاویہ سے جبکہ ۲۵،۰۰۰ کا تعلق لشکر علوی سے تھا۔ (دیکھئے مروج الذھب ج ۲، ص ۳۵۲ نیز تاریخ خلیفہ ص ۱۱۸)

ضدی، متعصب اور نادان گروہ کے ساتھ نیز ان کے خود فروختہ سرداروں اور ان کے جاہل واحمق پیروکاروں کے ساتھ کیا موقف اختیار فرماتے؟ خوارج کی تمام تر بداخلاقی اور کج خلقی کے باوجود امام علیہ السلام نے ان سے فرمایا:

لکم عندنا ثلاث خصال

ہمیں تمہارے تین حقوق قبول ہیں۔

۱۔ لَا نَمْنَعُكُمْ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ تُصَلُّوا فِيْهَا

ہم تمہیں اپنی مساجد میں نماز پڑھنے سے نہیں روکیں گے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے روابط کا راستہ کھلا رکھا کہ شاید خوارج مسلمانوں کے اجتماعات میں شرکت کرتے رہیں اور نتیجتاً ہوش کے ناخن لیں اور بیدار ہوں۔ اسی لئے فرمایا کہ مساجد کے دروازے تمہارے لئے کھلے رہیں گے۔

۲۔ وَلَا نَمْنَعُكُمُ الْفَيْءَ مَا كَانَتْ اَيْدِيْكُمْ مَعَ اَيْدِيْنَا

یعنی مسلمانوں کی اجتماعی آمدنی میں تمہارا حصہ برقرار رہے گا اور دوسرے مسلمانوں کی طرح تمہیں بھی اس سے استفادہ کرنے کا حق حاصل ہوگا لیکن اس شرط پر کہ تم بھی دوسرے مسلمانوں کا ساتھ دو۔

۳۔ وَلَا نَبْدَءُكُمْ بِحَرْبٍ حَتّٰى تَبْدَءُوْنَا بِهٖ

ہم تمہارے ساتھ جنگ کرنے میں پہل نہیں کریں گے جب تک تم خود ہمارے ساتھ جنگ میں پہل نہ کرو۔[1]

آخرکار جب بعض خوارج اپنی ضد پر ڈٹے رہے تو امیر المومنین علیہ السلام ان کے ساتھ جنگ کرنے اور ان کے فتنے کی آگ بجھانے پر مجبور ہو گئے۔[2]

یہ ہے امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کا خلاصہ۔ آپ نے اپنی نوجوانی کے ابتدائی

---

[1] دیکھئے دعائم الاسلام ج ۱، ص ۳۹۳ نیز انساب الاشراف ج ۲ ص ۳۵۹۔

[2] کتاب "علی کا راستہ" ج ۱، ص ۱۶۵ تا ۱۷۲ میں نیز ضمیمہ نمبر ۴۲، ۴۳، اور ۴۴ میں خوارج کے بارے میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

ایام سے ہی اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی خاطر تمام میدانوں میں مجاہدت، ایثار، جان نثاری، تمام آسائشات کی قربانی، اپنی ذات سے چشم پوشی اور فداکاری کا ثبوت دیا یہاں تک کہ آپ کی حکومت کو عظیم مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ نے ان تمام مشکلات کا مقابلہ کیا تاکہ قرآنی تعلیمات کے مطابق ایک مثالی اسلامی معاشرے کی تعمیر ممکن ہو سکے۔

آج بھی عالم اسلام کو اس قسم کی قربانی، ایثار، جان نثاری اور ذاتی مفادات سے چشم پوشی کی ضرورت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ خواہشات، ہوا و ہوس، ذاتیات اور مفاد پرستی کے خول سے باہر نکلیں تاکہ مشکلات کی گرہیں کھل جائیں۔ جب تک ہم اپنی ذات اور ذاتیات کے بت کو پاؤں تلے نہیں کچلیں گے ہماری مشکلات کا خاتمہ نہیں ہوگا۔ آج عالم اسلام اور خود ہمارے معاشرے کی تمام مشکلات کو حل کرنے کی چابی امیر المومنین علیہ السلام کا یہی درس ہے جس کے لیے آپ نے اپنی جان قربان کی۔ (۵۳)

رضائے الٰہی کی خاطر امیر المومنینؑ کا ایثار

امیر المومنین علیہ السلام کی شان میں اترنے والی آیات میں سے ایک یہ آیت ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ [1]

لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو خوشنودی الٰہی کی خاطر اپنی جان کا سودا کرتا ہے اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

اس آیت کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی جان یعنی اپنا سب سے قیمتی سرمایہ دے کر رضائے الٰہی خرید لیتے ہیں۔ وہ رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر ایسا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا کوئی اور مقصد یا دنیوی ہدف مدنظر نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی ذاتی دلچسپی یا مفاد پیش نظر ہوتا ہے۔ وہ صرف اور صرف رضائے الٰہی کے پیش نظر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ اس آیت کریمہ کا کامل مصداق علی ابن ابی طالب علیہ السلام

۱۔ سورہ بقرہ/آیت ۲۰۷۔

ہیں۔[1]

امیر المومنین علیہ السلام کی تاریخ زندگی پر نظر کریں تو معلوم ہوگا کہ آپ اپنے بچپن (جب آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان لائے نیز مکمل فہم وفراست اور شعور کے ساتھ حقیقت کو پہچان کر اس سے متمسک ہوئے) سے لے کر محراب عبادت میں اپنی جان راہ خدا میں قربان کرنے یعنی لقائے الٰہی کے شوق میں خوشی خوشی اپنی جان جان آفرین کے سپرد کرنے تک ایک خاص راستے پر مسلسل گامزن رہے۔ یہ راستہ ایثار و قربانی کا راستہ ہے۔ ایثار کا یہ اصول امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کے تمام واقعات میں جلوہ گر ہے۔ یہ اصول میرے اور آپ جیسے لوگوں کے لیے (جو علی کے بارے میں بولتے، علی سے لو لگاتے اور علی کی محبت میں معروف ہیں) بہت بڑا درس ہے۔ علی کی خالی محبت یا علی کے فضائل کی خالی شناخت کافی نہیں۔ امام کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ آپ اپنی ذات اور ذاتیات کے حصار سے آزاد تھے۔ آپ کے ہاں ذاتیات کی سرے سے کوئی اہمیت نہیں تھی۔ آپ

---

[1] امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں اس آیت کے نزول پر اکثر اسلامی فرقوں کا اتفاق ہے۔ حدیث انشاد میں امیر المومنین علیہ السلام نے اراکین شوریٰ کے سامنے اپنے استحقاق خلافت پر استدلال کرتے ہوئے اپنے بعض درخشاں کارناموں کا ذکر کیا ہے اور شب ہجرت اس آیت کے نزول کا تذکرہ فرمایا ہے۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں: فَهَلْ فِيكُمْ اَحَدٌ نَزَلَتْ فِيهِ هٰذِهِ الْآيَةُ: وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ لَمَّا وَقَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْلَةَ الْفِرَاشِ غَيْرِيْ؟ قَالُوا لَا ((کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس کے حق میں یہ آیت اتری ہو: لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے بدلے اپنی جان کا سودا کرتا ہے اور اللہ بندوں پر مہربان ہے)) جب میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر میں سو کر آپ کی حفاظت کی تھی؟ اراکین شوریٰ نے کہا: نہیں۔ (دیکھئے شیخ طوسی کی الامالی مجلس نمبر ۲۰، حدیث نمبر ۴، صفحہ ۵۵۱)

فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ یہ آیت علی ابن ابی طالب کے بارے میں تب نازل ہوئی جب رسول رات کے وقت مکہ سے خارج ہوئے اور علی آپ کے بستر پر سوئے۔ (دیکھئے تفسیر رازی جلد ۵، صفحہ ۲۲۱)

حسکانی نے شواھد التنزیل جلد ۱، صفحہ ۱۲۳ تا ۱۳۳ میں دس احادیث نقل کی ہیں جن میں سے ہر ایک میں تصریح کی گئی ہے کہ یہ آیت شب ہجرت حضرت علی علیہ السلام کی فداکاری کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق، جلد ۴۲، صفحہ ۶۷ میں اور ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ جلد ۴، صفحہ ۹۸ میں یہی بات نقل کی ہے۔

صرف اور صرف اپنی ذمہ داریوں، اپنے ہدف اور جہاد فی سبیل اللہ کو بالفاظ دیگر خدا کو اہمیت دیتے تھے۔[1]

ہر دور، ہر مرحلے اور ہر خطرناک موڑ پر امیر المومنین علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ جان نثار اور صف اول کے فدائی کی حیثیت سے موجود اور حاضر رہتے تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ وَاسَيْتُهُ بِنَفْسِي فِي الْمَوَاطِنِ الَّتِي تَنْكُصُ فِيهَا الْاَبْطَالُ وَتَتَاَخَّرُ فِيهَا الْاَقْدَامُ

میں نے ان مواقع پر اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر رسول کی مدد کی جہاں بڑے بڑے پہلوانوں، بہادروں اور سورماؤں کے قدم لڑکھڑا جاتے اور پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔[2]

فرماتے ہیں: میں ان مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہا اور اپنی جان پر کھیل کر آپ کی حفاظت کرتا رہا جہاں بڑے بڑے بہادروں اور شیر دل لوگوں کے قدم لڑکھڑا جاتے اور پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔[3]

سخت ترین مواقع پر بھی امیر المومنین علیہ السلام ڈٹے رہتے تھے۔ آپ کو خطرے کی کوئی

---

[1] امیر المومنین علیہ السلام کی اکثر زیارتوں میں یہ جملہ نظر آتا ہے: اَشْهَدُ اَنَّكَ جَاهَدْتَ فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ ((میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے راہ خدا میں جہاد کا حق ادا کر دیا۔)) (الکافی ج ۴، ص ۵۷۰)

[2] نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۷، ص ۳۱۱۔

[3] امیر المومنین علیہ السلام جنگ احد میں اپنی فداکاری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مشرکوں نے بڑھ کر ہمارے اوپر اچانک تابڑ توڑ اور شدید حملہ کر دیا یہاں تک کہ بہت سے مسلمان شہید ہو گئے اور باقی بھاگ گئے۔ میں ثابت قدمی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود رہا جبکہ مہاجرین و انصار اپنے گھروں کی جانب شہر مدینہ لوٹ گئے اور کہنے لگے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے تمام ساتھی قتل ہو گئے ہیں۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد فرمائی اور مشرکین کو مزید پیش قدمی سے روکا۔ اس معرکہ گیرودار میں لڑتے لڑتے اور رسول کا دفاع کرتے کرتے میرے بدن پر ستر سے زیادہ زخم آئے جن میں سے بعض کاری زخمیں اب بھی نمایاں ہیں۔ (خصال صدوق ج ۲، ص ۳۷۱، نیز اختصاص مفید ص ۱۷۰)

پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ ایسے مواقع پر کچھ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں اپنی جان بچانی چاہیے تاکہ آئندہ اسلام کی خدمت کر سکیں لیکن امیرالمومنین علیہ السلام نے اس قسم کی تاویلات و توجیہات کے ذریعے کبھی اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دیا۔ ہاں امیرالمومنین علیہ السلام کی عظیم شخصیت فریب کھانے والی نہیں تھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے ساتھ ہی امیرالمومنین علیہ السلام کی زندگی کے تلخ ترین ایام کا آغاز ہوا۔ وہ دور بہت پر لطف اور شیریں تھا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ تھے اور مومنین آپ کے زیر سایہ جہاد کرتے تھے۔ رحلت رسول کے ساتھ ہی یہ دور اختتام پذیر ہوا اور ایک تلخ دور کی ابتدا ہوئی۔[1] اس کے بعد وقفے وقفے سے فتنوں کے بادل آنکھوں کو اس طرح تاریکی سے ہمکنار کرنے لگے کہ سامنے کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا اور ایک ایک قدم اٹھانا دشوار تھا۔ ان سنگین حالات میں امیرالمومنین علیہ السلام نے ایثار و فداکاری کے عظیم ترین باب رقم کیے۔ رحلت رسول کے بعد امیرالمومنین علیہ السلام نے کوشش کی کہ حق کو پا بر جا کریں لیکن جب آپ نے دیکھا کہ لوگ بیعت کر چکے ہیں اور حضرت ابوبکر خلیفہ بن چکے ہیں تو آپ نے فرمایا:

لَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّیْ اَحَقُّ النَّاسِ بِهَا مِنْ غَیْرِیْ

تم لوگوں کو معلوم ہے کہ میں تمام لوگوں سے زیادہ خلافت کا حقدار ہوں۔ اس بات سے تم لوگ آگاہ ہو۔

وَوَاللّٰهِ لَاُسْلِمَنَّ مَاسَلِمَتْ اُمُوْرُ الْمُسْلِمِیْنَ

اللہ کی قسم! جب تک مسلمانوں کے امور سلامتی کے ساتھ چلتے رہیں گے اور جب تک میں یہ دیکھوں کہ کسی پر ظلم نہیں ہو رہا ہے اس وقت تک میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے خاموش بیٹھا رہوں گا۔

---

[1] خطبہ شقشقیہ میں امام کا معروف جملہ ہے: فَصَبَرْتُ وَفِی الْعَیْنِ قَذًی، وَ فِی الْحَلْقِ شجاً "میں نے اس عالم میں صبر کیا کہ آنکھوں میں مصائب کی کھٹک تھی اور گلے میں رنج و غم کے پھندے تھے۔" (نہج البلاغہ خطبہ ۳، ص ۴۸)

وَلَمْ يَكُنْ فِيهَا جَوْرٌ إِلَّا عَلَيَّ خَاصَّةً

جب تک معاشرے میں ظلم و جور کی حکمرانی نہ ہو اور ظلم صرف میرے اوپر ہو رہا ہو تب تک میں کسی سے سروکار نہیں رکھوں گا اور کوئی مزاحمت یا اعتراض نہیں کروں گا۔[1]

امیر المومنین علیہ السلام نے خلفاء کے پچیس سالہ دور میں کبھی حکومت کا تختہ الٹنے، بغاوت کرنے، مزاحمت کرنے اور حکومت پر قبضہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے وقت امیر المومنین علیہ السلام تینتیس سالہ جوان تھے۔ آپ علیہ السلام کی جوانی اور جسمانی قوت جوبن پر تھی، جوانی کا جوش و جذبہ موجزن تھا، آپ علیہ السلام لوگوں کے درمیان محبوب تھے، ذہین و فطین تھے، بے پناہ علم کے حامل تھے اور ایک انسان میں جتنے کمالات ممکن ہیں وہ سب آپ علیہ السلام کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھے۔ اگر آپ علیہ السلام کوئی باغیانہ اقدام کرنا چاہتے تو یقیناً کر سکتے تھے لیکن آپ علیہ السلام نے ان پچیس سالوں میں اسلامی معاشرے کے عمومی اور کلی مصالح و مفادات کی حمایت و حفاظت اور خدمت خلق کے علاوہ کوئی اقدام نہیں کیا۔

قتل عثمان کے بعد بھی امیر المومنین علیہ السلام نے حصول اقتدار کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور حکومت پر قبضہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی بلکہ فرمایا:

دَعُونِي وَالْتَمِسُوا غَيْرِي

مجھے چھوڑ دو اور جاؤ کسی دوسرے کو تلاش کرو۔

امیر المومنین علیہ السلام کا باطن کس قدر عظیم ہے! فرماتے ہیں:

اے لوگو! مجھے چھوڑ دو اور کسی دوسرے کو تلاش کرو۔ تم جسے بھی منتخب کرو گے میں اس کے وزیر اور مددگار کے طور پر کام کروں گا۔[2]

---

[1] نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۷۴، ص ۱۰۲۔

[2] جب قتل عثمان کے بعد لوگ امام علی علیہ السلام کے گھر جمع ہوئے اور آپ کی بیعت کرنے پر زور دینے لگے تو آپ نے ←

امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کا ہر واقعہ خدا پر توکل، جذبۂ قربانی نیز ذات اور ذاتیات سے دوری کا مظہر ہے۔ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو حق و باطل کا معیار[1] قرار دینے کی وجہ یہی ہے کہ آپ علیہ السلام نے ذاتیات، ذاتی مقاصد، مفادات اور انفرادی جذبات کو مکمل طور پر بالائے طاق رکھتے ہوئے خالص ذمہ داریوں کا انتخاب کیا تھا۔ اسی لیے آپ میزان حق ہیں۔ یقیناً امیر المومنین علیہ السلام کی پوری زندگی "وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِى نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہ" کی منہ بولتی تصویر ہے۔ ایسا نہیں کہ آپ صرف شہادت کے وقت اور زندگی کے آخری لحات میں "مَن يَشْرِى نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہ" سے متصف ہوں بلکہ آپ ساری زندگی راہِ خدا میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے رہے، ذاتیات سے مبرا رہے نیز مشکلات اور سختیوں کو خندہ پیشانی سے سہتے رہے۔ (۵۴)

☆ ان سے فرمایا: دَعُونِى وَالْتَمِسُوا غَيْرِى فَإِنَّا مُسْتَقْبِلُونَ أَمْراً لَهُ وُجُوهٌ وَأَلْوَانٌ لَا تَقُومُ لَهُ الْقُلُوبُ، وَلَا تَثْبُتُ عَلَيْهِ الْعُقُولُ وَإِنَّ الْآفَاقَ قَدْ أَغَامَتْ وَالْمَحَجَّةَ قَدْ تَنَكَّرَتْ وَاعْلَمُوا أَنِّى إِنْ أَجَبْتُكُمْ رَكِبْتُ بِكُمْ مَا أَعْلَمُ وَلَمْ أُصْغِ إِلَىٰ قَوْلِ الْقَائِلِ وَعَتْبِ الْعَاتِبِ وَإِنْ تَرَكْتُمُونِى فَأَنَا كَأَحَدِكُمْ وَلَعَلِّى أَسْمَعُكُمْ وَأَطْوَعُكُمْ لِمَنْ وَلَّيْتُمُوهُ أَمْرَكُمْ وَأَنَا لَكُمْ وَزِيراً خَيْرٌ لَكُمْ مِنِّى أَمِيراً ((مجھے چھوڑ دو اور کسی دوسرے کو تلاش کرو کیونکہ ہم ایک ایسی چیز کی طرف جا رہے ہیں جو مختلف چہروں اور متعدد جہات کی حامل ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس پر دلوں کو استحکام اور عقلوں کو استقرار حاصل نہیں ہوگا۔ حقیقت کے چہرے کو خرابیوں اور فتنوں کے سیاہ بادلوں نے ڈھانپ لیا ہے اور صراطِ مستقیم اجنبی بن گیا ہے۔ آگاہ رہو! اگر میں تمہاری پیشکش قبول کر لوں تو میں اپنے علم کے مطابق عمل کروں گا۔ میں لوگوں کی باتوں اور ملامت کرنے والوں کی ملامت پر کان نہیں دھروں گا۔ اگر تم لوگ مجھ سے دست بردار ہو جاؤ تو میں تمہاری طرح کا ایک فرد رہوں گا۔ پھر شاید میں تمہارے منتخب کردہ امیر کا تم لوگوں سے بڑھ کر مطیع رہوں گا۔ اس صورت میں اگر میں وزیر اور مشیر کے طور پر کام کروں تو یہ اس بات سے بہتر ہوگا کہ میں تمہارا امیر بن جاؤں۔)) (نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۹۲، ص ۱۳۶)

[1] امیر المومنین علیہ السلام کی شان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مشہور ترین حدیث یہ ہے: عَلِىٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِىٍّ یہ حدیث متعدد شیعہ و سنی مآخذ میں مذکور ہے جن میں سے چند یہ ہیں: طبرسی کی الاحتجاج ج ۱، ص ۷۵، اعلام الوری ص ۱۵۹، امالی صدوق مجلس ۲۰، حدیث ۱، ص ۸۹، امالی طوسی مجلس ۲۰، حدیث ۴، ص ۵۴۷، بشارۃ المصطفی ص ۲۰، جامع الاخبار ص ۱۳، الجمل ص ۴۳۳، خصال صدوق ج ۲، ص ۴۹۶، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۸، ص ۷۲، کشف الیقین ص ۲۳۲، کفایۃ الاثر ص ۱۸۱۔

■ امیر المومنینؑ: پیکر ایثار و انفاق

دنیا آباد کرنا عبادت ہے

اسلام ایک طرف سے یہ کہتا ہے: قدرتی وسائل کو دریافت کرو، دنیا کو آباد کرو، مادی وسائل کو کام میں لاؤ اور ذہن کو علم سے منور کرو نیز دنیا، طبیعیات، مادہ اور قدرتی ذخائر کو پہچانو، دریافت کرو اور پروان چڑھاؤ[1] کیونکہ یہ سب تمہارے لیے ہیں۔ دوسری طرف سے اسلام حکم دیتا ہے:

> ان سب کو اللہ کی خاطر انجام دو، خدا کو یاد کرو، خدا کی یاد سے دل کو خالی مت رکھو اور ان تمام کاموں کو عبادت کا لباس پہناؤ۔

خلاصہ یہ کہ مادی تعمیر و ترقی کی کوشش کے ساتھ ساتھ معنوی تعمیر و ترقی کی بھی جدوجہد کی

---

[1] قرآن کہتا ہے کہ حضرت صالحؑ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ نے تمہیں زمین آباد کرنے کا حکم دیا ہے: والی ثمود اخاھم صالحا قال یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ ھو انشا کم من الارض واستعمر کم فیھا (ہود ۶۱) ((اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی "صالح" کو بھیجا جس نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے اور تمہیں اسے آباد کرنے کا حکم دیا ہے۔))

جائے [1]

اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ اسلام میں جو شخص (یعنی امیر المومنین) مادی تعمیر و ترقی میں مشغول رہا ہے وہی تمام بندوں میں سے سب سے زیادہ "زاہد" بھی ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے کنویں اور نہریں کھودیں پھر جب اونٹ کی گردن کے برابر پانی پھوٹ کر نکلا تو آپ کنویں سے نکلے، اسی خاک آلود لباس میں کنویں کے کنارے بیٹھ گئے اور کاغذ پر یوں تحریر لکھنے لگے:

میں اس پانی کو فقراء کے لیے وقف کرتا ہوں اور صدقۂ جاریہ قرار دیتا ہوں۔

امام پہلے زمین آباد کرتے ہیں پھر اسے فوراً راہ خدا میں خرچ فرماتے ہیں۔ گویا آپ سب سے زیادہ انفاق فرمانے والے، سب سے زیادہ دنیا آباد کرنے والے اور سب سے زیادہ مادی جہد و جہد کرنے والے تھے۔ دوسری طرف سے معنوی عظمت و بلندی کے بھی سب سے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ یہ اسلامی تربیت کا نتیجہ اور مادی و معنوی ترقی پر مبنی نظام زندگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ (۵۵)

پانی کا کنواں کھود کر وقف کرنے کی سیرت

امیر المومنین علیہ السلام زمین اور باغ کے مالک تھے۔ ایک بار آپ علیہ السلام اپنے باغ میں کدال پکڑ کر کنواں کھودنے میں مشغول ہوئے۔ کنویں کی زمین سخت تھی لیکن امیر المومنین علیہ السلام کی جسمانی طاقت ان سختیوں پر غالب آ گئی اور اچانک پانی ابل پڑا۔ اس باغ کا باغبان

---

[1] حدیث معراج خالص توحیدی تعلیمات اور بلند آسمانی حقائق سے لبریز ہے۔ اس حدیث میں اللہ تعالی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوں خطاب فرماتا ہے: یا احمد ان العبادة عشرة اجزاء تسعة منها طلب الحلال فاذا طيبت مطعمك و مشربك فانت في حفظي و كنفي ((اے احمد! عبادت کے دس حصے ہیں۔ ان میں سے نو حصے رزق حلال کی طلب سے عبارت ہیں۔ پس جب تو اپنے اسباب خورد و نوش کو پاکیزہ بنا لے تو پھر تو میری حفاظت اور پناہ کے دائرے میں ہوگا۔)) (ارشاد القلوب ج ۱، ص ۲۰۳، بحار الانوار ج ۷۴، ص ۲۶)

نقل کرتا ہے:

اچانک اس کنویں سے اونٹ کی گردن کے برابر پانی پھوٹ کر باہر نکلا۔ امیر المومنین علیہ السلام کنویں سے نکلے۔ آپ نے اپنا ہاتھ منہ دھویا اور تھوڑی دیر آرام کرنے سے پہلے ہی آپ نے فرمایا: قلم کاغذ لے آؤ۔ قلم اور کاغذ لائے گئے تو آپ نے موقع پر ہی پانی سے لبریز کنواں وقف کر دیا۔[1] (۵۶)

ایک ہزار غلام آزاد کرنے کی سیرت

امام صادق علیہ السلام نے امیر المومنین علیہ السلام کی تعریف و تمجید کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَد اَعتَقَ مِن مَالِهِ اَلفَ مَملُوكٍ

آپ نے اپنے ذاتی مال سے بتدریج ایک ہزار غلام اور کنیزیں خرید کر انہیں آزاد کر دیا۔

فِی طَلَبِ وَجهِ اللّٰهِ وَالنّجاةِ مِن النّار

اللہ کی خوشنودی اور جہنم سے نجات حاصل کرنے کی خاطر۔

مِمّا کَدَّ بِیَدَیهِ وَ رَشحَ مِنهُ جَبِینهُ[2]

یہ پیسے آپ کو مفت میں نہیں ملے تھے۔

بقول امام صادق علیہ السلام:

مِمّا کَدَّ بِیَدَیهِ

یعنی آپ نے خون پسینہ ایک کر کے یہ پیسے کمائے تھے۔

امیر المومنین علیہ السلام بعصر رسول میں بھی محنت و مشقت فرماتے رہے نیز (خلفاء کے

---

[1] دیکھئے معجم البلدان ج ۴، ص ۱۷۶۔ کارخانہ جات ۱۱/۲/۱۳۶۲ ھ ش۔

[2] دیکھئے ارشاد مفید ج ۲، ص ۱۴۱، کشف الغمۃ ج ۲، ص ۸۵، بحار الانوار ج ۴۱، ص ۱۱۰، وسائل الشیعہ جلد ۱، ص ۹۱۔

پچیس سالہ دور میں اور اپنے دور خلافت میں بھی آپؑ کا یہی معمول رہا۔ (بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنینؑ اپنے دور خلافت میں بھی محنت مزدوری کرتے تھے۔) آپ کھیت آباد کرتے تھے، نہر کھودتے تھے اور ان اموال کو راہِ خدا میں خرچ کرتے تھے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ آپ مسلسل غلام خریدتے اور آزاد فرماتے تھے۔ اس طرح آپ نے ایک ہزار غلام خرید کر آزاد کیے۔ (۵۷)

ایک سال کی آمدنی ایک دن کا صدقہ

امیر المومنینؑ کے انفاق کے بارے میں "تاریخ بلاذری" اور "فضائل احمد" میں منقول ہے:

كَانَتْ غَلَّةُ عَلِیٍّ اَربَعِينَ اَلف دِينار

علیؑ کی زرعی آمدنی چالیس ہزار دینار تھی۔

بظاہر اس کا تعلق پچیس سالہ دور (دورِ خلفاء) سے ہے جب آپؑ کو زیادہ فراغت حاصل تھی۔ چنانچہ آپؑ زمین آباد کرنے اور کنواں کھودنے وغیرہ میں مصروف رہتے تھے۔ آپؑ نے بہت سی زمینیں اپنے ہاتھوں سے آباد کیں۔[1]

مروی ہے: بِكَدِّ يَدِهِ وَعَرقِ جَبِينِه

یعنی آپ مزدوروں کے ذریعے کنواں نہیں کھودتے تھے بلکہ خود کدال لے کر اپنے زور بازو سے کنواں کھودتے اور زمین آباد کرتے تھے جن سے کافی آمدنی ہوتی تھی۔ گندم اور خرما وغیرہ سے ایک سال آپ کی زرعی آمدنی چالیس ہزار دینار بنی تھی۔ جی ہاں، ایک سال کی آمدنی چالیس ہزار دینار!! لیکن: فَجَعَلَها صَدَقَةً

آپ نے ایک سال کی پوری آمدنی یعنی چالیس ہزار دینار صدقے میں دے دیے۔

وَاَنَّهُ بَاعَ سَيفَهُ

۱۔ تاریخی کتب میں منقول ہے کہ امیر المومنینؑ نے "ینبع" کے مقام پر پانی کے ایک سو کنویں کھودے اور ان سب کو حج بیت اللہ کرنے والوں کے نام وقف کر دیا۔ لوگ ان کنوؤں سے سینکڑوں سال تک استفادہ کرتے رہے۔ (مناقب ابن شہر آشوب، ج ۲، ص ۱۲۳)

جس دن آپؑ نے اپنی آمدنی صدقے میں دی تھی اسی دن آپ نے بازار جا کر اپنی تلوار فروخت کی۔

آپ علیہ السلام سے پوچھا گیا:

یا امیرالمومنین! آج آپ نے چالیس ہزار دینار نقد یا جنس کی صورت میں بطور صدقہ دے دیے ہیں اور اب اپنی تلوار بیچ رہے ہیں؟

(روایت کے مطابق) آپ علیہ السلام نے فرمایا:

لَو کَانَ عِندِی عشاء اً مَا بِعتُهُ [1]

اگر میرے پاس رات کا کھانا ہوتا تو میں اپنی یہ تلوار فروخت نہ کرتا۔

یہ باتیں افسانہ نہیں بلکہ حقیقت ہیں تاکہ ہم لوگوں کو سبق حاصل ہو جو اپنے مال کا پانچواں حصہ یا چوتھا حصہ یا نصف حصہ یا دسواں حصہ اور واجب زکات دینے سے اس قدر احتراز کرتے ہیں اور مستحق لوگوں پر خرچ کرنے سے پہلوتہی کرتے ہیں۔ یہ وہ اعلیٰ نمونہ ہے۔ (۵۸)

---

[1] دیکھیے بلاذری کی انساب الاشراف ج ۲، ص ۱۱۷، مناقب ابن شهر آشوب ج ۲، ص ۷۲ نیز بحار الانوار، ج ۴۱، ص ۲۶۔

امیر المومنینؑ کا کمر شکن زہد

زہد: زیادہ محنت لیکن کم استفادہ

زہد سے مراد ہے: دنیا سے بے اعتنائی۔[1] دنیا سے بے اعتنائی کا مطلب یہ نہیں کہ تعمیر دنیا کے لیے محنت نہ کی جائے۔ دنیا میں امیر المومنین علیہ السلام سے زیادہ محنتی کون تھا؟ امیر المومنین علیہ السلام سے زیادہ کس شخص نے تعمیر دنیا کے لیے اپنی قوتِ بازو نیز قدم، دماغ، جسم، روح، مال اور دیگر قوتوں سے استفادہ کیا ہے؟

کہیں ہمیں یہ غلط فہمی نہ ہو کہ دنیا سے بے رغبتی محنت و مشقت، ترقی، جدو جہد اور مثبت انداز میں دنیا آباد کرنے سے اجتناب کا نام ہے۔ محنت و مشقت ضروری ہے۔ زاہد وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے۔ بالفاظ دیگر زاہد وہ ہے جو مثبت شکل میں دنیا آباد کرنے کے لیے خوب محنت، مجاہدت اور جدو جہد کرتا ہے، خطرات سے ٹکراتا ہے اور جان کی بازی لگاتا ہے نیز اپنے بازوؤں، اپنے پیروں، اپنے دماغ، اپنے جسم، اپنی روح اور اپنے مال سے کام لیتا ہے لیکن جب دنیوی خزانے سے اپنا حصہ لینے کی باری آتی ہے تو کم

---

[1] ''زہد'' حرص، لالچ، رغبت اور لگاؤ کی ضد ہے۔ زہد سے مراد ہے: دنیوی لذتوں کا حریص نہ ہونا، دنیوی زرق و برق کا دلدادہ نہ ہونا نیز دنیا کی فانی، عارضی اور زود گذر رنگینیوں سے قلبی رغبت کو لگام دینا۔ (لسان العرب، ج ۳، ص ۱۹۶ اور مجمع البحرین، ج ۳، ص ۵۹)

لیتا ہے۔ یہ ہے زہد کا مفہوم۔ زاہد وہ ہے جو اپنی ذات اور فردی زندگی کے دائرے میں مادی لذتوں سے کم استفادہ کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ زاہد اپنی مادی خواہشات کی سرکوبی کرے۔ وہ فطری تقاضوں اور معمول کے مطابق دنیوی لذتوں اور زندگی کی رنگینیوں سے استفادہ کرتا ہے لیکن دنیا کا عاشق، حریص اور دلدادہ نہیں ہوتا۔ تعمیر دنیا کی خاطر خوب کوشش کرنے کے باوجود دنیوی نعمتوں سے کم استفادہ کرنا امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کی دوسری خصوصیت ہے۔ آپؑ خود زاہد تھے اور دوسروں کو زہد سکھاتے تھے۔ آپؑ زہد کا حکم دیتے تھے اور عملی طور پر خود سب سے زیادہ زاہد تھے۔ ہمیں ان دو باتوں یعنی: علی کے عدل اور علی کے زہد کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ (۵۹)

زہد: علیؑ کا زیور

جناب عمار یاسر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے فرمایا:

يَا عَلِيُّ! اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ زَيَّنَكَ بِزِينَةٍ لَم يَتَزَيَّنِ الخَلَائِقُ بِزِينَةٍ هِيَ اَحَبُّ اِلَيهِ مِنها

اے علی! اللہ نے آپ کو ایک ایسی زینت سے مزین کیا ہے جس سے زیادہ پسندیدہ زینت سے کسی اور مخلوق کو مزین نہیں فرمایا۔

وہ زینت کیا ہے؟ "الزهد في الدنيا" دنیا سے بے رغبتی یعنی ان مادی رنگینیوں سے بے رغبتی جن سے انسان لذت حاصل کرتا ہے۔ یہ وہ زیور ہے جس سے اللہ نے علی علیہ السلام کو زینت دی ہے۔

دنیا پرستی سے مراد تعمیر دنیا، دنیا کو آباد کرنا، اللہ کی عطا کردہ زینتوں سے زمین کو مزین کرنا اور بندگان خدا کو خدائی نعمتوں سے بہرہ مند کرنا نہیں (کیونکہ امیر المومنین علیہ السلام خود اس میدان کے شہسوار تھے۔) حب دنیا سے مراد یہ ہے کہ ہم لوگ نفسانی خواہشات

اور لذت پرستی کی خاطر دنیوی نعمتوں (خوراک، لباس، سواری اور جنسی خواہشات) کا اہتمام کریں۔ یہ وہی دنیا ہے جس کی احادیث میں مذمت ہوئی ہے۔[1] دنیوی نعمتوں سے ایک معقول حد تک استفادہ کرنا جائز بلکہ ممدوح ہے لیکن اس میں حد سے گزرنا وہی مذموم اور منحوس دنیا ہے جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔ پس دنیا سے بے رغبتی علی علیہ السلام کا زیور ہے۔ آگے چل کر اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین علیہ السلام سے فرمایا:

۱۔ قرآن دنیا کا تعارف یوں پیش کرتا ہے:

اِعلَمُوا اَنَّما الحَیاۃُ الدُّنیا لَعِبٌ وَلَھوٌ وَزِینَۃٌ وَتَفاخُرٌ بَینَکُم وَ تَکاثُرٌ فِی الاَموالِ وَالاَولادِ کَمَثَلِ غَیثٍ اَعجَبَ الکُفّارَ نَباتُہ ثُمَّ یَھِیجُ فَتَراہُ مُصفَرّاً ثُمَّ یَکُونُ حُطاماً وَفِی الآخِرَۃِ عَذابٌ شَدِیدٌ وَمَغفِرَۃٌ مِنَ اللّٰہِ وَرِضوانٌ وَمَا الحَیاۃُ الدُّنیا اِلّا مَتاعُ الغُرُورِ (حدید/۲۰)

((جان لو کہ دنیوی زندگی تو صرف کھیل، بیہودگی، آرائش، باہمی فخر و مباہات اور اولاد و اموال میں باہمی سبقت کی کوشش سے عبارت ہے۔ اس کی مثال اس بارش کی سی ہے جس کی پیداوار (پہلے) کسانوں کو خوش کر دیتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے۔ پھر تو دیکھتا ہے کہ وہ کھیتی زرد ہو گئی ہے پھر وہ بھس بن جاتی ہے جبکہ آخرت میں (کفار کے لیے) شدید عذاب اور (مومنین کے لیے) اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی کا سامان ہے اور دنیا کی زندگی تو سامان فریب ہے۔))

امیر المومنین علیہ السلام نے دنیا کی حقیقت کو ایک خوبصورت پیرائے میں یوں بیان کیا ہے:

الدُّنیا رَنِقٌ مَشرَبُھا، رَدِغٌ مَشرَعُھا، یُونِقُ مَنظَرُھا، وَیُوبِقُ مَخبَرُھا، غُرُورٌ حائِلٌ، وَضَوءٌ آفِلٌ، وَظِلٌّ زائِلٌ، وَسِنادٌ مائِلٌ، حَتّیٰ اِذا اَنِسَ نافِرُھا وَاطمَاَنَّ ناکِرُھا، قَمَصَت بِاَرجُلِھا، وَقَنَصَت بِاَحبُلِھا، وَاَقصَدَت بِاَسھُمِھا، وَاَعلَقَتِ المَرءَ اَوھاقَ المَنِیَّۃِ قائِدَۃً لَہُ اِلیٰ ضَنکِ المَضجَعِ، وَوَحشَۃِ المَرجِعِ وَمُعایَنَۃِ المَحَلِّ وَثَوابِ العَمَلِ (نہج البلاغہ، صبحی صالح، خطبہ ۸۳، ص ۱۰۸)

((اس دنیا کا گھاٹ گدلا اور سیراب ہونے کی جگہ گل آلود ہے۔ اس کا ظاہر خوشنما اور باطن تباہ کن ہے۔ یہ ایک مٹ جانے والا دھوکہ، غروب ہونے والی روشنی، ڈھل جانے والا سایہ اور جھکا ہوا ستون ہے۔ جب اس سے نفرت کرنے والا اس سے دل لگا لیتا ہے اور اجنبی اس سے مطمئن ہو جاتا ہے تو یہ اپنے پیروں کو اٹھا کر زمین پر دے مارتی ہے، اپنے جال میں پھانس لیتی ہے، اپنے تیروں کا نشانہ بنا لیتی ہے اور اس کے گلے میں موت کا پھندا ڈال کر تنگ و تاریک قبر اور وحشت ناک منزل تک لے جاتی ہے جہاں سے وہ اپنا ٹھکانہ (جنت و دوزخ) دیکھ لے اور اپنے کیے کا نتیجہ پا لے۔))

وَجَعَلَ الدُّنیا لَاتَنالُ مِنکَ شَیئاً[1]

اللہ نے اس دنیا کو اس طرح سے بنایا ہے کہ وہ آپ سے کچھ حاصل نہ کر سکے۔[2] (۶۰)

رسول کریمؐ کے زہد کی پیروی

امیر المومنین علیہ السلام نے بارہا فرمایا:

میرے پاس جو کچھ ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عطا کردہ ہے۔[3]

---

[1] شواھد التنزیل، ج ۱، ص ۵۱۷، العمدہ ص ۲۹۷، المحاسن ج ۱، ص ۲۹۱، مشکاۃ الانوار ص ۱۱۴، بحار الانوار ج ۴۰، ص ۷۸۔

[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ دنیوی زندگی امیر المومنین علیہ السلام کی معنوی شخصیت میں کوئی نقص پیدا نہیں کر سکتی یعنی آپ کے کمال ایمانی کی وجہ سے دنیوی زندگی کسی صورت آپ کے درجات میں کمی، روح کی آلودگی اور بے جا امور میں دل کی مشغولیت کا موجب نہیں بن سکتی۔ خلاصہ یہ کہ امیر المومنین علیہ السلام اَلسَّلامُ عَلَیہِ یَومَ وُلِدَ وَیَومَ یَمُوتُ وَیَومَ یُبعَثُ حَیاً کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔

[3] امیر المومنین علیہ السلام کا معروف جملہ ہے: اِنَّمَا اَنَا عَبدٌ مِن عَبِیدِ مُحَمَّد میں تو محمد کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں۔ (کافی ج ۱، ص ۸۹، توحید صدوق ص ۱۷۴، احتجاج طبرسی ج ۱، ص ۲۱۰، بحار الانوار ج ۳، ص ۲۸۳)

امیر المومنین علیہ السلام دامن رسول میں اپنی پرورش اور تربیت کی کیفیت یوں بیان فرماتے ہیں: تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میری قریبی رشتہ داری اور مخصوص قدر و منزلت کی وجہ سے میرا مقام آپ کے نزدیک کیا تھا۔ جب میں بچہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے گود میں اٹھاتے تھے، اپنے سینے سے چمٹائے رکھتے تھے، بستر میں اپنے پہلو میں جگہ دیتے تھے، اپنے بدن مبارک کو مجھ سے مس کرتے تھے اور اپنی خوشبو مجھے سونگھاتے تھے۔ پہلے آپ کسی چیز کو چباتے پھر اس کا لقمہ بنا کر میرے منہ میں دیتے تھے۔ آپ نے نہ تو میری کسی بات میں جھوٹ کا شائبہ پایا نہ میرے کسی کام میں لغزش اور کمزوری دیکھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دودھ بڑھائی کے وقت سے ہی اللہ نے فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت فرشتے (روح القدس) کو آپ کے ساتھ لگا دیا تھا جو آپ کو شب و روز عظیم خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر لے جاتا تھا اور میں آپ کے پیچھے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جس طرح اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔ آپ ہر روز میرے لیے اخلاق حسنہ ⇐

امیر المومنین علیہ السلام کے زہد کے بارے میں ایک راوی جو آپ کی خدمت میں گیا تھا، کہتا ہے:

میں نے دیکھا کہ آپ علیہ السلام ایک خشک روٹی بڑی زحمت سے
کھا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا:
اے امیر المومنین! آپ اپنے آپ کو اس قدر مشقت میں
کیوں ڈال رہے ہیں؟
آپ علیہ السلام روئے اور فرمانے لگے:
میرا باپ قربان جائے اس ہستی کے (یعنی رسول اکرمؐ کے)
جس نے زندگی بھر یا شاید اپنے دورِ حکومت میں پیٹ بھر کر گندم
کی روٹی نہیں کھائی۔

یہ ہے اس امیر المومنین علیہ السلام کی حالت جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شاگرد ہونے کے ناطے آپ کے نقشِ قدم پر چل رہے تھے۔ بہر حال امیر المومنین علیہ السلام کا جو اندازِ حکومت ہمارے مدِ نظر ہے وہ ایک تعجب خیز چیز ہے۔[1] (۶۱)

⇐ کے پرچم بلند کرتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے۔ آپ ہر سال (کوہ) حرا میں کچھ عرصہ قیام فرماتے تھے۔ وہاں میرے علاوہ کوئی آپ کو نہیں دیکھتا تھا۔ (نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۱۹۲، ص ۳۰۰، نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین، خطبہ ۱۹۰، ص ۵۳۳)

[1] سوید نقل کرتا ہے: میں کوفہ میں علی علیہ السلام کے گھر گیا۔ آپ کے سامنے کھٹے دہی کا کاسہ رکھا ہوا تھا۔ شدید کھٹاس کی وجہ سے مجھے اس کی بو آرہی تھی۔ آپ علیہ السلام کے ہاتھ میں جو کی روٹی تھی جس کے اوپر جو کی بھوسی نظر آرہی تھی۔ آپ علیہ السلام مشکل سے اس روٹی کو توڑ رہے تھے اور گاہے اپنے زانو پر رکھ کر توڑتے تھے۔ آپ علیہ السلام کی کنیز فضہ کھڑی تھی۔ میں نے کہا: اے فضہ! کیا اس عمر رسیدہ شخص کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتی ہو؟ کیا اس روٹی کی بھوسی چھان کر جدا نہیں کر سکتی ہو؟ فضہ نے کہا: ہمیں اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ اطاعت گزار ہونے کے باوجود نافرمانی کریں۔ جب سے ہم آپ کی خدمت میں مشغول ہیں آپ نے ہم سے یہ عہد لے رکھا ہے کہ ہم آپ کا آٹا صاف نہ کریں اور اس کی بھوسی الگ نہ کریں۔ سوید کہتا ہے: علی علیہ السلام فضہ کی بات نہیں سن رہے تھے۔ آپ فضہ کی طرف مڑے اور فرمانے لگے: کیا کہہ رہی ہو؟ فضہ نے کہا: اس سے پوچھئے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: تو اس سے کیا کہہ رہا تھا؟ میں نے کہا: میں ⇐

امامؑ کی خوراک اور آپ کا لباس

امام صادق علیہ السلام امیر المومنین علیہ السلام کا تعارف پیش کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ فرماتے ہیں:

وَاللّٰهِ مَا اَكَلَ عَلِيُّ ابْنُ اَبِي طَالِبٍ مِنَ الدُّنيا حَراماً قَطُّ حَتىٰ مَضىٰ لِسَبيلِهِ

اللہ کی قسم علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے اپنی رحلت تک اس دنیا سے حرام کا ایک لقمہ بھی نہیں کھایا۔

ان كانَ ليقوت اَهله بالزّيت والخلّ وَالعَجوَةِ

یعنی امیر المومنین علیہ السلام کے گھرانے کے معمول کی خوراک زیتون، سرکہ اور عام کھجور یا سستے کھجور سے عبارت تھی۔ اسے ہم آج کی (فارسی) اصطلاح میں دہی اور روٹی یا روٹی اور پنیر کہہ سکتے ہیں۔

وَمَا كانَ لِباسُه اِلّا كَرابيس

آپ صرف کرباس کا لباس پہنتے تھے۔

اِذا فَضَلَ شَيئٌ عَن يَدِهِ مِن كُمِّهِ دَعا بِالجلم فَقَصَّهُ[1]

اگر آپ کی آستین لمبی ہو جاتی تو آپ قینچی منگوا کر اضافی حصے کو کاٹ دیتے تھے۔

فضہ سے کہہ رہا تھا: اگر آپ ان کا آٹا صاف کرتیں تو اچھا ہوتا۔ علی علیہ السلام روئے اور فرمانے لگے: میرے والدین اس شخص کے قربان جائیں جس نے مسلسل تین دنوں تک سیر ہو کر گندم کی روٹی نہیں کھائی یہاں تک کہ ان کی رحلت ہو گئی۔ وہ جس آٹے کی روٹی کھاتا تھا اسے کبھی صاف نہیں کیا گیا۔ امیر المومنین علیہ السلام کی مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۲۰۱)

[1] دیکھئے شیخ مفید کی الارشاد ج ۲، ص ۱۴۱، کشف الغمہ ج ۲، ص ۸۵، بحار الانوار ج ۴۱، ص ۱۱۰، وسائل الشیعہ ج ۱، ص ۹۱۔

بالفاظ دیگر آپ اپنے لباس میں آستین کے اضافی حصے کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ (۶۲)

اے دنیا! کسی اور کو فریب دے

امیرالمومنین علیہ السلام کے یہ جملے کائنات اور انسانی زندگی کی فضاؤں میں ابھی تک گونج رہے ہیں:

یـا دُنیـا! یـادُنیـا! اِلَیکِ عَنّی (اَبِی تَعَرَّضتِ اَم اِلَیَّ تَشَوَّقتِ ؟ لَاحَانَ حِینُکِ) هَیهاتَ غُرّی غَیرِی[1]

اے دنیا! اپنی تمام تر رنگینیوں اور دلکش جلوؤں کے ساتھ کسی اور کو فریب دے۔ اے خواہشات نفسانی جو مضبوط ترین انسانوں کو بھی اپنے دام میں پھانس لیتی ہو! جاؤ علی کو چھوڑ کر

---

[1] معاویہ نے امیرالمومنین علیہ السلام کے ایک دوستدار ضرار بن حمزہ سے امیرالمومنین علیہ السلام کے حالات بیان کرنے کی تاکید کی تو ضرار نے کہا: فَاَشهَدُ لَقَدْ رَاَیتُهُ فی بَعضِ مَواقِفِهِ وَقَد اَرخَی اللَّیلُ سُدُولَه وَهُوَ قائِمٌ فی مِحرابِهِ قابِضٌ عَلیٰ لِحیَتِه یَتَمَلمَلُ تَمَلمُلَ السَّلِیمِ وَیَبکی بُکاءَ الحَزِینِ وَ یَقُولُ: یا دُنیا! یادُنیا! اِلَیکِ عَنّی ۔ اَبِی تَعَرَّضتِ اَم اِلَیَّ تَشَوَّقتِ ؟ لَاحَانَ حِینُکِ ۔ هَیهاتَ غُرّی غَیرِی۔ لا حاجَةَ لِی فِیکِ قَد طَلَّقتُکِ ثَلاثاً لا رَجعَةَ فِیها فَعَیشُکِ قَصِیرٌ وَخَطَرُکِ یَسِیرٌ وَاَمَلُکِ حَقِیرٌ۔ آه! مِن قِلَّةِ الزّادِ وَطُولِ الطَّرِیقِ وَبُعدِ السَّفَرِ وَعَظِیمِ المَورِدِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ایک دفعہ آپ کو عبادت کی حالت میں دیکھا۔ اس وقت رات نے اپنے تاریک پردے گرادیے تھے اور آپ محراب عبادت میں اپنی ریش مبارک پکڑے کھڑے تھے۔ آپ ایک مارگزیدہ انسان کی طرح بل کھا رہے تھے نیز ایک محزون اور غمزدہ انسان کی طرح رو رہے اور فرمارہے تھے: اے دنیا! اے دنیا! مجھ سے دور رہو جا۔ کیا تو میرے سامنے جلوہ نمائی کرتی ہو؟ کیا تو مجھ سے معاشقہ کرتی ہو؟ وہ وقت کبھی نہیں آئے گا کہ تو مجھے پھانس لے۔ مجھے چھوڑ کر کسی اور کو فریب دے۔ مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں۔ تحقیق میں تجھے تین بار طلاق دے چکا ہوں جس کے بعد رجوع کی کوئی گنجائش نہیں۔ تیری زندگی مختصر، تیری حیثیت معمولی اور تیری آرزو حقیر ہے۔ ہائے! زادِ راہ کتنا کم ہے، سفر کتنا طویل ہے اور منزل مقصود کس قدر عظیم ہے؟ (دیکھئے نہج البلاغہ صبحی صالح، کلمات قصار، ۷۷، ص ۴۸۰)

کسی اور کو پھانس لو۔ علی اس سے کہیں بلند و بالا، منزہ اور طاقتور ہے کہ تیرے دام میں پھنس جائے۔ (۶۳)

امیر المومنین علیہ السلام اپنے دور کی نہایت وسیع و عریض سرزمین نیز زبردست طاقت اور اقتصادی وسائل سے مالا مال عظیم حکومت کے سربراہ تھے۔ اس کے باوجود آپ علیہ السلام نے اپنے نفس کو عام دنیوی خواہشات سے بھی منزہ رکھا۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"غُرِّی غیرِی" جاؤ کسی اور کو دھوکہ دو۔

اے دنیا کی رنگینیو! جاؤ اور ضعیف النفس لوگوں کو دھوکہ دو۔ تمہارا ناپاک ہاتھ امیر المومنین علیہ السلام کے دامن تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ (۶۴)

امامؑ کے قریبی ساتھی بھی عاجز تھے

یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ ایک شخص حکمران ہو اور طاقت کے تمام وسائل (بیت المال، اسلحہ اور اثر و نفوذ) اس کے قبضے میں ہوں لیکن اس کی فردی زندگی اس طرح کی ہو کہ وہ اپنے قریبی ساتھیوں سے کہے: تم لوگ اس قدر سخت زندگی نہیں گزار سکتے۔

اَلَا وَ اِنَّکُم لَاتَقدِرُونَ عَلیٰ ذَالِکَ [1]

امیر المومنین علیہ السلام کی خوراک کا یہ حال تھا کہ آپ علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک نے آپؑ کے خادم قنبر سے کہا:

اس عمر رسیدہ بزرگ کو جو کی اس قدر سخت روٹی کیوں دیتے ہو؟

---

[1] امیر المومنین علیہ السلام نے بصرہ میں اپنے گورنر عثمان بن حنیف کو ایک خط لکھا جس میں مذکور ہے: اَلَاوَ اِنَّ لِکُلِّ مَاْمُومٍ اِمَاماً یَقتَدِی بِهٖ وَیَستَضِیئُ بِنُورِ عِلمِهٖ اَلَا وَاِنَّ اِمَامَکُم قَد اِکتَفیٰ مِن دُنیَاهُ بِطِمرَیهِ وَ مِن طُعمِهٖ بِقُرصَیهِ اَلَا وَاِنَّکُم لَا تَقدِرُونَ عَلیٰ ذَالِکَ وَلٰکِن اَعِینُونِی بِوَرَعٍ وَاجتِهَادٍ وَعِفَّةٍ وَسَدَادٍ ((آگاہ رہو کہ ہر ماموم کا ایک پیشوا یا امام ہوتا ہے۔ وہ اس کی اقتدا کرتا ہے اور اس کے علم سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ جان لو کہ تمہارے امام نے اپنی دنیوی زندگی میں دو پرانے لباسوں اور دو روٹیوں پر اکتفا کر لیا ہے۔ خوب جان لو کہ تم لوگ ایسا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے لیکن تم لوگ پرہیزگاری، کوشش و مجاہدت، پاکدامنی اور صحیح طرز عمل کے ذریعے میری مدد کرو۔)) نہج البلاغہ صبحی صالح، مکتوب نمبر ۴۵، نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲، ص ۲۰۱۔

قنبر نے کہا:

میں نہیں بلکہ آپ خود ایسا کرتے ہیں۔ آپ خود اس روٹی یا اس جو کے آٹے کو تھیلے میں رکھتے ہیں اور اس کا منہ بند کر دیتے ہیں۔ گاہے اس پر مہر بھی لگا دیتے ہیں تا کہ اسے کوئی نہ کھولے اور اس میں شکر یا روغن مخلوط نہ کرے۔[1]

اَلَا وَاِنَّ اِمَامَکُم قَد اِکتَفیٰ مِن دُنیاہُ بِطمریهِ وَ مِن طعمِه بِقُرصَیهِ[2]

جان لو کہ تمہارے امام نے دنیا میں دو پرانے لباسوں اور دو روٹیوں پر اکتفا کر لیا ہے۔

یہ اس امام کی زندگی کا حال ہے۔ اسے بیان کیجیے۔ (۶۵)

میں نے خود مرحوم علامہ طباطبائی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک بات سنی ہے۔ معلوم نہیں کہ انہوں نے اسے کہیں لکھا بھی ہے یا نہیں۔ فرماتے ہیں:

جب امام علیہ السلام ہم سے فرماتے ہیں: میری طرف آؤ تو اس کی مثال کچھ یوں ہے گویا کوئی شخص کسی پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر پہاڑ کے دامن میں موجود لوگوں کو اوپر کی طرف آنے کی دعوت دے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ سارے رہنورد اور کوہنورد اس چوٹی تک پہنچ سکتے ہیں۔ نہیں بلکہ اس دعوت کا یہ مطلب ہے کہ راستہ اس طرف ہے اور اسی طرف بڑھنا چاہیے تا کہ کوئی نیچے کی جانب یعنی نشیب وسقوط کی جانب نہ جانے پائے۔ بالفاظ دیگر وہ کہتا ہے کہ اگر کوئی صحیح راستے پر گامزن ہونا چاہے تو اسے میری طرف آنا چاہیے جہاں میں کھڑا ہوں۔

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ زہد کے راستے پر گامزن ہونا چاہیے۔ آج اگر ہم

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۲۰۱۔
[2] نہج البلاغہ صبحی صالح، مکتوب ۴۵۔

اسلامی جمہوریہ (ایران) میں یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ زندگی کا رخ تعیش پرستی کی جانب ہے تو یقیناً یہ انحراف ہے اور اس میں کوئی کلام نہیں۔ ہمیں زہد کی طرف بڑھنا چاہیے۔ (۶۶)

تعجب خیز حقیقت

قطب راوندی جو چھٹی صدی کے عظیم دانشور ہیں امیر المومنین علیہ السلام کے زہد کے بارے میں کہتے ہیں:

> جب کوئی شخص زہد کے بارے میں علی کے کلام کا مطالعہ کرے اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کلام علی ابن ابی طالب کا ہے (یعنی اس شخص کا جو اس دور کی آباد دنیا کے عظیم حصے کا حکمران تھا نیز جسے بے شمار معاشرتی اور سیاسی مسائل کا سامنا تھا) تو لا یشك انه كلام من لا شغل له بغير العبادة وہ یقین کرلے گا کہ یہ کلام ایک ایسے شخص کا ہے جسے عبادت کے سوا کسی کام سے سروکار نہ ہو۔ ولا حظّ له فی غير الزهادة اور زہد کے علاوہ اس کا کوئی مشغلہ نہ ہو۔

یہ ہے امیر المومنین علیہ السلام کا زہد۔ اسی طرح آپ کی شخصیت کا ہر پہلو کمال کی آخری حدوں کو چھوتا ہے۔ پھر کہتے ہیں:

> یہ آپ کے ان عجیب مناقب میں سے ایک ہے جن کے باعث آپ کی شخصیت جامع الاضداد بن گئی ہے۔[۱] (۶۷)

زہد: راہِ علاج

نہج البلاغہ کا سب سے ممتاز پہلو زہد ہے۔[۲] امیر المومنین علیہ السلام نے اسلامی

۱۔ دیکھئے قطب الدین راوندی (متوفی ۵۷۳) کی الخرائج والجرائح، ج ۲، ص ۵۴۲، بحار الانوار، ج ۴۰، ص ۳۱۸۔

۲۔ بطور نمونہ ملاحظہ ہو: نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۳، ۲۸، ۵۲، ۸۱، ۱۰۳، ۱۰۹، ۱۶۰، ۱۹۱، ۱۹۶، ۲۳۰، نیز مکتوب نمبر ۲۷ نیز حکمت ۲۸، ۳۹۱، ۱۳۹ اور ۴۳۹۔

معاشرے کی بنیادی بیماری کے علاج کے طور پر زہد کا نسخہ پیش کیا تھا۔ میں بار بار عرض کر چکا ہوں کہ آج بھی ہمیں آیاتِ زہد کو پڑھنے کی ضرورت ہے۔ جس وقت امیر المومنین علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا:

دنیوی لذتوں کا فریفتہ مت ہونا

اس وقت کچھ لوگ ایسے تھے جو دنیوی لذتوں اور رنگینیوں سے محروم تھے۔ (شاید اکثر لوگوں کی یہ حالت تھی) امیر المومنین علیہ السلام کا خطاب ان لوگوں سے تھا جنہیں اسلامی فتوحات نیز سالہا سال پر محیط اسلام کی بین الاقوامی طاقت، حکومت اور سلطنت نے امیر، خوشحال اور سہولیاتِ زندگی سے مالا مال کر دیا تھا۔ امام انہیں خبردار کر رہے تھے۔ صاحبانِ اقتدار اور اربابِ بست وکشاد کے لیے یہ خطاب زیادہ سنگین اور زیادہ سخت ہے۔ [(٦٨)]

نہج البلاغہ: زہد کی کتاب

نہج البلاغہ میں سب سے زیادہ ''زہد'' پر زور دیا گیا ہے۔ نہج البلاغہ جنگ، صلح، دنیا، سیاست غرض انسانی زندگی کے جملہ آداب، طور طریقوں اور فنون کی کتاب ہے لیکن آپ اس کتاب کے جس حصے پر نظر کریں وہاں ''زہد'' کا تذکرہ پائیں گے۔ یہاں تک کہ اگر یہ کہا جائے کہ اس کا موضوع صرف ''زہد'' ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ امیر المومنین علیہ السلام جن سنگین حالات سے روبرو تھے ان کے باوجود اس بات پر مجبور تھے کہ انسانوں کو دنیا پرستی اور دنیوی رنگینیوں کی غلامی سے روکیں۔ امیر المومنین علیہ السلام ایک خطبے میں فرماتے ہیں:

> رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھوک، فقر اور ناداری کی حالت میں رحلت فرما گئے۔ رحلت کے وقت آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔ کیا خدا ہمارے لیے اس دنیا کو پسند فرمائے گا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نفرت کرتے تھے؟ اگر ہمارے اندر صرف یہی خامی ہو کہ ہم اس دنیا سے محبت کرنے لگیں جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں مبغوض تھی تو یہی بات اللہ کے ہاں

> ہماری مبغوضیت کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح اگر ہمارے اندر صرف یہ برائی ہو کہ جس چیز کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حقیر جانا ہے اسے ہم اہمیت دینے لگیں تو یہی برائی ہمیں خدا اور رسول سے دور رکھنے کے لیے کافی ہے۔[1]

امیر المومنین علیہ السلام کا یہ کلام ہمیں خبردار کرنے کے لیے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ ہمیں بے حد محتاط رہنا چاہیے تاکہ اسلامی معاشرہ دنیا پرستی کے ہاتھوں اسیر نہ بن جائے نیز جملہ اقدار کا محور مادیات اور دنیوی زرق برق قرار نہ پائیں۔ (۶۹)

حکمرانوں کا زہد

حکمرانوں اور ارباب اقتدار کا زہد عام لوگوں کے زہد سے مختلف نوعیت کا حامل ہوتا ہے۔ ارباب اقتدار کو جس قسم کے زہد کا حکم دیا گیا ہے وہ اس زہد سے زیادہ سخت ہے جس کا عام لوگوں کو حکم دیا گیا ہے۔ جب امیر المومنین علیہ السلام نے بصرہ میں علاء بن زیاد حارثی کا وسیع و عریض گھر دیکھا تو اس سے فرمایا:

> اتنا بڑا گھر کس لیے بنایا ہے؟ تمہیں اس قسم کے گھر کی آخرت میں زیادہ ضرورت ہوگی۔ اب جب تم نے یہ گھر بنا ہی لیا ہے تو اسے خدا (کے ہاں پسندیدہ امور) کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرو اور اس گھر میں بندگان خدا کی آؤ بھگت کرو۔[2]

---

[1] امیر المومنین علیہ السلام کے خطبے کا متن ضمیمہ نمبر ۱۲ میں ملاحظہ ہو۔

[2] امیر المومنین علیہ السلام بصرہ میں اپنے حامی علاء بن زیاد حارثی کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ جب آپ کی نظر اس کے وسیع و عریض گھر پر پڑی تو فرمایا: مَا كُنْتَ تَصنَعُ بِسَعَةِ هٰذِهِ الدَّارِ فِي الدُّنيا وَاَنتَ اِلَيها فِي الآخِرَةِ كُنتَ اَحوَجَ ؟ وَبَلىٰ اِنْ شِئتَ بَلَغتَ بِهِ الآخِرَةَ تَقرِي فِيها الضَّيفَ وَتَصِلُ فِيها الرَّحِمَ وَتُطلِعُ مِنها الحقوقَ مَطالِعَها فاِذا اَنتَ قَد بَلَغتَ بِها الآخِرَةَ ((یہ وسیع گھر دنیا میں تمہارے کس کام کا جبکہ تم آخرت میں اس کے زیادہ محتاج ہو؟ ہاں اگر تم چاہو تو اس کے ذریعے آخرت کما سکتے ہو۔ وہ یوں کہ تم ⇐

علاء نے امام علیہ السلام کے پاس اپنے بھائی کی شکایت کی کہ اس نے اپنے آپ کو تکلیف دہ اور سخت زندگی میں مبتلا کر رکھا ہے نیز وہ کندھے پر عبا ڈال کر گوشہ نشین ہو گیا ہے اور نہ کسی سے میل جول رکھتا ہے نہ کھانا کھاتا ہے بلکہ ریاضت میں مشغول ہے۔

امام علیہ السلام نے اسے بلایا۔ آپ علیہ السلام نے قبل ازیں اس کے بھائی (علاء) کے ساتھ جو سخت اور تند رویہ اختیار فرمایا تھا اس سے کئی گنا زیادہ سخت رویہ خود اس کے ساتھ اختیار کیا۔ آپ علیہ السلام نے اس کے بھائی علاء سے جس نے وسیع و عریض گھر بنایا تھا، فرمایا تھا: کوشش کرو کہ یہ گھر تیری آخرت کے کام آئے لیکن خود اس سے جس نے ترک دنیا یعنی رہبانیت اختیار کی تھی، فرمایا:

يَا عُدَيَّ نَفْسِهِ [1]

اے اپنے نفس کا حقیر دشمن! شیطان تیرے اوپر مسلط ہو گیا ہے اور اس نے اس (رہبانیت کے) راستے تمہیں فریب دیا ہے۔ یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے؟ جاؤ اور معمول کی زندگی گزارو۔

اس نے جواباً امام پر اعتراض کرتے ہوئے کہا:

☆ اس میں مہمانوں کی آؤ بھگت کرو، رشتہ داروں سے نیکی کرو اور موقع محل کے مطابق حقوق ادا کیا کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو تم آخرت کی کامرانی حاصل کر لو گے۔) (نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۲۰۹، ص ۳۲۵، نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین خطبہ ۲۰۷)

[1] يَا عُدَيَّ نَفْسِهِ لَقَدِ اسْتَهَامَ بِكَ الْخَبِيثُ أَمَا رَحِمْتَ أَهْلَكَ وَ وَلَدَكَ ؟ أَتَرَى اللَّهَ أَحَلَّ لَكَ الطَّيِّبَاتِ وَهُوَ يَكْرَهُ أَنْ تَأْخُذَهَا؟ أَنْتَ أَهْوَنُ عَلَى اللَّهِ مِنْ ذَالِكَ اے اپنی جان کے حقیر دشمن! شیطان خبیث نے تجھے بھٹکا دیا ہے۔ کیا تجھے اپنے اہل و عیال پر ترس نہیں آتا؟ کیا تو نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اللہ کو یہ ناگوار گزرتا ہے کہ تم ان پاکیزہ چیزوں سے استفادہ کرو جن کو اس نے تیرے لیے حلال کیا ہے؟ تم اللہ کی نگاہوں میں اس سے کہیں زیادہ گرے ہوئے ہو کہ وہ تمہارے لیے ایسا چاہے۔ (نہج البلاغہ صبحی صالح خطبہ ۲۰۹، ص ۳۲۵، نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین، خطبہ ۲۰۷)

یا امیرالمومنین! آپ مجھ پر یہ اعتراض فرماتے ہیں جبکہ آپ کی اپنی سطحِ زندگی، میری سطحِ زندگی سے کہیں زیادہ گری ہوئی ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

وَیْحَکَ اِنِّی لَسْتُ کَاَنْتَ

وائے ہو تجھ پر! میں تیرے مانند نہیں ہوں۔ تو اپنا موازنہ مجھ سے نہ کرو۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ فَرَضَ عَلیٰ اَئِمَّۃِ الْعَدلِ اَن یُقَدِّرُوا اَنفُسَھُم بِضَعَفَۃِ النَّاسِ

اللہ تعالیٰ نے عدل کے پرچمداروں پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنی سطحِ زندگی نادار اور کمزور لوگوں کی سطح پر رکھیں۔

کَیلاَ یَتَبَیَّغَ بِالْفَقِیرِ فَقْرُہُ

تاکہ مفلوک الحال فقراء اپنے حکمرانوں کو دیکھ کر اپنی ناداری پر صبر کریں۔ (۱) (۷۰)

زہد کا عملی درس

ایک دفعہ امیرالمومنین علیہ السلام نے ایک شخص سے جسے آپ بطور گورنر کہیں روانہ کرنا چاہتے تھے فرمایا:

''کل ظہر کے بعد میرے پاس آنا۔''

آج کل معمول بن چکا ہے کہ کسی شخص کو بطور گورنر یا حاکم کہیں بھیجتے وقت حکمران اسے بلا کر ہدایات دیتا ہے۔ وہ شخص نقل کرتا ہے: دوسرے دن نماز ظہر کے بعد میں وہاں گیا جہاں امیرالمومنین علیہ السلام بیٹھتے تھے یعنی اس چبوترے کے پاس جسے آپ علیہ السلام نے اسی

۱؎ نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۲۰۹، ص ۳۲۵، نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین، خطبہ ۲۰۷۔

مقصد کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے ایک خالی پیالہ ہے اور پانی کا ایک کوزہ۔ تھوڑی دیر بعد آپ علیہ السلام نے اپنے خادم کو اشارہ کیا اور فرمایا:

میرے اس تھیلے کو لے آؤ۔

راوی کہتا ہے:

میں نے دیکھا کہ ایک سر بمہر تھیلا لایا گیا۔ اس تھیلے کو موم سے بند کیا گیا تھا اور اس پر مہر لگی ہوئی تھی تا کہ اسے کوئی نہ کھول سکے۔

راوی کہتا ہے: میں نے خیال کیا کہ آپؑ مجھے اپنا راز داں سمجھتے ہوئے کوئی گوہرِ گراں بہا دکھانا چاہتے ہیں یا کوئی امانت میرے سپرد کرنے یا اس کے بارے میں کچھ بتانے کے خواہاں ہیں۔ راوی کہتا ہے:

امام نے مہر توڑی اور تھیلے کا منہ کھولا۔ میں نے دیکھا کہ اس تھیلے میں بھوسی دار اور بغیر چھنا ہوا ستو ہے۔ آپ علیہ السلام نے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک مٹھی ستو نکالا اور پیالے میں ڈال دیا پھر کوزے سے تھوڑا پانی ڈال کر ستو کے ساتھ مخلوط کیا اور دن کے کھانے کے طور پر اسے نوش فرمایا۔ آپؑ نے اس میں سے تھوڑا مجھے دیا اور فرمایا: ''کھاؤ۔''

میں نے حیرانگی سے پوچھا:

یا امیر المومنین! آپ اور یہ کام؟ نعمتوں سے لبریز عراق آپ کے قبضے میں ہے۔ اس قدر گندم اور جو موجود ہے۔ پھر یہ کام کیوں کر رہے ہیں؟ آپ اس تھیلے کا منہ یوں بند کیوں رکھتے ہیں؟

آپ نے فرمایا:

وَاللّٰہِ مَا اَختِمُ عَلَیہِ بُخلاً بِہِ

اللہ کی قسم میں نے کنجوسی کی وجہ سے اس تھیلے کا منہ بند نہیں کیا کہ
مجھے یہ گوارا نہ ہو کہ کوئی اس بغیر چھنے ہوئے ستو کو کھا لے۔

وَلٰکِنِّی اَبتَاعُ قَدرَ مَا یَکفِینِی

بلکہ میں اپنی ضرورت کے مطابق یہ ستو (جو سب سے سستا اور
بغیر چھنا ہوا ہے) خریدتا ہوں۔

فَاَخَافُ اَن یَنقُصَ فیُوضعُ فِیہِ مِن غَیرِہ

مجھے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں کوئی اس تھیلے کا منہ کھول کر
میرے خریدے ہوئے ستو کی بجائے کوئی اور چیز اس میں نہ
ڈال دے۔

وَ اَنَا اَکرَہُ اَن اُدخِلَ بَطنِی اِلَّا طَیِّباً

مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اپنے پیٹ میں ایسی غذا داخل کروں جو
پاکیزہ نہ ہو۔

یعنی میں پاکیزہ غذا کھانے کا خواہاں ہوں جو میرے اپنے پیسے سے اور اپنے مال سے خریدی گئی ہو اور کسی دوسرے کا مال اس میں مخلوط نہ ہو۔

امیر المومنین علیہ السلام اپنے طرزِ عمل سے اس گورنر کو درس دینا چاہتے ہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام گورنر کو اس خاص جگہ بلاتے ہیں تاکہ اسے یہ منظر دکھا سکیں اور اس سے یہ باتیں کر سکیں وگرنہ آپ مسجد میں گورنر کو نصیحت کر سکتے تھے اور اسے جانے کا حکم دے سکتے تھے لیکن آپ علیہ السلام اسے یہاں لے آتے ہیں تاکہ اسے سمجھائیں کہ تم ایک شہر کا حاکم بن کر جا رہے ہو۔ وہاں کے لوگوں نیز ان کے ٹیکسوں، پیسوں، اموال اور ان کی عزت و آبرو پر تمہارا تسلط ہوگا۔ لہٰذا محتاط رہو کہ یہ اقتدار و اختیار لامحدود نہیں ہے یعنی تم ایک مطلق العنان اور بے لگام حاکم نہیں ہو لہٰذا تمہیں پھونک پھونک کر چلنا ہوگا اور اپنے کاموں کا خوب خیال رکھنا ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا:

فَاِیَّاکَ وَ تَنَاوُلَ مَالَم تَعلَم حِلَّہ

کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں جس چیز کے حلال ہونے کا علم نہ ہو
اسے کھا پی لو یا لے لو۔

''تناول'' سے مراد صرف کھانا پینا نہیں۔ مراد یہ ہے اسے مت لو جب تک تمہیں اس کی حلیت کا یقین نہ ہو۔[1] (۷۱)

نہ سونا چھوڑ گئے نہ چاندی

امام حسن علیہ السلام نے امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے دن ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا:

وَاللّٰهِ مَا تَرَكَ بَيضاءَ وَ لَاحمراءَ اِلّا سبعمِاَةَ دِرهَم
اللہ کی قسم علی ابن ابی طالب نہ چاندی چھوڑ گئے نہ سونا سوائے
سات سو درہم کے۔[2]

سات سو درہم معمولی رقم ہے۔ یہ سات سو درہم بھی آپ علیہ السلام نے بچت یا زر اندوزی کی خاطر جمع نہیں کیے تھے کیونکہ آپ علیہ السلام نے اس رقم کو اپنے ''روز مبادا'' کے لیے نہیں بچایا تھا بلکہ آپ علیہ السلام کو بعض مصارف میں اس کی ضرورت تھی جبکہ آپ علیہ السلام کی آمدنی ضرورت سے کم تھی اور آپ علیہ السلام مالی تکلیف اٹھا کر بیت المال سے اپنی آمدنی کا کچھ حصہ بچانے پر مجبور تھے تاکہ اپنی ضروریات زندگی پوری کر سکیں۔ جی ہاں! مال دنیا ایک دھوکہ ہے اور مال اندوزی ایک وسوسہ۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے وجود سے اس بری خصلت کی جڑوں کو اکھاڑ دیا تھا۔

وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفسِهِ فَاُولٰئِكَ هُمُ المُفلِحُونَ[3]

---

[1] کشف الغمۃ ج ۱، ص ۱۷۵، کشف الیقین ص ۸۸، بحار الانوار ج ۴۰، ص ۳۳۵۔

[2] اصول کافی ج ۱، ص ۴۵۷، امالی صدوق ص ۳۱۹، خصائص الائمۃ ص ۸۰، العمدۃ ص ۱۳۹، کشف الغمۃ ج ۱، ص ۵۴۷، بحار الانوار ج ۴۲، ص ۲۰۱۔

[3] جو لوگ اپنے نفس کی کنجوسی اور لالچ سے مصون و محفوظ ہوں وہی فلاح پانے والے ہیں۔ (سورہ تغابن/۱۶)

اسی لیے امیر المومنین علیہ السلام کوئی دنیوی مال بطور میراث نہیں چھوڑ گئے۔ علی کا راستہ دنیا سے بے رغبتی نیز مادیت کی رنگینیوں اور جلوہ افروزیوں سے بے اعتنائی سے عبارت ہے۔ یہ وہ نصیحت ہے جس سے امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے عمل اور کردار کے ذریعے ہمیں نوازا ہے۔ (۷۲)

■ رسولؐ کے آگے سرِتسلیم خم

پیکرِ اطاعت

علی علیہ السلام کی ایک اور بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے مکمل طور پر سرِتسلیم خم تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؑ کو مکہ میں رہنے کا حکم دیتے ہیں تو آپ ایسا ہی کرتے ہیں۔[1] جنگ تبوک کے وقت آپ کو مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم ہوتا ہے تو آپ ٹھہر جاتے ہیں۔[2] اسی طرح جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں کہ آپ پنی جان ہتھیلی پر رکھ کر عمرو بن عبدود کے ساتھ جنگ کریں تو آپ علیہ السلام اس خطرے کو گلے لگا لیتے ہیں۔ لَا یَسبِقُونَہ بِالقَولِ وَھُم بِاَمرِہِ یَعمَلُون۔ خدا، پیغمبر اور اسلام کے معاملے میں علی کی اس سیرت یعنی مکمل تسلیم اور قائد کی مکمل اطاعت کی سیرت سے سبق لینا چاہیے۔

فَلا وَ رَبِّكَ لَا یُومِنُونَ حَتیٰ یُحَکِّمُوكَ فِیما شَجَرَ بَینَھُم ثُمَ لَا یَجِدُوا فِی اَنفُسِھِم حَرَجاً مِن ما قَضَیتَ وَیُسَلِّمُوا تَسلِیماً[3] یہ ایمان کی شرط

---

[1] شب ہجرت بستر رسول پر علی علیہ السلام کے سونے کی طرف اشارہ ہے۔ دیکھیے ضمیمہ نمبر ۵۔

[2] جنگ تبوک اور اس جنگ میں امیرالمومنینؑ کی عدم شرکت کے اسباب کے بارے میں دیکھیے ضمیمہ نمبر ۱۳۔

[3] تیرے رب کی قسم! وہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک وہ اپنے اختلافات کے فیصلے کے لیے آپ کی ⇐

ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے، ہر قسم کے باہمی اختلافات کو اس طرح سے پیش کیا جائے کہ جب آپ کوئی فیصلہ نفی یا اثبات میں کریں تو اسے بسر وچشم فوراً قبول کیا جائے نیز نہ صرف عمل کے نقطۂ نظر سے بلکہ دل وجان سے اطاعت کی جائے۔

جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ علیہ السلام سے کہتے ہیں کہ فلاں عمل انجام دو تو آپ انجام دیتے ہیں۔ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ علیہ السلام کو حکم دیتے ہیں کہ اس طریقے سے میدان جنگ میں جاؤ تو ذرہ برابر تردد کے بغیر وارد عمل ہوتے ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر صلح کرتے ہیں تو علی علیہ السلام اس صلح کو دل سے تسلیم کرتے ہیں اور جب بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ کرتے ہیں تو علی علیہ السلام اس جنگ کو قبول کرتے ہیں۔[1] (۷۳)

رسولؐ کا بازوئے شمشیر زن

امام حسن علیہ السلام امیر المومنین علیہ السلام کی توصیف یوں فرماتے ہیں:

وَلَقَد كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ يُعطِيهِ الرَّايَةَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امیر المومنین علیہ السلام کو پرچم عطا کیا کرتے تھے۔[2]

میری نظر میں یہ ایک اشارتی تعبیر ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت سے لوگوں کو

← طرف رجوع نہ کریں اور جب آپ فیصلہ کرلیں تو اسے بغیر کسی رنجیدگی کے مکمل طور سے تسلیم نہ کرلیں۔ سورہ نساء/۶۵۔

[1] نہج البلاغہ میں امام علیہ السلام کا کلام کچھ یوں نقل ہوا ہے: وَلَقَدْ عَلِمَ الْمُسْتَحْفِظُونَ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ أَنِّی لَمْ أَرُدَّ عَلَى اللّٰهِ وَلَا عَلَى رَسُولِهِ سَاعَةً قَطُّ وَلَقَدْ وَاسَيْتُهُ بِنَفْسِی فِی الْمَوَاطِنِ الَّتِی تَنْكُصُ فِيهَا الْأَبْطَالُ وَتَتَأَخَّرُ فِيهَا الْأَقْدَامُ نَجْدَةً أَكْرَمَنِیَ اللّٰهُ بِهَا ((رسول کے وہ اصحاب جو دین کے محافظ اور آپ کے راز دار ہیں یہ جانتے ہیں کہ میں نے گھڑی بھر کے لیے بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہیں کی۔ میں نے ان مواقع پر اپنی جان پر کھیل کر آنحضرت کی مدد کی جہاں بڑے بڑے پہلوانوں اور بہادروں کے قدم لڑکھڑا جاتے اور پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ یہ شجاعت میرے اوپر اللہ کا کرم ہے۔)) (نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۹۷، صفحہ ۳۱۱)

[2] الکافی ج ۱، ص ۴۵۷، امالی صدوق ص ۳۱۹، بشارۃ المصطفی ص ۲۳۷، خصائص الائمہ ص ۸۰، العمدۃ ص ۱۳۹، کشف الغمہ ج ۱، ص ۵۴۷، بحار الانوار ۴۲، ص ۲۰۱۔

پرچم عطا فرماتے تھے اور بہت سوں کو میدان جنگ میں بھیجتے تھے۔ بہت سے لوگ میدان جنگ سے فتح حاصل کیے بغیر واپس نہیں لوٹتے تھے۔ لیکن میرے خیال میں یہاں امام حسن علیہ السلام کچھ اور فرما رہے ہیں۔ امام حسن علیہ السلام یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بازوئے شمشیر زن اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے مکمل طور پر سر تسلیم خم تھے۔

کسی شخص کا بازو اس صورت میں اس کا بازو ہے جب وہ اس کا تابع فرمان رہے اور اس کے دماغ کے حکم کو مانتا رہے۔ علی علیہ السلام حقیقی معنوں میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بازو تھے۔ یہاں حملہ کر دو، وہاں نوازش کرو، فلاں سے دوستی کرو، فلاں سے دشمنی برتو اور فلاں کے لیے قہر الٰہی بن جاؤ۔ علی اس قسم کے تمام فرامین کے آگے مجسمۂ اطاعت و تسلیم تھے۔[1] (۷۴)

---

[1] امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان ہے۔ وَلَقَدْ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ نَقْتُلُ آبائَنا وَأَبنائَنا وَإِخوانَنا وَأَعمامَنا مَا يَزِيدُنا ذالِكَ إِلَّا إِيمَاناً وَتَسلِيماً وَمُضِيّاً عَلَى اللَّقَمِ وَصَبراً عَلىٰ مَضَضِ الأَلَمِ وَجِدّاً فِي جِهادِ العَدُوِّ وَلَقَد كَانَ الرَجلُ مِنَّا وَالآخَرُ مِن عَدُوِّنا يَتَصاوَلانِ تَصاوُلَ الفَحلَينِ، يَتَخالَسانِ أَنفُسَهُما أَيُّهُمَا يَسقِي صاحِبَهُ كَأسَ المَنُونِ فَمَرَّةً لَنا مِن عَدُوِّنا وَمَرَّةً لِعَدُوِّنا مِنَّا فَلَمَّا رَأَى اللّٰهُ صِدقَنا أَنزَلَ بِعَدُوِّنا الكَبتَ وَأَنزَلَ عَلَينا النَّصرَ حَتّىٰ استَقَرَّ الإِسلامُ مُلقِياً جِرانَهُ وَمُتَبَوِّئاً أَوطانَهُ

((ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکاب میں کمال اخلاص کے ساتھ جنگ کرتے تھے اور حق کی پیشرفت کی راہ میں کسی چیز کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم اپنے آباء، اپنی اولاد، اپنے بھائیوں اور اپنے چچاؤں کے ساتھ جنگ کرتے اور انہیں قتل کرتے تھے۔ اس جنگ سے ہمارے جذبۂ ایمان و تسلیم میں اضافہ ہوتا تھا اور ہم حق و صبر کی راہ مستقیم کی سختیوں کو مزید صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرتے تھے اور دشمنوں کے ساتھ جہاد پیہم میں زیادہ ثابت قدم ہوتے تھے۔ گاہے ہمارا ایک فرد اور ہمارے دشمنوں کا ایک فرد دو پہلوانوں کی طرح گتھم گتھا ہوتے تھے اور ایک دوسرے کو ٹھکانے لگانے کی کوشش کرتے تھے۔ گاہے ہم دشمن پر اور گاہے دشمن ہمارے اوپر غالب آتے تھے۔ پس جب اللہ نے ہمارے صبر کو دیکھا تو اس نے ہمارے دشمن کو ذلیل کر دیا اور ہمیں فتح و کامرانی سے نوازا یہاں تک کہ اسلام کا دائرہ پھیل گیا اور ایک وسیع سرزمین اسلام کے زیر نگین آ گیا۔)) (نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۵۶، ص ۹۱)

■ امیر المومنینؑ اور مشکل ترین راہوں کا انتخاب

امیر المومنینؑ: تمام میدانوں میں پیش قدم

امیر المومنین علیہ السلام کو بعثت نبوی کے بعد اپنی تریسٹھ سالہ زندگی میں ایک لمحے کے لیے بھی آرام وسکون نصیب نہ ہوا۔[1] جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی کا اعلان کیا تو اس نوجوان نے سب سے پہلے لبیک کہا۔ دعوتِ اسلام کے آغاز میں ہی امیر المومنین علی علیہ السلام نے ایک بہادر سپاہی، ایک کامل انسان اور احساس ذمہ داری سے لبریز انسان کی حیثیت سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر اسلامی ذمہ داریوں کو قبول کیا اور اپنی جدوجہد کا آغاز فرمایا۔ آپ علیہ السلام کا ایمان عمل کے ساتھ توام تھا۔

---

[1] امام باقر علیہ السلام نقل کرتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: مَا رَأَیْتُ مُنْذُ بَعَثَ اللّٰهُ مُحَمَّداً ﷺ رَخاءً. لَقَدْ أَخَافَتْنِي قُرَيْشٌ صَغِيراً وَأَنْصَبَتْنِي كَبِيراً حَتّٰى قَبَضَ اللّٰهُ رَسُولَهُ فَكَانَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرٰى ((جب سے اللہ نے محمد کو مبعوث فرمایا تب سے (دشمنان دین کی کارستانیوں کے باعث) مجھے کوئی آسودگی نصیب نہیں ہوئی ہے۔ بہ تحقیق قریش والوں نے بچپن میں مجھے ڈرایا اور جب میں بڑا ہوا تو انہوں نے مجھ سے عداوت برتی یہاں تک کہ اللہ نے اپنے رسول کی روح قبض کر لی۔ آپ کی رحلت ایک قیامت کبریٰ تھی۔)) (دیکھیے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ ج۴، ص۱۰۸، بحار الانوار ج۲۹، ۶۲۵)

تیرہ سالہ مکی زندگی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار اور دشمنوں کی طرف سے طرح طرح کی تکالیف، اذیتیں اور مشکلات سہتے رہے۔ اس پورے عرصے میں امیر المومنین علیہ السلام نے ایک فدا کار سپاہی کا کردار ادا کیا۔[1] آپ علیہ السلام ایک لمحے کے لیے بھی فارغ البال نہیں رہے۔ جب نو مسلموں کو اسلام کی طرف راغب کرنے اور انہیں قرآن سکھانے کی ضرورت پیش آئی، جب سر پھرے اور ظالم دشمنوں کو ڈرانے اور ان کی حرکات کے مقابلے میں شجاعت و شہامت کے ساتھ ڈٹنے کی ضرورت پڑی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دینے کی حاجت پیش آئی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہنے اور آپ کی مدد کرنے کی ضرورت ہوئی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان جنگ میں تنہا نہ رہیں،[2] جب شعب ابی طالب میں پناہ لینے والے تہی دست اور بھوکے مہاجرین کو حوصلہ دینے اور ان کی آؤ بھگت کرنے کی ضرورت ہوئی،[3] جب اس بات کی ضروت پڑی کہ اسلام کو پہچاننے والے بچوں، عورتوں، کالے غلاموں اور درماندہ لوگوں کی دستگیری کی جائے اور انہیں اسی دائرے میں محفوظ رکھا جائے نیز دوسروں کی تشویق و ترغیب کا سامان کیا جائے اور سب

---

[1] علی علیہ السلام نے فرمایا: وَایْمُ اللّٰہِ لَقَدْ کُنْتُ مِنْ سَاقَتِھَا حَتّیٰ تَوَلَّتْ بِحَذَافِیرِھَا وَاسْتَوْسَقَتْ فِی قِیَادِھَا مَا ضَعُفْتُ وَلَا جَبُنْتُ وَلَا خُنْتُ وَلَا وَھَنْتُ ((اللہ کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کے پیچھے موجود تھا اور انہیں پیشروی کی ترغیب دیتا تھا یہاں تک کہ باطل مکمل طور پر پسپا ہو گیا اور سب آنحضرت کی قیادت کے پرچم تلے آ گئے۔ میں نے اس راہ میں ہرگز کمزوری، بزدلی، خیانت اور سستی کا مظاہرہ نہیں کیا۔)) (نہج البلاغہ، صبحی صالح خطبہ ۱۰۴، ص ۵۰)

[2] شیخ مفید الارشاد میں نقل کرتے ہیں کہ جب لوگ جنگ احد میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو آنحضرت نے علی علیہ السلام سے فرمایا: آپ دوسروں کے ساتھ کیوں نہیں بھاگے؟ عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو چھوڑ کر کیسے جا سکتا تھا؟ اللہ کی قسم میں ڈٹا رہوں گا یہاں تک کہ میں قتل ہو جاؤں یا وہ وعدہ پورا ہو جائے جو اللہ نے آپ کے ساتھ کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علی! آپ کو بشارت ہو کہ اللہ اپنا وعدہ پورا کرنے والا ہے اور دشمن اس جنگ کے بعد ہمارے اوپر کوئی فتح یا غلبہ حاصل نہ کر سکیں گے۔ (الارشاد ج ۱، ص ۸۹، کشف الغمۃ ج ۱، ص ۱۹۵، بحار الانوار ج ۲۰، ص ۸۷)

[3] شعب ابی طالب اور اس میں امیر المومنین علیہ السلام کے کردار کے بارے میں دیکھئے ضمیمہ نمبر ۱۴۔

سے بڑھ کر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان بچانے کے لیے آپ کے بستر میں سونے کی ضرورت ہوئی تو ان تمام مواقع پر امیر المومنین علیہ السلام سب سے آگے تھے جو بہت اہم کارنامہ ہے۔ بہت سے لوگ کام انجام دیتے ہیں لیکن وقت گزرنے کے بعد۔ اس کام کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ بہت سے لوگ کام کرتے ہیں، بلانے پر لبیک کہتے ہیں لیکن دیر سے، جو اگرچہ قابل قدر ہے لیکن اس قدر نہیں جو لوگوں کو حیرت زدہ کردے۔ اس کے برعکس کچھ لوگ ہمیشہ دوسروں سے آگے ہوتے ہیں، پیش قدم، پیش گام اور ہراول دستہ بنتے ہیں اور "اَلسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ"[1] کے مصداق ہوتے ہیں جس کی قرآن نے زبردست تمجید کی ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام کا تعلق اسی گروہ سے یعنی سب سے آگے رہنے والوں سے ہے۔ آپ سب سے پہلے لبیک کہنے والوں میں شامل تھے۔[2] (۷۵)

---

[1] سورہ واقعہ، آیت ۱۰ تا ۱۱۔ سبقت کرنے والے مقدم ہیں۔ یہی لوگ مقرب ہیں۔

[2] امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے فرمودات میں اس بات کا بار بار ذکر کیا ہے کہ آپ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے تھے اور آپ نے رسول کی دعوت پر لبیک کہا تھا چنانچہ فرمایا: فَدَعا صَغیرَ بَنی عبدِ المُطلب وَ کبیرَهم اِلیٰ شَهادةِ اَن لا اله الا اللّٰه واَنه رسولُ الله فامتنعُوا مِن ذالكَ و انكرُوا علیه وهَجرُوهُ ونابذُوهُ وَاعتزلُوهُ وَاجتنبُوه وَسائرُ الناسِ مُقَصّینَ لهُ و مُخالفِینَ علیه قد استَعظمُوا ما اَوردَهُ عَلیهِم مِمالَم تَحتَمِلهُ قُلوبهُم وتُدرِکهُ عقُولُهم فاَجبتُ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَحْدی اِلیٰ ما دَعیٰ اِلیهِ مُسرِعاً مُطیعاً مُوقِناً لَم یَتَخالَجنی فی ذالكَ شكٌ ،فمَكثنا بذالكَ ثلاثَ حِجَجٍ وما عَلیٰ وَجهِ الاَرضِ خَلقٌ یُصَلّی اَو یَشهَدُ لِرَسُولِ اللّٰه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِما آتیهُ اللّٰهُ غیرِی و غیرِ اِبنَةِ خُوَیلد رَحِمَها اللهُ وَقَد فعل

((رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی عبدالمطلب کے تمام چھوٹے بڑے لوگوں کو توحید اور اپنی نبوت قبول کرنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے روگردانی کی اور آپ سے دوری اختیار کی۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ آپ کے مقابلے پر اتر آئے۔ انہوں نے آپ کا بائیکاٹ کیا، آپ سے کنارہ کشی کی اور روابط توڑ لیے۔ جب آل عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ برتاؤ کیا تو دوسرے لوگوں نے بھی آپ کی مخالفت کی۔ وہ آپ کی دعوت کو برداشت نہیں کرسکتے تھے اور آپ کی دعوت کی حقیقت کو جاننے کے لئے اپنی عقل سے کام نہیں لیتے تھے چنانچہ اس دعوت کو قبول کرنا ان کے لئے سنگین ہوا اور انہوں نے روگردانی اختیار کی لیکن ان حالات میں میں نے جذبہ اطاعت و یقین سے سرشار ہو کر اور شکوک وشبہات سے بالاتر رہتے ہوئے اکیلے ہی اور جلدی سے آنحضرت کی دعوت پر لبیک کہا۔ یوں ہم نے تین سال گزارے جب کہ روئے زمین پر میرے اور خدیجہ بنت خویلد رحمہا اللہ کے علاوہ کوئی نمازی اور آنحضرت پر ایمان رکھنے والا موجود نہ تھا۔)) (خصال صدوق ج ۲، ص ۳۶۶، اختصاص مفید ص ۱۶۵۔)

خطرناک ترین مہمات کا خوگر

سخت ترین مہمات ہمیشہ امیر المومنین علیہ السلام کے ذمے ہوتے تھے۔ آپ سب سے خطرناک کاموں کی ذمہ داری قبول کرتے تھے۔[1] جہاں دوسرے لوگ پیچھے ہٹتے وہاں آپ آگے بڑھتے تھے۔ جہاں نام ونمود اور خورد ونوش (جن کے طلبگاروں کی کمی نہیں ہوتی) کا معاملہ ہوتا وہاں امیر المومنین علیہ السلام آگے نہیں بڑھتے تھے لیکن جہاں خطرہ موجود ہوتا تھا اور جہاں بڑے بڑے پہلوانوں اور سورماؤں کے چھکے چھوٹ جاتے تھے کَاَنَّ عَلٰی رُؤُوسِهِمُ الطَّیْرُ اور سب اپنی نظریں جھکا لیتے تھے تاکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کی نظریں چار نہ ہوں (اور رسول یہ نہ کہیں: اے فلاں! کیا تم تیار ہو؟) وہاں امیر المومنین علیہ السلام آگے بڑھ کر سنگین ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا لیتے تھے۔[2] (۷۶)

سخت ترین مہمات کا انتخاب

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

وما عرض له امران قط هما لله رضى الا اخذ بأشدهما عليه في دينه

یعنی جب بھی امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے دو کام یا دو راستے آتے جن میں سے ہر ایک اللہ کے ہاں پسندیدہ ہو (ایسا نہیں کہ ایک حلال ہو اور ایک حرام بلکہ دونوں حلال ہوں مثلاً دونوں عبادت ہوں) تو علی علیہ السلام اس کا انتخاب فرماتے تھے جو آپ کے لیے جسمانی طور پر زیادہ باعث مشقت ہو۔ اگر دو حلال کھانے سامنے آتے تو اس کا انتخاب کرتے تھے جو زیادہ سادہ ہو۔ اگر دو حلال لباس سامنے آتے تو بھی پست تر لباس کا

---

[1] خطبہ قاصعہ میں امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: اَنَا وَضَعْتُ فِی الصِّغَرِ بِكَلَاكِلِ الْعَرَبِ وَ كَسَرْتُ نَوَاجِمَ قُرُونِ رَبِيعَةَ وَ مُضَرَ ((میں نے کم سنی میں عرب کے نامور پہلوانوں کو پچھاڑ دیا نیز قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کی بلند شاخوں کو توڑ دیا۔)) (نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۱۹۲، ص ۲۹۹)

[2] غزوۂ خندق میں عمرو بن عبدود کے ساتھ امیر المومنین علیہ السلام کی جنگ کی طرف اشارہ ہے۔

انتخاب فرماتے تھے۔ اگر دو حلال کام سامنے آتے تو سخت تر کا انتخاب فرماتے تھے۔[1]

وَمَا نَزَلَتْ بِرَسُولِ اللّٰهِ نَازِلَةٌ قَطُّ اِلاَّ دَعَاهُ فَقَدَّمَهُ ثِقَةً بِهِ

یعنی جب بھی رسول ﷺ کے لیے کوئی سخت کام درپیش ہوتا تو آنحضرت علی علیہ السلام کو بلاتے تھے اور اس کام کے لیے آپ علیہ السلام کو ہی مقدم رکھتے تھے کیونکہ آنحضرت ﷺ کو علی علیہ السلام پر اعتماد اور بھروسہ تھا۔[2] آنحضرت ﷺ جانتے تھے کہ اولاً علی اپنی ذمہ داری خواب نبھاتے ہیں ثانیاً سخت کاموں سے نہیں کتراتے، ثالثاً راہِ خدا میں مجاہدت کے لیے تیار رہتے ہیں۔ بطور مثال ہجرت کی شب (جب آنحضرت ﷺ نے چھپ کر مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی) ایک شخص کی ضرورت تھی جو آنحضرت کے بستر پر سوئے چنانچہ آنحضرت نے علی علیہ السلام کا انتخاب کیا۔ حضور ﷺ جنگوں میں امیر المومنین علیہ السلام کو آگے بھیجتے تھے۔ تمام اہم کاموں میں (بنیادی اہمیت کے حامل امور میں) علی علیہ السلام کو آگے رکھتے تھے۔ ''ثِقَةً بِهِ'' چونکہ آنحضرت ﷺ کو علی علیہ السلام پر بھروسہ تھا اور یقین تھا کہ علی علیہ السلام بھاگنے والا اور لرزنے یا کانپنے والا نہیں بلکہ ڈٹ کر عمل کرنے والا ہے۔[2]

---

[1] عثمان بن حنیف کے نام امیر المومنین علیہ السلام کے مکتوب سے سخت ترین مہمات کے انتخاب کے بارے میں اقتباس ضمیمہ نمبر ۱۵ میں ملاحظہ ہو۔

[2] امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: وَقَدْ عَلِمُوْا يَقِيْناً اَنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِيهِمْ اَحَدٌ يَقُوْمُ مَقَامِي وَلَا يُبَارِزُ الْاَبْطَالَ وَيَفْتَحُ الْحُصُوْنَ غَيْرِيْ۔ وَلَا نَزَلَتْ بالنبی ﷺ شَدِيْدَةٌ قَطُّ وَلَا كَرْبُهُ اَمْرٍ وَلَاضِيْقٌ وَلَا مُسْتَصْعَبٌ مِّنَ الْاَمْرِ اِلَّا قَالَ: اَيْنَ اَخِي عَلِيٌّ؟ اَيْنَ سَيْفِيْ؟ اَيْنَ رُمْحِي؟ اَيْنَ الْمُفَرِّجُ غَمِّي عَنْ وَجْهِيْ؟ فَيَقْدُمُنِيْ فَاَتَقَدَّمُ فَاَفْدِيْهِ بِنَفْسِيْ وَيَكْشِفُ اللّٰهُ بِيَدَيَّ الْكَرْبَ عَنْ وَجْهِهِ وَلِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلِرَسُوْلِهِ بِذَالِكَ الْمَنُّ وَالطَّوْلُ حَيْثُ خَصَّنِيْ بِذَالِكَ وَوَفَّقَنِيْ لَهُ (بے شک یہ لوگ جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ ان میں میری برابری کرنے والا کوئی موجود نہیں ہے۔ ان میں سے کسی نے میری طرح پہلوانوں کا مقابلہ نہیں کیا اور قلعے فتح نہیں کیے۔ جب بھی رسول اللہ ﷺ کو کسی مشکل امر یا تکلیف دہ مسئلے یا تنگی اور سختی کا سامنا ہوتا تو آپ فرماتے تھے: ''میرا بھائی علی کہاں ہے؟ میری تلوار کہاں ہے؟ میرا نیزہ کہاں ہے؟ میرے چہرے کا غم مٹانے والا کہاں ہے؟'' پس آپ مجھے آگے رکھتے تھے اور میں آگے بڑھ کر آپ پر اپنی جان نچھاور کرتا تھا۔ اللہ میرے ہاتھوں ⇐

اس کے بعد فرمایا:

وَمَا اَطَاقَ اَحَدٌ عَمَلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مِن هٰذِهِ الْاُمَّةِ غَيْرُهُ

علی علیہ السلام کے علاوہ اس امت کا کوئی فرد رسول کی طرح عمل کرنے کی تاب نہیں لا سکا۔

علی علیہ السلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ہر جگہ جاتے تھے۔ کسی اور شخص میں سو فیصد رسول کے نقش قدم پر چلنے کی سکت نہ تھی۔[1] (۷۷)

جنگ احد میں زخموں سے چور

انس بن مالک سے منقول ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام اس حالت میں اگلے مورچوں سے پیچھے لائے گئے کہ آپ ساٹھ سے زیادہ زخموں سے چور تھے۔ (بظاہر یہ جنگ احد کی بات ہے۔ کسی جنگ میں ساٹھ سے زیادہ زخم اٹھانا معمولی بات نہیں ہے۔) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام سلیم اور ام عطیہ کو جو معالج یا تیماردار تھیں حکم دیا کہ وہ علی علیہ السلام کی خبر لیں اور آپ کا علاج کریں۔ انہوں نے کہا: ”اس جسم کی حالت جو ہم دیکھ رہی ہیں بہت خطرناک ہے“ یعنی شاید علاج ممکن نہ ہو۔ آپ کی عیادت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کی رفت و آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ راوی (انس بن مالک) کہتے ہیں: ”وھو قرحۃ واحدۃ“ یعنی امیر المومنین علیہ السلام کا پورا وجود گویا ایک ہی زخم سے عبارت تھا۔ پورا جسم زخموں سے چور تھا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دست مبارک سے زخموں کو چھوتے جاتے تھے اور آپ کے معجزے سے زخم یکے بعد دیگرے ٹھیک ہوتے جاتے تھے۔ یہ عام حالت میں ممکن نہ تھا۔ دیکھئے کہ امیر المومنین علیہ السلام کی حالت کتنی خراب تھی؟ میری توجہ اسی نکتے پر مرکوز ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام

☜ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پریشانی دور فرماتا تھا۔ یہ سب میرے اوپر اللہ عزوجل اور اس کے رسول کا احسان ہے کہ اس نے مجھے خصوصی طور سے یہ توفیق عنایت کی۔)) بھج الصباغۃ ج ۲، ص ۳۸۷

[1] دیکھیے شیخ مفید کی الارشاد، ج ۲، ص ۱۴۱، کشف الغمۃ ج ۲، ص ۸۵، بحار الانوار ج ۴۱، ص ۱۱۰، وسائل الشیعہ ج ۱، ص ۹۱۔

محاذ جنگ پر بے مثال جان نثاری کا مظاہرہ کرتے ہیں، اپنی تلوار کے ذریعے متعدد بار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کو خطرات سے نجات دیتے ہیں، بھاگنے والے اسلامی لشکر کو اپنی استقامت کے ذریعے واپس لوٹاتے ہیں (یعنی تن تنہا ایک ہزار یا کئی ہزار افراد کا کام انجام دیتے ہیں) اور اس قدر زخم بھی اٹھاتے ہیں۔

مسلمان گروہ در گروہ آپؑ کی عیادت کے لیے آ جا رہے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور علی علیہ السلام کے ساتھ بے مثال اظہار مودت فرماتے ہیں۔ اس قسم کے مواقع پر ہم جیسے لوگ پھسل جاتے ہیں اور غرور کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن امیر المومنین علیہ السلام کو دیکھیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطف و کرم، مومنین کے اظہار محبت اور زخموں کے مندمل ہونے کے باوجود مغرور نہیں ہوتے بلکہ ایک اور انداز اختیار کرتے ہیں۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

الحمدُ للّٰهِ الذی جعلنی لَم اَفِرّ وَ لَم اُوَلّی الدُّبُرَ

آپ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا: ''میں ثابت قدم رہا'' بلکہ فرمایا:

میں خدا کا شکر کرتا ہوں کیونکہ اس نے مجھے میدان میں ثابت قدم رکھا اور بھاگنے سے بچایا۔ (حالانکہ اس قسم کے مواقع پر بہت سے لوگ بھٹک جاتے اور غرور کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔)

یہ وہ نمایاں طرز فکر ہے جسے مشعلِ راہ بنانے کی ضرورت ہے۔ اگر ہمارے اندر کوئی نمایاں خوبی موجود ہو تو ہمیں اپنی تعریف نہیں کرنی چاہیے۔ ہماری حیثیت ہی کیا ہے؟ ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

فَشَکَرَ اللّٰهُ تعالیٰ لَهٗ ذالکَ فِی مَوضعَین مِنَ القُرآن

یعنی اس روایت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دو مقامات پر امیر المومنین علیہ السلام کے اس عمل

کی قدردانی فرمائی۔ ان میں سے ایک یہ ہے:

''سَیَجزِی اللّٰہُ الشّاکِرِینَ''

اور دوسرا یہ ہے:

''وَ سَنَجزِی الشّاکِرِین''[1]

امیر المومنین علیہ السلام کا یہ عمل صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے تھا۔ (۷۸)

---

[1] بحار الانوار ج ۴۱، ص ۳، مناقب ابن شہر آشوب ج ۲، ص ۱۱۹۔

امیر المومنینؑ کا جہد مسلسل

زندگی بھر جدو جہد

(امیر المومنین علیہ السلام کی ایک نمایاں خصوصیت آپ کا جذبہ عمل ہے۔ اگر علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی پوری زندگی کا بغور مطالعہ اور تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ نے اپنی زندگی کا ایک دن بھی بیکار نہیں گزارا۔ مسلسل کام، دائمی جدو جہد نیز خدا اور اسلام کی خاطر خالص ترین عمل امیر المومنین علیہ السلام کی حیات طیبہ کی پہچان ہیں۔)

جب تک آپ مکہ میں رہے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخلص اور فداکار سپاہی بنے رہے۔ جب سب لوگ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کر رہے تھے اس وقت آپ نے رسولؐ کی تصدیق کی۔ جب سارے لوگوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا چھوڑا اس وقت آپ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن مضبوطی سے تھام لیا۔ جس وقت دوسروں میں رسول کا ساتھ دینے کی جرأت نہیں تھی اس وقت آپ نے کھلے عام ہر جگہ پیغمبر اور اسلام کے نام کا ڈنکا بجا دیا۔ جب سارے لوگوں کو اپنی جانوں کی فکر تھی اس وقت آپ کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کی فکر لاحق تھی۔ اسی لیے آپ بستر رسول پر سوئے۔ علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہی تھے جو تین سالوں تک شعب ابی طالب میں محصور مسلمانوں کے لیے ادھر ادھر سے روٹی اور کھجوریں جمع کرتے،

اسے آپ اپنے کندھے پر لادتے اور گھاٹی کے بل کھاتے راستوں سے گزرتے ہوئے اوپر پہنچانے میں مصروف رہے۔ یوں آپ بھوک سے نڈھال بچوں کی آہ وفغاں کی چارہ گری کرتے رہے۔[1] ہجرت رسول کے بعد خطرات کے باوجود آپ چند روز مکہ میں رہے۔ اس دوران آپ نے رسول ﷺ کے قرضے ادا کئے اور حضور کے پاس موجود امانتیں لوگوں کو لوٹا دیں اس کے بعد آپ رسول ﷺ کے گھرانے کے باقی ماندہ افراد کو لے کر مدینہ تشریف لے گئے۔[2]

کافروں کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی پہلی جنگ سے لے کر آنحضرت کے آخری معرکوں تک امیر المومنین علیہ السلام کی شمشیر ہمیشہ بے نیام رہی۔[3] آپ نے یہ نہیں فرمایا

---

[1] دیکھئے انساب الاشراف ج ۱، ص ۲۳۴ نیز البدایۃ والنہایۃ ج ۳، ص ۸۶۔

[2] بعثت نبوی سے قبل ہی آنحضرت کی امانتداری کا چرچا تھا یہاں تک کہ آپ ''امین'' کے نام سے معروف تھے۔ مکہ والے اور خانہ خدا کے زائرین اپنے اموال آپ کے پاس بطور امانت رکھتے تھے۔ اعلان نبوت کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ آپ کی نبوت کو نہ ماننے والے بھی آپ کی امانتداری کے پیش نظر اپنی قیمتی اشیاء آپ کے پاس امانت رکھتے تھے۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے مدینہ ہجرت کرتے وقت امیر المومنین علیہ السلام کو ان امانتوں کی واپسی کی ذمہ داری سونپی۔ علی علیہ السلام تین دنوں تک صبح وشام لوگوں سے کہتے رہے کہ وہ اپنی امانتیں واپس لیں۔ امیر المومنین کی دوسری ذمہ داری یہ تھی کہ رسول ﷺ کے گھرانے، بنی ہاشم اور ہجرت کے خواہاں مسلمانوں کو مدینہ پہنچائیں تاکہ یہ لوگ مشرکین کے شر سے محفوظ رہیں اور جلد سے جلد رسول ﷺ کے پاس پہنچ جائیں۔ امیر المومنین علیہ السلام نے یہ دونوں ذمہ داریاں احسن طریقے سے انجام دیں۔ تین دن بعد آپ اپنے اور رسول اللہ ﷺ کے گھرانے اور دیگر مسلمان مہاجرین کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مدینہ کے قریب قبا نامی محلے میں آپ کا قافلہ رسول اکرم ﷺ سے ملحق ہوا جہاں آنحضرتؐ آپ علیہ السلام کے منتظر تھے۔

[3] تاریخ اسلام کے مسلمات میں سے ایک مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی دس سالہ حکومت کے دوران امیر المومنین علیہ السلام کا عدیم المثال جہاد ہے۔ جنگ تبوک کے علاوہ تمام جنگوں میں امیر المومنین علیہ السلام نے موثر انداز میں شرکت فرمائی۔ ہر اس مہم کی قیادت علی ابن ابی طالب کے ذمے ہوتی تھی جس میں رسول کریم ﷺ بنفس نفیس موجود نہ ہوں۔ لیکن جس مہم میں رسول موجود ہوتے وہاں امیر المومنین علیہ السلام لشکر کے پرچمدار ہوتے تھے۔ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا نام نامی دشمنوں پر لرزہ طاری کرتا تھا اور مسلمانوں کے لیے اطمینان خاطر کا موجب تھا۔ بازوئے حیدری سخت اور دشوار بحرانوں کو برطرف کرتا تھا۔ آپ کی عالی ہمتی کی بدولت افتخار آمیز کارنامے صفحۂ تاریخ پر ثبت ہوتے تھے۔ علی علیہ السلام ←

علم اور دین کے بارے میں ان کی رہنمائی کرتے رہے۔[1]

جب یہ ضروری ہوا کہ آپ انسان سازی میں مشغول ہو جائیں تو آپ نے ایسا ہی کیا۔[2] یہ کہنا درست نہیں کہ علیؑ گوشہ نشین ہو گئے تھے کیونکہ آپ ایک دن کے لیے بھی معاشرتی کاموں سے دستبردار نہیں ہوئے۔ آپ ایک دن کے لیے بھی معاشرے اور امت مسلمہ سے نہیں روٹھے۔ اجتماعی کاموں سے لاتعلقی اختیار کرنا، زود رنج ہونا، نازک مزاج ہونا، معمولی حوادث سے رنجیدہ ہو کر شور و غل بپا کرنا علی ابن ابی طالبؑ کے شایان شان نہ تھے۔ آپ کا دامن ان باتوں سے پاک تھا۔

لَم یَسبِقهُ الاَوَّلُون بِعَمَلٍ وَلا یُدرِکُهُ الآخِرُون

کوئی شخص عمل، جدوجہد اور کوشش میں نہ علیؑ کے مرتبے کو پہنچ سکا ہے اور نہ قیامت تک پہنچے گا۔[3]

اے علیؑ کے شیعو! رسول کا عظیم شاگرد اور قرآن کا عظیم معلم علیؑ ہم سب کو عمل، کوشش، جدوجہد اور مجاہدت کی دعوت دیتا ہے اور وہ بھی صرف زبانی نہیں بلکہ زبان اور عمل دونوں سے۔[4] (۷۹)

---

[1] کتاب نقش نگار ص ۳۷ (علی کاراستہ، جلد اول ص ۵۳، ۵۴، ۵۵) میں امیر المومنینؑ کی طرف سے خلفاء کو دیے جانے والے مشوروں کے بارے میں دلچسپ اور مفید نکات درج ہیں۔

[2] خلفاء کے پچیس سالہ دور میں امیر المومنینؑ کا زیادہ وقت انسان سازی میں گزرا جس کے نتیجے میں مالک اشتر، حجر بن عدی، عمرو بن حمق، اصبغ بن نباتہ، رشید ہجری، حبیب بن مظاہر، کمیل بن زیاد، محمد بن ابی بکر، میثم تمار اور صعصعہ بن صوحان جیسی شخصیات منصۂ شہود پر آئیں جن میں سے ہر ایک نے تاریخ اسلام میں لازوال نقش ادا کیا۔

[3] یہ امام حسن مجتبیٰؑ کے اس خطبے کا ایک حصہ ہے جو آپ نے امیر المومنینؑ کی شہادت کی صبح ارشاد فرمایا تھا۔

[4] امیر المومنینؑ کا ایک نصیحت آمیز فرمان ہے: العملَ العملَ ثُمّ النّهایةَ النهایةَ، وَالاستقامةَ الاستقامةَ ثم الصبرَ الصبرَ وَ الورَعَ الورعَ، اِنَّ لکُم نِهایةً فَانتَهُوا الیٰ نهایتِکُم وَاِنَّ لکُم عَلَماً فاهتَدُوا بِعَلَمِکُم وَاِنَّ للاِسلامِ غایَةً فانتَهُوا اِلیٰ غایَتِهِ ((کام کرو، کام کرو پھر انجام پر نظر رکھو، انجام پر نظر رکھو اور ثابت قدمی دکھاؤ، ثابت قدمی دکھاؤ پھر صبر کرو، صبر کرو اور پرہیزگار بنو، پرہیزگار بنو۔ تم لوگوں کا انجام معین ہے سو اپنے انجام سے ملحق ہو جاؤ۔ بیشک تمہارے لیے ہدایت کا ایک پرچم رکھا گیا ہے سو اپنے پرچم کو پہچانو۔ اسلام کا ایک ہدف ⇐

کہ جب اسلام کمزور تھا تو میں نے تیرہ سالوں تک اسلام کا دفاع کیا اور اب نئے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ جنگ کریں۔

آپ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ اب تک تمام مشکلات کا بیڑا میں اٹھاتا رہا ہوں اور اب دوسرے لوگوں کی باری ہے۔ آپ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا: میری زحمتوں، کوششوں نیز میری جانگسل اور صبر آزما جدوجہد کا نتیجہ کیا ہوا؟ ان باتوں کی بجائے آپ نے ہمیشہ جدوجہد، کوشش اور عمل کا وطیرہ اپنائے رکھا۔ رحلت رسول کے بعد آپ اپنی ذمہ داریاں نہایت اخلاص کے ساتھ نبھاتے رہے۔ جس دن بنت رسول فاطمہ زہرا علیہا السلام کو لے کر مہاجرین وانصار کے دروازوں پر جانا ضروری ہوا، آپ گئے [1]

جب یہ ضروری ہوا کہ آپ مسجد نہ جائیں، تو نہیں گئے [2] لیکن جس دن جانا ضروری ٹھہرا تشریف لے گئے۔ جب خلفائے راشدین آپ سے مشورہ طلب کرتے تھے تو آپ کمال اخلاص کے ساتھ اپنا نقطہ نظر بیان فرماتے رہے نیز آپ صلح، جنگ، سیاست،

⇐ کی تلوار مسلمانوں کے لیے عزت وسربلندی کی موجب تھی۔ آپ علیہ السلام کی شجاعت واستقامت کے باعث دوسرے مسلمان بھی میدان جہاد میں ثابت قدم اور پیش پیش رہتے تھے۔

[1] امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: فلما قُبِض رسولُ الله مالَ الناسُ الی ابی بکر فبایَعوه وانا مشغولٌ برسول اللّٰهِ بغُسله ودَفنه ثم شُغِلتُ بالقرآن فآلیتُ یمیناً بالقرآن اَن لا اَرتَدِیَ الاّ للصّلاةِ حتیٰ اَجمعَهُ فِی کتابٍ ثُم حَملتُ فاطمةَ واَخذتُ بِیدِ الحسنِ و الحسینِ فلَم نَدَع احَداً مِن اَهلِ بَدرٍ وَاَهلِ السّابقةِ مِن المُهاجرین والاَنصار اِلاّ ناشَدتُهم اللّٰه وحقّی وَدَعوتُهم اِلیٰ نُصرتی فلَم یَستجب مِن جَمیعِ النّاسِ اِلاّ اربعةُ رَهطٍ ((جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت ہوئی تو لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کی۔ اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز وتکفین اور تدفین میں مشغول تھا۔ میری دوسری ذمہ داری قرآن کی جمع آوری تھی۔ میں نے قسم کھائی تھی کہ ہر کام سے پہلے اسے مکمل کروں گا۔ اس کے بعد میں نے حسن اور حسین کا ہاتھ پکڑا اور فاطمہ زہرا کے ساتھ اہل بدر اور ماضی میں اسلام کی خدمت کرنے والے مہاجرین وانصار کے دروازوں پر جاکر دستک دی اور انہیں اللہ کا واسطہ دیا کہ وہ میرے حق کو پامال ہونے نہ دیں۔ میں نے ان سے مدد طلب کی لیکن سوائے چار افراد کے کسی نے مثبت جواب نہ دیا۔)) (کتاب سلیم ابن قیس ص۲۶۳، بحار الانوار ج۲۹، ص۲۶۷)

[2] یعنی جب امیر المومنین علیہ السلام کو بیعت کے لیے مسجد بلایا گیا تو آپ وہاں نہیں گئے (شواهد التنزیل ج۱، ص۳۷، بحار الانوار ج۳۰، ص۲۹۳)

اخلاص سے لبریز جہاد

امیر المومنین علیہ السلام کی پوری زندگی مخلصانہ جہاد سے عبارت ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے بچپن میں اپنے ایمان کا اعلان کیا اور ۶۳ سال کی عمر میں شہادت پائی۔ اس پورے عرصے میں آپ کی زندگی کا ایک لحظہ بھی مخلصانہ جدوجہد سے خالی نہیں رہا۔ تاریخ اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی شخص کی زندگی اس قدر مسلسل اور بھرپور جدوجہد سے لبریز نظر نہیں آتی۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دس سالہ مدنی زندگی کے دوران امیر المومنین علیہ السلام نے دسیوں جنگوں میں شرکت کی۔ اس دوران کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے چند ماہ اپنے گھرانے کے ساتھ اپنے شہر میں آرام سے گزارے ہوں۔ اس پورے دور میں آپ نے ایک جفاکش اور سخت کوش سپاہی کی زندگی گزاری۔

رحلت رسول سے لے کر تخت خلافت پر جلوہ افروز ہونے تک کا پچیس سالہ دور امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کا ہنگامہ خیز دور تھا جس کا صحیح تجزیہ لوگوں کے سامنے پیش نہیں کیا گیا۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ کچھ حضرات اس دور کے حالات اور اس عرصے میں امیر المومنین علیہ السلام کے طرز عمل کا تجزیہ و تحلیل کریں اور اسے نئی نسل تک پہنچائیں۔

ابتدائے امر میں انکار بیعت کے باوجود خلفاء کے ساتھ علی علیہ السلام کا مثبت رویہ، تعمیری رابطہ اور کئی مواقع پر خلفاء کی مدد،[1] اس دوران آپ کا تنقیدی طرز عمل،[2] حقیقی اسلام کی حفاظت خاص کر عمیق اور بنیادی اسلامی تحریکوں میں آپ کا بنیادی کردار[3] اس پچیس سالہ دور میں آپ علیہ السلام کے پر خلوص جہاد کے مختلف جلوے ہیں۔ (۸۰)

ہے سوا اس ہدف تک پہنچ جاؤ۔)) (نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۱۷۶، ص ۲۵۲)

[1] دیکھئے حیاۃ امیر المومنین عن لسانہ جلد سوم، مولفہ حجۃ الاسلام محمد محمدیان، مطبوعہ انتشارات جامعہ مدرسین، قم ایران

[2] حضرت عثمان پر امیر المومنین علیہ السلام کی ایک تعمیری تنقید ضمیمہ نمبر ۱۶ میں ملاحظہ ہو۔

[3] احکام دین کی توضیح و تبیین، قرآن کی تفسیر، سنت نبوی کی تشریح اور لوگوں کے سوالات کا جواب دینا وغیرہ اس دور میں امیر المومنین علیہ السلام کی اہم سرگرمیوں کا حصہ ہیں۔

جنگوں سے بھرپور دور حکومت

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے پانچ سالہ دور حکومت کا اکثر وقت جنگ اور جہاد میں گزارا۔ آپ کی خلافت کے آغاز کے تھوڑے عرصے بعد جنگ جمل چھڑ گئی۔ اس وقت سے لے کر امام علیہ السلام کی شہادت تک آپ کی پوری زندگی جنگوں میں گزر گئی۔ شہادت سے پہلے آپ معاویہ کے ساتھ دوبارہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ تعجب کا مقام ہے کہ یہ پانچ سالہ مختصر دور جو جنگوں میں گزر گیا تاریخ بشر میں بے شمار ناقابل فراموش اور یادگار آثار چھوڑ گیا۔ آپ علیہ السلام کی حکومت تاریخ عالم میں مثالی اسلامی حکومت کا آئینہ بن گئی۔[1]

حکومت چلانا بجائے خود بے شمار مشکلات کا موجب ہوتا ہے۔ اب اگر حکومت چلانے کے ساتھ جنگ کا بھی سامنا رہے تو مشکلات میں کئی گنا اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن امیر المومنین علیہ السلام اس قدر سنگین حالات کے باوجود بے شمار ناقابل فراموش اور یادگار آثار چھوڑ جانے میں کامیاب ہوئے۔ آپ کے خطوط، حکمنامے، فرامین، خطبے اور تقریریں حکومتوں کے لیے بہترین درس عمل ہیں۔ (۸۱)

علیؑ کے عزم و جہاد سے حق زندہ ہو گیا

امیر المومنین علیہ السلام کا جہاد حق اور عدل پر مبنی نظام برپا کرنے کے لیے تھا۔ جس دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسالت کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھایا اس دن کی ابتدا سے ہی آپ کو ایک مجاہد، جنگجو، مومن اور فداکار مددگار ملا جو بھی نوجوان تھا۔ یہ نوجوان علی علیہ السلام تھے۔ اس وقت سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پر برکت زندگی کے آخری لمحوں تک امیر المومنین علیہ السلام ایک لمحے کے لیے بھی فارغ البال نہیں رہے بلکہ آپ اسلامی نظام کے قیام پھر اس کی حفاظت کی خاطر مسلسل جہاد کرتے رہے۔ آپ علیہ السلام مقابلہ کرتے رہے اور جان پر کھیل کر خطرات سے نبرد

---

[1] یہ نکتہ قابل ذکر ہے کہ امام علی علیہ السلام کے اکثر بیانات اور جملہ خطوط جو آج ہمارے درمیان موجود ہیں اسی پانچسالہ دور کے باقی ماندہ آثار ہیں۔ اگرچہ آپ علیہ السلام کے بہت سے آثار مختلف وجوہات کی بنا پر ختم ہو گئے ہیں اور ہم تک نہیں پہنچ سکے لیکن یہی مقدار جو اس وقت ہماری دسترس میں ہے حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے۔

آزما رہے۔آپ حق اور عدل کا نظام قائم کرنے کے لیے جہد مسلسل میں مگن رہے۔

جب دوسرے لوگ میدان جنگ میں ثابت قدم نہ رہ سکتے تو علی علیہ السلام ثابت قدمی کا ثبوت دیتے تھے۔ جب کوئی شخص میدان میں اترنے پر آمادہ نہ ہوتا تو علی علیہ السلام شوق سے میدان میں اترتے تھے۔ جب سختیاں اور مشکلات کوہِ گراں بن کر راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کے حوصلے پست کر دیتیں تو علی علیہ السلام کی بلند شخصیت ہی دوسروں کو حوصلہ دیتی تھی۔ علی علیہ السلام کی نظر میں زندگی کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں یعنی اپنی جسمانی و روحانی قوتوں اور قوتِ ارادی کو نیز اپنے پاس موجود ہر چیز کو پرچم حق کی سربلندی کے لیے استعمال کریں اور حق کو زندہ کریں۔ اسی لیے علی علیہ السلام کی قوتِ بازو، قوتِ ارادی اور مجاہدت کی بدولت حق زندہ ہو گیا۔

اگر آج دنیا میں حق کے مفہوم، عدل کے مفہوم اور انسانیت کے مفہوم کی کوئی قدر و قیمت ہے، اگر یہ مفاہیم زندہ ہیں نیز روز بروز مضبوط تر اور محکم تر ہوتے آئے ہیں تو یہ سب کچھ انہی قربانیوں اور مجاہدانہ کوششوں کی بدولت ہے۔ اگر علی ابن ابی طالب علیہ السلام جیسے افراد (جو تاریخ میں خال خال ہی نظر آتے ہیں) نہ ہوتے تو آج انسانی اقدار کا کوئی وجود نہ ہوتا اور انسانیت اپنے خوبصورت عناوین سے عاری ہوتی، تہذیب و تمدن، ثقافت اور اعلیٰ انسانی اہداف و مقاصد کا نام و نشان نہ ہوتا بلکہ انسانیت ایک وحشتناک درندگی اور خوفناک حیوانیت میں تبدیل ہو چکی ہوتی۔ آج بشریت اپنے اعلیٰ اقدار و اہداف کی حفاظت کے زاویے سے امیر المومنین علیہ السلام اور آپ جیسے عظیم انسانوں کے کردار کی مرہونِ منت ہے۔ یہ سب ان کی مجاہدانہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔ (۸۲)

■ امیر المومنینؑ: عدل کے پرچم دار

عدل: علی علیہ السلام کی شخصیت کا سب سے دلنشین پہلو

عدل وانصاف امیر المومنین علیہ السلام کی تابناک شخصیت کا ایک خوبصورت رخ ہے۔ آپ علیہ السلام کی زندگی میں عدل کا اثر اتنا گہرا ہے جس کی چھاپ آپ کی پوری حکومت پر نظر آتی ہے۔[1] (۸۳)

یقیناً اگر امیر المومنین علیہ السلام عدل سے روگردانی نیز اپنے ذاتی مفادات اور مقام و مرتبے کو عالم اسلام کے مفادات پر ترجیح دینے کے خواہاں ہوتے اور (نعوذ باللہ) سودا

---

[1] امیر المومنین علیہ السلام کا نعرہ یہ تھا: اَلذَّلِیلُ عِندِی عَزِیزٌ حَتّیٰ آخُذَ الْحَقَّ لَهُ وَالْقَوِیُّ عِندِی ضَعِیفٌ حَتّیٰ آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ ''وہ مظلوم افراد جو لوگوں کی نظروں میں پست ہیں میری نظر میں باعزت اور محترم ہیں یہاں تک کہ میں انہیں ان کا حق دلوا دوں۔ اسی طرح طاقتور ظالم میری نظر میں حقیر اور پست ہیں یہاں تک کہ میں ان کے ہاتھوں سے مظلوموں کا حق لے لوں'' (اور اسے مظلوموں کے حوالے کروں۔) (نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۳۷، ص ۸۱)
امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے طرزِ حکومت کا تعارف یوں پیش کیا: وَ اَیْمُ اللّٰهِ لَاُنْصِفَنَّ الْمَظْلُومَ مِنْ ظَالِمِهِ وَ لَاَقُودَنَّ الظَّالِمَ بِخِزَامَتِهِ حَتّٰی اُورِدَهُ مَنْهَلَ الْحَقِّ وَاِنْ کَانَ کَارِهاً ((اللہ کی قسم میں ظالم کے مقابلے میں مظلوم کو انصاف ضرور فراہم کروں گا۔ میں ظالم کی ناک میں نکیل ڈالوں گا اور اسے انصاف کی گھاٹ تک کھینچ کر لے جاؤں گا اگرچہ اسے یہ ناگوار گزرے۔)) (نہج البلاغہ کلام ۱۳۶، ص ۱۹۴)

بازی سے کام لیتے تو آپ علیہ السلام دنیوی نقطہ نظر سے کامیاب ترین اور مضبوط ترین خلیفہ ہوتے اور کوئی آپ کا مقابلہ نہ کرسکتا۔[1] (۸۴)

خلافت قبول کرنے کی وجہ: ظلم ستیزی

امیر المومنین علیہ السلام نے جن وجوہات کی بنا پر خلافت قبول فرمائی ان میں سے ایک خطبہ شقشقیہ کے آخر میں مذکور اس معروف جملے میں موجود ہے:

اما والذی فلق الحبة و برأ النسمة لولا حضور
الحاضر وقیام الحجة بوجود الناصر وما اخذ
اللّٰہ علی العلماء ان لا یقاروا علی کظة ظالم ولا
سغب مظلوم لالقیت حبلها علی غاربها
ولسقیت آخرها بکاس اولها[2]

گویا آپ یہ فرما رہے ہیں: چونکہ تم لوگوں کو اصرار ہے اور مددگاروں کی بھی بہتات ہے نیز مجھے معلوم ہے کہ خدا نے ارباب علم ودانش سے عہد لے رکھا ہے کہ وہ ظالموں کی شکمباری اور مظلوموں کی گرسنگی کو برداشت نہیں کریں گے اس لیے میں حکومت قبول کرتا ہوں۔

اس وقت امیر المومنین علیہ السلام اس حقیقت کا مشاہدہ کر رہے تھے کہ ایک ظالم طبقہ ظلم کی بدولت سیر ہے جبکہ مظلوم طبقہ مذکورہ ظالموں کے ظلم وجور کے باعث بھوک سہہ رہا ہے

---

[1] واضح ہے کہ اس صورت میں علی علیہ السلام کی درخشندہ شخصیت تاریخ کے عظیم حریت پسندوں اور مصلحین کے لیے نمونہ عمل نہ بنتی اور آپ علیہ السلام بھی دیگر خلفاء کی طرح تاریخ کی کتابوں کے کسی گوشے میں محبوس ہو کر رہ جاتے۔

[2] خطبہ شقشقیہ میں فرمایا: "آگاہ رہو قسم ہے اس کی جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور انسان کو خلق کیا کہ اگر لوگوں کا یہ (عظیم) اجتماع نہ ہوتا اور ان مددگاروں کی وجہ سے مجھ پر اتمام حجت نہ ہو جاتا نیز اگر اللہ نے علماء سے عہد نہ لیا ہوتا کہ وہ ظالموں کی شکمباری اور مظلوم کی گرسنگی پر آرام سے نہیں بیٹھیں گے تو میں خلافت کی لگام کو رہا کرتا اور اس سے آنکھیں موند لیتا اور اس کے آخر کو اس کے ابتدائی جام سے سیراب کرتا اور تمہیں معلوم ہوتا کہ تمہاری یہ دنیا میری نظر میں بکری کی ناک سے نکلنے والی گندگی سے بھی حقیر تر ہے۔" (نہج البلاغہ صبحی صالح، مطبوعہ دار الہجرۃ قم، خطبہ نمبر ۳، ص ۵۰)

جو نا قابل برداشت ہے۔ان حالات میں آپ نے احساس ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے حکومت قبول فرمائی۔ (۸۵)

شاعرنجاشی کے ساتھ امام کا سلوک

معاشرتی عدل سے مراد یہ ہے کہ معاشرتی قوانین، قواعد وضوابط اور پالیسیاں معاشرے کے ہر فرد کے لیے یکساں ہوں اور کسی شخص کو بلا وجہ کوئی امتیازی حیثیت حاصل نہ ہو۔معاشرتی عدل سے مراد یہی ہے۔امیر المومنین علیہ السلام نے اسی اصول پر عمل کیا۔آپ علیہ السلام کا عادلانہ طرزِ عمل دشمن تراشی کا موجب بن گیا۔نجاشی شاعر تھا۔اس نے امیر المومنین علیہ السلام کے حق میں اور آپ کے دشمنوں کے ہجو میں بہت سے اشعار کہے تھے۔وہ آپ علیہ السلام کا بڑا محب بھی تھا لیکن جب نجاشی نے ماہ رمضان میں حدود الٰہی کو پامال کیا تو امیر المومنین علیہ السلام نے اس پر شرعی حد جاری کی اور فرمایا: تو نے حدود الٰہی کو پامال کیا ہے۔نجاشی نے رمضان میں دن کے وقت کھل کر شراب نوشی کی تھی۔(شراب نوشی کے ساتھ رمضان کی حرمت بھی پامال کی تھی) کچھ لوگ سفارش کے لیے آئے اور بولے:

> مولا! اس نے آپ کی شان میں بہت سے اشعار کہے ہیں۔وہ آپ کا محبّ بھی ہے۔آپ کے دشمنوں نے اسے رام کرنے کی کافی کوششیں کیں لیکن وہ ان سے ملحق نہیں ہوا۔آپ کسی طرح اسے بچائیے۔

جواب میں آپ نے کچھ یوں فرمایا کہ ہاں، ٹھیک ہے، سر آنکھوں پر لیکن میں اللہ کا حکم ضرور نافذ کردوں گا۔

یوں آپ نے شرعی حد جاری کر دی۔نجاشی بھاگ کر معاویہ کے پاس چلا گیا[1] اسی لیے کہا گیا ہے۔ قُتل فی محراب عبادته لشدة عدله[2] بالفاظ دیگر امیر المومنین علیہ السلام

---

[1] ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۸۔

[2] عیسائی مفکر جبران خلیل جبران عدل علوی کے بارے میں لکھتے ہیں: قتل علی فی محراب عبادته لشدة ⇐

کے عادلانہ رویے کے باعث بااثر لوگ آپ کے دشمن ہو گئے۔ (۸۶)

عبداللہ بن عباس کے ساتھ امام کا سلوک

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ امیر المومنین علیہ السلام کے قریب ترین فرد تھے۔ وہ آپ کے چچازاد بھائی، شاگرد، ساتھی، ہمراز اور مخلص دوستدار تھے۔ جب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک غلطی سرزد ہوئی (ابن عباس بیت المال سے کچھ مال لے کر مکہ چلے گئے تھے۔[1] ان کا خیال تھا کہ یہ مال ان کا حصہ اور حق ہے) امیر المومنین علیہ السلام نے ابن عباس کے نام ایک خط لکھا جسے پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ خط میں آپ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو لکھا: "تو نے خیانت کی ہے" پھر فرمایا:

> اگر میرا کہنا نہ مانو گے اور اگر میرا بس چلا تو میں اللہ کے حضور تیرے معاملے میں اپنی گلوخلاصی کراؤں گا یعنی کوشش کروں گا کہ تیری خاطر اللہ کی بارگاہ میں شرمندگی نہ اٹھاؤں۔
>
> ولاضربنك بسيفي الذی ما ضربت به احداً الا دخل النار
>
> میں اس تلوار سے تمہیں ماروں گا جس کے ذریعے میں نے کسی کو نہیں مارا مگر یہ کہ وہ جہنم میں داخل ہو گیا۔

اس پر مستزاد یہ فرمایا:

> واللہ لو ان الحسن والحسين فعلا مثل الذی فعلت ما كانت لهما عندی هوادة

---

(۸۶) عدلہ یعنی علی علیہ السلام اپنے شدید عدل کی وجہ سے محراب عبادت میں شہید کر دیے گئے۔ (دیکھئے علامہ جعفری کی تفسیر نہج البلاغہ ج ۱۳، ص ۱۷۹)

[1] دیکھئے بائیسویں فصل: امیر المومنین علیہ السلام اور بیت المال کی حفاظت۔

اللہ کی قسم اگر حسن اور حسین بھی یہ کام کرتے جو تم نے کیا ہے تو

میں ان کا عذر بھی قبول نہ کرتا۔

ولا ظفرا منی بارادة

اور میں ان کے حق میں کوئی فیصلہ نہ کرتا۔

حتی آخذ الحق منهما واذیح الباطل عن

مظلمتهما

یعنی میں ان سے بھی حق لے لیتا۔[1]

امیر المومنین علیہ السلام کو علم تھا کہ حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام معصوم ہیں لیکن آپ فرماتے ہیں کہ بفرض محال اگر ایسا ہو جاتا تو میں ان پر بھی رحم نہ کرتا۔ یہ ہے علی علیہ السلام کی شجاعت۔ البتہ یہ طرزِ عمل کئی پہلوؤں کا حامل ہے۔ ایک زاویے سے یہ عدل ہے اور دوسرے زاویے سے قانون کا احترام۔ (۸۷)

اپنے بھائی کے ساتھ اصولی برتاؤ

امیر المومنین علیہ السلام کے بھائی عقیل کے ساتھ آپ علیہ السلام کے طرز عمل کا واقعہ ہمیشہ معروف رہا ہے۔ یہ واقعہ عدل علوی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام کے بھائی عقیل کی زندگی کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ فقر و غربت نے عقیل کی زندگی کو تاریک بنا دیا تھا۔ عقیل کی آمدنی سے گھر کا گزارہ نہیں چل سکتا تھا۔ عقیل کی آنکھیں کمزور یا نابینا تھیں۔ وہ کئی بچوں کے باپ تھے۔ ایک دن وہ امیر المومنین علیہ السلام کے پاس آئے۔ عقیل کے چہرے پر فقر و غربت کے سائے رینگ رہے تھے۔ خود امیر المومنین علیہ السلام اس واقعے کو نقل فرماتے ہیں جسے سن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَاللّٰهِ لَقَدْ رَاَیْتُ عَقِیْلًا وَقَدْ اَمْلَقَ حَتّٰی

---

[1] نہج البلاغہ صبحی صالح، مکتوب ۴۱، ص ۴۱۴۔

اسْتَمَاحَنِیْ مِنْ بُرِّکُمْ صَاعاً

میں نے عقیل کو شدید فقر اور غربت میں مبتلا دیکھا۔ وہ تمہارے ایک صاع (تقریباً تین کلو) گندم کا محتاج تھا اور مجھ سے وہی مانگ رہا تھا۔

عقیل اپنے بھائی علیؑ سے کوئی بڑی رقم یا بڑا سرمایہ طلب نہیں کر رہے تھے۔ وہ تو مٹھی بھر گندم مانگ رہے تھے۔

وَرَاَیْتُ صِبْیَانَہٗ شُعْثَ الشُّعُوْرِ غُبْرَ الْاَلْوَانِ مِنْ فَقْرِھِمْ.

اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیل اپنے بچوں کو بھی امیر المومنینؑ کے پاس لے آئے تھے چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:

میں نے عقیل کے بچوں کو دیکھا کہ ان کے بال بکھرے ہوئے ہیں نیز بھوک اور فقر کے باعث ان کے چہروں کا رنگ بدل چکا ہے۔

کَاَنَّمَا سُوِّدَتْ وُجُوْھُھُمْ بِالْعِظْلِمِ.

گویا ان بچوں کے چہروں پر سیاہ رنگ مل دیا گیا ہو۔ بھوک نے ان بچوں کے چہروں کو سیاہ کر دیا تھا۔

وَعَاوَدَنِیْ مُوْءَ کِّداً وَکَرَّرَ عَلَیَّ الْقَوْلَ مُرَدِّداً.

میرے بھائی نے بار بار میرے پاس رجوع کیا اور بار بار مجھ سے مدد مانگی۔

فَاَصْغَیْتُ اِلَیْہِ سَمْعِیْ.

پس میں نے کان لگا کر ان کی بات سنی۔

فَظَنَّ اَنِّیْ اَبِیْعُہٗ دِیْنِیْ وَاَتَّبِعُ قِیَادَہٗ مُفَارِقاً طَرِیْقَتِیْ.

(میں عقیل کی بات خاموشی سے سن رہا تھا اس لیے) وہ یہ سمجھے

کہ میں نے ان کی بات مان لی ہے اور میں ان کی خاطر اپنا
دین بیچ دوں گا۔پس میں نے ایک لوہے کو آگ میں ڈال کر
گرم کیا۔
فَاحمَيتُ لَه حَديدَةً ثُمّ اَدْنَيْتُهَامِنْ جِسْمِهِ.
یعنی میں نے وہ گرم لوہا عقیل کے جسم کے قریب کیا۔وہ اس کی
گرمی محسوس کرنے لگے۔
فَضَجّ ضَجِيْجَ ذِیْ دَنَفٍ مِنْ اَلَمِهَا.
اچانک عقیل کی فریاد بلند ہوئی۔لوہے کی گرمی سے وہ یہ محسوس
کرنے لگے کہ میں یہ لوہا ان کے جسم کے ساتھ چپکا دوں گا۔
وَ كَادَ اَنْ يَحْتَرِقَ مِنْ مِيْسَمِهَا.
نزدیک تھا کہ وہ اس لوہے کی گرمی سے آگ پکڑ لیں۔
فَقُلْتُ لَهُ ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ.
میں نے عقیل سے کہا:''رونے والی عورتیں آپ پر روئیں۔''
(قربان جاؤں میرے مولا کے اس مضبوط دل اور اس آہنی عزم کے۔)
اَتَئِنُّ مِنْ حَدِيْدَةٍ اَحْمَاهَا اِنْسَانُهَا لِلَعِبِهِ وَ
تَجُرُّنِی اِلیٰ نَارٍ سَجَرَهَا جَبَّارُهَا لِغَضَبِهِ؟
کیا بات ہے آپ ایک ایسے لوہے کے خوف سے فریاد کر رہے
ہیں جسے میں نے سچ مچ آپ کو جلانے کے لیے گرم نہیں کیا لیکن
آپ علی کو ایک ایسی آگ کی طرف کھینچ کر لے جا رہے ہیں
جسے خداوندِ جبار نے ظالموں پر اپنے غیظ و غضب کی وجہ سے
سلگایا ہے؟
اَتَئِنُّ مِنَ الْاَذیٰ وَلَا اَئِنُّ مِنْ لَظیٰ؟

کیا یہ درست ہے کہ آپ تو ایک معمولی تکلیف سے چیخ اٹھیں
لیکن میں جہنم کی دہکتی آگ کے عذاب پر نہ چلاؤں؟[1]

یہ وہ سبق ہے جو تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ یہ امید کا وہ چراغ ہے جو ہر دین، ہر مذہب اور ہر مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے مظلوموں کے دلوں میں قیامت تک فروزاں رہے گا۔ (بشرطیکہ وہ علی علیہ السلام کو پہچانیں اور اس واقعے سے باخبر ہوں۔) یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ علی کے خدا کو تو نہیں مانتے لیکن علی علیہ السلام کے عدل پر ایمان رکھتے ہیں۔ (۸۸)

---

[1] نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۲۲۴۔

■ امیر المومنینؑ کی بے مثال شجاعت

زندگی کے تمام میدانوں میں شجاعت

شجاعت ایک عظیم اور تعمیری خصوصیت ہے۔ میدان جنگ میں شجاعت کا اثر یہ ہے کہ انسان خطرات سے نہیں گھبراتا بلکہ خطرات میں کود پڑتا ہے اور اپنی طاقت استعمال کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ دشمن پر غالب آتا ہے۔

دنیا کے لوگ شجاعت کے بارے میں مندرجہ بالا تصور رکھتے ہیں لیکن شجاعت کے اظہار کے لیے میدان جنگ کے علاوہ اور بھی میادین ہوتے ہیں جن میں شجاعت کا اثر میدان جنگ سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ ان میدانوں میں عام زندگی کا عملی میدان، حق و باطل میں کشاکش کا میدان، علم و معرفت کا میدان، حقائق کی پردہ کشائی کا میدان اور انسانی زندگی کو ہمیشہ درپیش پالیسیوں کا میدان وغیرہ شامل ہیں۔ شجاعت کا اثر ان میدانوں میں ظاہر ہوتا ہے۔[1] جب ایک بہادر اور شجاع آدمی حق کو دیکھتا اور پہچانتا ہے تو

---

[1] امیر المومنین علیہ السلام کا ایک خوبصورت جملہ ہے: اَلصَّبرُ شَجاعَةٌ ((صبر شجاعت ہے۔)) (نہج البلاغہ صبحی صالح، کلمات قصار، نمبر۴، ص۴۶۹) نیز آپؑ کا فرمان ہے: اَشجَعُ النّاسِ مَن غلبَ الجَهلَ بالحِلم ((سب سے بہادر انسان وہ ہے جو حلم اور بردباری کے ذریعے جہل و نادانی کو شکست دے۔)) نیز فرمایا: اَشجَعُ النّاسِ ⇐

وہ اسی حق کے پیچھے چلتا ہے، کسی چیز سے نہیں ڈرتا اور کسی چیز کی رو رعایت نہیں کرتا۔ ذاتی مفادات اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بنتے اور دشمنوں یا مخالفین کی شان وشوکت اسے مرعوب نہیں کر سکتی۔ اس کے برعکس ایک بزدل انسان ان خوبیوں سے عاری ہوتا ہے۔ گاہے انسان کی بزدلی حقیقت کی عمارت کو ہی ڈھا دیتی ہے (خاص کر اس صورت میں کہ وہ انسان معاشرتی مقام اور حیثیت کا حامل ہو۔) بعبارت دیگر گاہے اظہار حق کے میدان میں انسان کی بزدلی حق کو ناحق بنا دیتی ہے اور باطل حق کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے۔[۱] لیکن اگر اس مرحلے میں انسان اخلاقی جرأت، معاشرتی شجاعت اور مصاف زندگی میں بہادری کا ثبوت دے (جو میدان جنگ والی شجاعت سے بالاتر ہے) تو اس قسم کے خوفناک مسائل جنم نہیں لیتے۔ (۸۹)

میدان جنگ میں شجاعت

امیر المومنین علیہ السلام تمام بہادروں اور سورماؤں سے زیادہ شجاع تھے۔ آپ علیہ السلام نے کسی میدان جنگ میں کسی دشمن کو پشت نہیں دکھائی۔[۲] یہ کوئی معمولی خصوصیت نہیں ہے۔

ﮧ أَسْخاهُم ((لوگوں میں جو سب سے زیادہ سخی ہو وہی سب سے زیادہ بہادر ہے۔)) (غرر الحکم ص ۲۸۵، ح ۳۷۵)

[۱] کوفہ کے عوام اور روساء نے امام حسین علیہ السلام کو ہزاروں خطوط لکھے اور یزید کے مقابلے میں امام کی حمایت کا اظہار کیا۔ جب حضرت مسلم بن عقیل امام کا نمائندہ بن کر کوفہ پہنچے تو ہزاروں لوگوں نے ان کی بیعت کی اور وہ جوش وجذبہ دکھایا کہ جناب مسلم نے امام علیہ السلام کو کوفہ کے بارے میں مثبت عندیہ دے دیا اور کوفہ آنے کی دعوت دی لیکن جب عبید اللہ بن زیاد کوفہ آیا تو اس نے شہر میں خوف ودہشت کی فضا قائم کر دی اور قبائلی سرداروں کو دھمکایا جس کے نتیجے میں حالات یکسر بدل گئے اور حضرت مسلم تنہا رہ گئے۔ یوں ایک تاریخی موڑ پر کوفہ کے عوام اور خواص کی بزدلی کربلا کے المناک حادثے کا موجب بن گئی۔

[۲] عثمان بن حنیف کے نام خط میں امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: وَاللّٰهِ لَو تَظاهَرَتِ العربُ علىٰ قِتالي لَمَا وَلَّيتُ عَنها وَلَو اَمكَنَتِ الفُرَصُ مِن رِقابِها لَسارَعتُ اِلَيها ((اللہ کی قسم اگر سارے عرب مل کر میرا مقابلہ کریں تب بھی میں ان سے نہیں بھاگوں گا اور اگر مجھے موقع ملے کہ انہیں قابو کر لوں تو اس کام میں دیر نہیں لگاؤں گا۔)) (نہج البلاغہ صبحی صالح، مکتوب ۴۵، ص ۴۱۶)

آپ صدر اسلام کی جنگوں میں امیر المومنینؑ کی شجاعت کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ (جنگ خندق میں سب لرزہ براندام تھے لیکن علیؑ آگے بڑھے۔ خیبر، بدر اور حنین میں علیؑ نے شجاعت کے جوہر دکھائے۔) ان جنگوں میں کہیں آپ چوبیس سالہ تھے، کہیں پچیس سالہ اور کہیں آپ کی عمر تیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ دیکھئے کہ ایک ستائیس یا اٹھائیس سالہ جوان میدان جنگ میں اپنی شجاعت کے ذریعے اسلام کو فتح و کامرانی سے ہمکنار کرتا ہے اور صفحۂ تاریخ پر اس قدر عظیم کارنامے رقم کرتا ہے۔[1] (۹۰)

قبول اسلام میں شجاعت کا مظاہرہ

مصاف زندگی میں امیر المومنینؑ کی شجاعت میدان جنگ میں آپؑ کی شجاعت سے یقیناً بڑھ کر تھی۔ اس شجاعت کی ایک زندہ مثال نوجوانی میں سب سے پہلے آپؑ کا قبول اسلام ہے۔ آپؑ نے اس وقت دعوت اسلام پر لبیک کہا جب سب نے اس دعوت سے روگردانی اختیار کی اور کسی میں اسے قبول کرنے کی ہمت نہ تھی۔

رسول اکرمؐ نے ایک ایسے معاشرے میں اسلام کی دعوت پیش کی جہاں سارے عوامل اس دعوت کے برخلاف تھے۔ لوگوں کی جہالت، عربوں کا غرور و نخوت، لوگوں پر حاکم طبقے کی اشرافیت، مادی مفادات اور طبقاتی مفادات سبھی اس دعوت کے مقابلے میں دیوار کی طرح حائل تھے۔ اس قسم کے معاشرے میں اس طرح کی دعوت کی کامیابی کا کتنا فیصد امکان ہوسکتا ہے؟ اس کے باوجود رسول اکرمؐ اس قسم کا سنگین پیغام دے رہے تھے جس کی ابتدا آپؐ نے اپنے قریبی رشتہ داروں سے کی....

آپ ذرا اس صورتحال کا خوب تصور کیجئے کہ ہمسائے توہین کرتے ہیں، قوم کے رؤساء اہانت اور سخت گیری سے کام لیتے ہیں، شعراء اور خطباء مذاق اڑاتے ہیں نیز دولتمند، پست فطرت اور رذیل لوگ توہین کرتے ہیں لیکن امیر المومنینؑ مخالفت کی ان سہمگین موجوں کے مقابلے میں ایک پہاڑ کی طرح محکم و استوار کھڑے ہوتے ہیں اور

---

[1] میدان جنگ میں شجاعت حیدری کے بارے میں کتاب نقش نگار (علی کا راستہ جلد اول) میں دلچسپ نکات مذکور ہیں۔

اعلان کرتے ہیں:

میں نے خدا کو پہچان لیا ہے۔ میں نے سیدھا راستہ پالیا ہے۔

پھر آپ اس پر ڈٹ جاتے ہیں۔ یہ ہے آپ علیہ السلام کی شجاعت۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی زندگی کے تمام مراحل خاص کر مکہ اور مدینہ میں اپنی اس شجاعت کا ثبوت دیا۔ (۹۱)

بیعت رضوان میں علی علیہ السلام کی شجاعت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف موقعوں پر مختلف مقاصد کے لیے لوگوں سے بیعت لی۔ ان میں سے ایک، بیعتِ شجرہ یا بیعتِ رضوان ہے جو شاید سب بیعتوں سے زیادہ سخت تھی۔ حدیبیہ کے واقعے میں یہ بیعت ہوئی۔[۱] جب حالات سنگین ہو گئے تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آس پاس موجود لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا:

میں تم لوگوں سے موت کی بیعت لیتا ہوں۔ تمہیں نہیں بھاگنا ہوگا بلکہ فتح یا موت تک لڑنا ہوگا۔

میرا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے حدیبیہ کے علاوہ کہیں اور اس قسم کی سخت بیعت نہیں لی تھی۔

جی ہاں، اس اجتماع میں ہر قسم کے لوگ موجود تھے۔ کمزور ایمان والے اور (جیسا کہ منقول ہے) منافقین بھی اس بیعت کے وقت موجود تھے۔ سب سے پہلے اسی نوخیز جوان نے کھڑے ہو کر کہا:

یا رسول اللہ! میں بیعت کرتا ہوں۔

اس بیس تیس سالہ جوان نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور کہا:

میں موت پر آپ کی بیعت کرتا ہوں۔

اس سے دوسرے مسلمانوں میں بھی ہمت پیدا ہو گئی اور سب نے یکے بعد دیگرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی۔ یوں جو لوگ دل سے بیعت کے خواہاں نہیں تھے وہ بھی

---

[۱] بیعت رضوان کے بارے میں مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۷۱۔

بیعت پر مجبور ہو گئے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ[1] (۹۲)

میدان فکر و نظر کا بہادر سپاہی

امیر المومنین علیہ السلام آسمان تاریخ کے خورشیدِ درخشاں ہیں۔ یہ خورشید صدیوں سے ضوفشانی کر رہا ہے اور اس کی درخشندگی میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا ہے۔ جہاں جہاں آپ علیہ السلام کے گوہر وجود کی ضرورت محسوس ہوئی وہاں آپ موجود ہے خواہ وہاں کوئی اور نہ ہو۔ آپ علیہ السلام کا فرمان ہے:

لَا تَسْتَوْحِشُوا فِي طَرِيقِ الْهُدَىٰ لِقِلَّةِ أَهْلِهِ[2]

یعنی اگر آپ اقلیت میں ہیں اور دنیا کے سارے یا اکثر لوگ آپ کے مخالف ہیں یا آپ کے طریقے کو قبول نہیں کرتے تو اس سے مت ڈریں اور اپنا موقف نہ بدلیں۔ جب آپ صراط مستقیم کو پہچان لیں تو اب اسے اپنے پورے وجود کے ساتھ طے کریں۔

یہ امیر المومنین علیہ السلام کا طرز فکر ہے۔ یہ شجاعت و شہامت پر مبنی وہ طرز فکر ہے جسے آپ علیہ السلام نے اپنی زندگی کا وطیرہ بنالیا تھا۔

---

[1] بیشک اللہ مومنین سے راضی ہوا جب وہ درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے تھے۔ ان کے دلوں میں جو کچھ (ایمان، اخلاص) نہفتہ تھا اللہ اس سے آگاہ ہوا۔ پس اللہ نے ان کے دلوں پر سکون نازل فرمایا اور انہیں بطور انعام قریب الوقوع فتح سے نوازا۔ (سورہ فتح، آیت ۱۸) جابر بن عبد اللہ انصاری سے مروی ہے کہ بیعت رضوان میں سب سے پہلے امیر المومنین علیہ السلام بیعت کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ کے بعد ابوسنان اسدی پھر سلمان فارسی نے کھڑے ہو کر بیعت کی۔ (مناقب ابن شہر آشوب ج ۲، ص ۲۱، بحار الانوار ج ۳۸، ص ۲۱۷)

[2] نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَسْتَوْحِشُوا فِي طَرِيقِ الْهُدَىٰ لِقِلَّةِ أَهْلِهِ فَإِنَّ النَّاسَ قَدِ اجْتَمَعُوا عَلَىٰ مَائِدَةٍ شِبَعُهَا قَصِيرٌ وَجُوعُهَا طَوِيلٌ ((لوگو! راہ ہدایت پر چلنے والوں کی قلت کے باعث تم اس راہ پر چلنے میں وحشت محسوس نہ کرنا کیونکہ لوگ اس خوان پر جمع ہوئے ہیں جہاں شکم سیری کی مدت کوتاہ لیکن گرسنگی کی مدت طولانی ہے۔)) (نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۲۰۱، ص ۳۱۹)

میدان حکمرانی میں شجاعت

امیر المومنینؑ کا دور حکومت پانچ سال سے بھی کم عرصے پر محیط رہا۔ اس دوران بھی آپ کا طرز فکر شجاعت کی بنیاد پر استوار تھا۔ آپ امامؑ کو جس زاویے سے دیکھیں شجاعت ہی شجاعت نظر آئے گی۔ اپنی بیعت کے دوسرے دن سے ہی آپؑ نے ان جاگیروں اور اموال کے بارے میں جو سابقہ دور حکومت میں مختلف لوگوں کو مسلمانوں کے اجتماعی اموال اور خزانے سے دیے گئے تھے فرمایا:

وَاللّٰهِ لَوْ وَجَدْتُهُ قَدْ تُزُوِّجَ بِهِ النِّسَآءُ وَمُلِكَ بِهِ الْإِمَآءُ لَرَدَدْتُهُ[1]

یعنی اللہ کی قسم اگر سابقہ دور حکومت میں بیت المال سے بغیر استحقاق کے کسی کو کچھ دیا گیا ہو تو میں اسے واپس لوں گا خواہ اسے کسی عورت کا مہر قرار دیا گیا ہو یا اس سے کنیزیں خریدی گئی ہوں۔ میں بغیر کسی رو رعایت کے انہیں واپس لوں گا۔

اس کے بعد آپ نے عملی اقدامات کا آغاز کیا جن کے نتیجے میں لوگ آپ کے دشمن ہو گئے۔ اس سے زیادہ شجاعت و شہامت کہاں ممکن ہے؟ آپ کمال شجاعت کے ساتھ اس وقت کے سب سے زیادہ ہٹ دھرم اور ضدی عناصر کے آگے ڈٹ گئے۔

ان میں اسلامی معاشرے کے نامی گرامی لوگ بھی تھے۔ آپؑ شام میں جمع شدہ دولت کے مقابلے میں بہادری سے ڈٹ گئے حالانکہ اس دولت سے دسیوں ہزار

---

[1] حضرت عثمان نے لوگوں پر جو بلاوجہ عنایات کی تھیں انہیں واپس لیتے وقت امیر المومنینؑ نے فرمایا: وَاللّٰهِ لَوْ وَجَدْتُهُ قَدْ تُزُوِّجَ بِهِ النِّسَآءُ وَمُلِكَ بِهِ الْإِمَآءُ لَرَدَدْتُهُ فَإِنَّ فِي الْعَدْلِ سَعَةً وَمَنْ ضَاقَ عَلَيْهِ الْعَدْلُ فَالْجَوْرُ عَلَيْهِ أَضْيَقُ ((اللہ کی قسم اگر وہ اموال میرے ہاتھ لگیں جو عثمان نے بلاوجہ لوگوں کو دیے تھے تو میں انہیں حقداروں تک پہنچا دوں گا اگرچہ ان اموال کو عورتوں کا مہر قرار دیا گیا ہو یا ان سے لونڈیاں خریدی گئی ہوں کیونکہ عدل میں فراخی ہے۔ جس شخص پر عدل گراں گزرتا ہو اس کے لیے ظلم و ستم برداشت کرنا زیادہ گراں ہوگا۔))
(نہج البلاغہ کلام نمبر ۱۵، ص ۵۷)

جنگجوؤں کو آپ کے مقابلے میں صف آرائی پر آمادہ کیا جا سکتا تھا۔ راہِ حق کی تشخیص کے بعد آپ نے کسی شخص کا لحاظ نہیں کیا۔ یہ ہے شجاعت۔ آپ علیہ السلام نے اپنے رشتہ داروں کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ اس قسم کی باتیں کرنا تو آسان ہے لیکن ان پر عمل کرنا نہایت دشوار ہے۔ اس مقام پر علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے ماننے والوں کو آپ کی شجاعت سے سبق لینا چاہیے۔ لَا تَستَوحِشُوا فِی طَرِیقِ الهُدیٰ لِقِلَّةِ اَهلِهِ حق پرستوں کی کمی اور دشمنوں کی روگردانی کے باعث دل برداشتہ اور وحشت زدہ مت ہونا۔ اگر دشمن اس گوہرِ گراں بہا کا مذاق اڑائیں جو تمہارے پاس ہے تو کہیں اس سے تمہارا عقیدہ کمزور نہ پڑ جائے۔ (۹۳)

ہم رسولؐ کے پاس پناہ لیتے تھے

امیر المومنین علیہ السلام جو خود پیکر شجاعت تھے، فرماتے ہیں:

> جنگ کی سختیوں میں ہم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پناہ لیتے تھے۔ جب کسی کو کمزوری محسوس ہوتی تو وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پناہ لیتا تھا۔[۱]

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان جنگ میں امیر المومنین علیہ السلام اور دیگر مجاہدین کو اپنی شمشیر سے زیادہ اپنی نگاہ، اپنی زبان اور اپنے وجودِ مبارک سے حوصلہ اور قوت بخشتے تھے اور میدان کارزار میں واپس بھیجتے تھے۔ جی ہاں جس انسان کا دل زندہ ہو وہ ہرگز نہیں تھکتا۔ وہ کسی کمزوری اور تکلیف کے باعث درماندہ نہیں ہوتا۔ (۹۴)

جنگ جمل میں شجاعت حیدری کی ایک جھلک

جنگ جمل میں امیر المومنین علیہ السلام نے محمد بن حنفیہ کو پرچم دے کر میدان جنگ میں بھیج دیا لیکن گویا آپ علیہ السلام کو محمد کا اندازِ جنگ پسند نہیں آیا حالانکہ محمد حنفیہ اس زمانے کے

---

[۱] كُنَّا اِذَا احْمَرَّ الْبَاسُ اِتَّقَيْنَا بِرَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَلَمْ يَكُنْ اَحَدٌ مِنَّا اَقْرَبَ اِلَى الْعَدُوِّ مِنْهُ ((جب آتش جنگ شعلہ ور ہوتی اور حالات سنگین ہوتے تو ہم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پناہ لیتے تھے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سب سے زیادہ دشمن کے قریب ہوتے تھے۔)) (نہج البلاغہ صبحی صالح، کلمات قصار، نمبر ۹، ص ۵۲۰)

بہادرترین سورماؤں میں سے ایک تھے۔[1] وہ ایک زبردست طاقتور اور شجاع جوان تھے جبکہ امام علیہ السلام ایک ساٹھ سالہ سالخوردہ شخص تھے۔ آپ علیہ السلام نے محمد کے ہاتھ سے پرچم لے لیا اور فرمایا: ''یوں جنگ کرو۔''

راوی کہتا ہے: میں نے دیکھا کہ امیرالمومنین علیہ السلام لشکرِ اعداء کی طرف بڑھے۔ آپ علیہ السلام نے ان کی صفوں میں گھس کر انہیں اس طرح الٹ پلٹ دیا جس سے ایک شور و غوغا برپا ہو گیا۔ راوی کا بیان ہے: ''میں نے دیکھا کہ جس طرح مٹی کے ذرات سورج کی روشنی میں اوپر نیچے جاتے ہیں اسی طرح دشمنوں کے بدن گھوڑوں کی پشت سے اچھالے جا رہے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ الجھ رہے ہیں۔ گویا لشکرِ اعداء کے درمیان کوئی بگولا گھس گیا ہو جو انہیں تہس نہس کر رہا ہو۔ امیرالمومنین علیہ السلام کافی دیر تک دکھائی نہیں دیے۔ آپؑ نے طلحہ اور زبیر کے اردگرد موجود ہزاروں بصریوں کے درمیان چکر لگایا، انہیں درہم برہم کر دیا اور ان کی صفوں کو مکمل طور پر تتر بتر کر دیا۔ اچانک ہم نے امیرالمومنین علیہ السلام کو دشمن کی صفوں سے نکل کر ادھر آتے دیکھا۔ آپ علیہ السلام پیاسے تھے اور بلند آواز سے فرما رہے تھے:

الماء الماء یعنی پانی لاؤ، پانی لاؤ۔

---

[1] مسعودی لکھتے ہیں کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے بیٹے محمد کو بلایا اور لشکر کا علم انہیں دیتے ہوئے فرمایا: ''حملہ شروع کرو۔'' محمد نے اپنے سامنے بہت سے تیراندازوں کو دیکھا جن کی طرف سے تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ لہٰذا وہ کچھ دیر تک رکے رہے تاکہ تیر تھم جائیں تو حملہ شروع کر دیں۔ علی علیہ السلام پیچھے سے آدھمکے اور تندی سے پوچھنے لگے: ''حملہ کیوں نہیں کیا؟'' محمد نے کہا: ''تیروں اور نیزوں کی بارش میں آگے بڑھنے کا راستہ نہیں پا سکا۔ میں ان کی طرف سے تیراندازی ختم ہونے کا منتظر ہوں تاکہ حملہ کر سکوں۔'' امام علیہ السلام نے فرمایا: ''نیزوں کے درمیان گھس کر حملہ کر دو اور مطمئن رہو کہ تجھے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔'' محمد نے حملہ کر دیا لیکن نیزہ برداروں کے درمیان رک گئے۔ امام علیہ السلام محمد کی پچھلی طرف سے آ پہنچے اور اپنی تلوار کا دستہ محمد کو مارتے ہوئے فرمانے لگے: ''یہ کمزوری تجھے اپنی ماں کی طرف سے ملی ہے۔''

اس کے بعد امام علیہ السلام نے پرچم اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور حملہ حیدری کا آغاز کیا۔ آپ کے پیچھے دوسرے لوگوں نے بھی حملہ بول دیا اور دشمن کی یہ حالت بنا دی گویا وہ طوفانی ہواؤں میں اڑنے والا گرد و غبار ہوں۔ (دیکھئے: مروج الذہب جلد۲، ص۳۰۵ نیز ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ جلد۱، ص۲۴۳)

ایک شخص شہد کا ظرف لے کر آپ کی طرف بڑھا اور آپ کو دیتے ہوئے عرض کرنے لگا:

اس حالت میں پانی پینا مناسب نہیں ہے (شہد نوش فرمایئے۔) یعنی تھکے ہوئے، پسینے میں شرابور اور گرم جسم کے لئے پانی اچھا نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے شہد لے کر اس میں سے تھوڑا سا نوش کیا اور فرمایا:

یہ شہد طائف کا ہے۔

اس شخص نے کہا:

اے امیر المومنین! تعجب ہے کہ اس معرکۂ گیر و دار میں بھی آپ نے ایک دم طائف کے شہد کو پہچان لیا۔

فرمایا:

اے برادر زادہ! جان لو کہ تیرا چچا کسی بھی مشکل میں حواس باختہ اور کسی خطرے سے خوف زدہ نہیں ہوا۔[1] (۹۵)

خوارج کے سردار کی دھمکی کا جواب

ایک خارجی نے امام علیہ السلام سے کہا:

ہم تیرے ساتھ اس قدر جنگ کریں گے کہ تجھے ختم کردیں۔

امام علیہ السلام نے ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا:

تم مجھے تلواروں اور نیزوں سے ڈراتے ہو؟ تم مجھے جنگ کا خوف دلاتے ہو؟ تم مجھے مسلح ٹکراؤ سے ڈراتے ہو؟ میں نے اپنی پوری عمر تلواروں اور نیزوں کے سائے میں گزاری ہے۔[2] (۹۶)

---

[1] اس واقعے کی تفصیل کے لیے دیکھئے علی کا راستہ ج ۱، ضمیمہ نمبر ۳۳۔

[2] عبداللہ بن وہب راسبی خوارج کے لشکر کا کمانڈر تھا۔ اس نے میدان کے درمیان کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا: ⇦

یہ صرف علیؑ کا کارنامہ تھا

امیر المومنین علیہ السلام اپنے دورِ خلافت سے پہلے اور اپنی خلافت کے دوران جن دشمنانِ دین سے دستبردار نہیں ہوئے کیا وہ طاقتور نہیں تھے؟ ان کے پاس سیاسی اور عسکری طاقت تھی۔ بعض کے پاس عوامی طاقت بھی تھی۔ وہ معاشرے میں اثر و نفوذ کے بھی حامل تھے نیز معنوی مقام کے دعویدار اور تقدس مآب بھی تھے۔ خوارج کی طرح کے کچھ لوگ ہمارے انتہا پسند انقلابیوں جیسے تھے۔ وہ کسی کو بھی قبول نہیں کرتے تھے۔ وہ صرف اپنے آپ کو قبول کرتے تھے اور صرف خود کو دین کے محافظ گردانتے تھے۔ اپنے علاوہ کسی کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ جس طرح ہمارے بعض لوگ ابتدائے انقلاب میں امام خمینی کو بھی انقلابی نہیں سمجھتے تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام کا سامنا اس قسم کے لوگوں سے ہوا۔ آپ علیہ السلام نے انہیں تہس نہس کر دیا اور فرمایا:

> اگر میں ان سے نبرد آزما نہ ہوتا تو کسی اور کو ان سے ٹکرانے کی جرأت نہ ہوتی۔[۱] (۹۷)

....

؎ اے فرزند ابو طالب اب تک لڑتے رہو گے؟ اللہ کی قسم ہم اس میدان کو کبھی نہ چھوڑیں گے یہاں تک کہ ہم تیرے اوپر غالب آ جائیں۔ پس بہتر ہے کہ جنگ سے لوگوں کی جان بخشی کراؤ اور جلد سے جلد میدان میں اتر کر میرے ساتھ جنگ کرو۔ امیر المومنین علیہ السلام نے تبسم فرمایا اور کہا: قَاتَلَهُ اللّٰهُ مِن رَجُلٍ مَا اَقَلَّ حَيَاءَهُ اَمَا اِنَّهُ لَيَعْلَمُ اَنِّيْ حَلِيْفُ السَّيْفِ وَخَدِيْنُ الرُّمْحِ وَلٰكِنَّهُ آيِسٌ مِنَ الْحَيَاةِ اَوْ لَعَلَّهُ يَطْمَعُ طَمَعاً كَاذِباً ((خدا اسے ہلاک کرے یہ کس قدر بے شرم ہے۔ اسے بخوبی علم ہے کہ میری زندگی تلواروں اور نیزوں کے درمیان گزری ہے۔ شاید اسے مزید زندہ رہنے کی خواہش نہیں ہے۔ شاید وہ اسی لئے مجھے دعوتِ مبارزہ دے رہا ہے یا شاید ایک باطل امید اور غلط فہمی کے ہاتھوں گرفتار ہے۔)) عبداللہ صفوں کے درمیان چکر لگاتا، رجز پڑھتا اور امیر المومنین علیہ السلام کو دعوتِ مبارزہ دے رہا تھا۔ امام میدان میں اترے۔ آپ علیہ السلام نے عبداللہ کو حرکت کا موقع دیے بغیر ایک ہی ضربت سے واصلِ جہنم کر دیا۔ دیکھئے ابن اعثم کوفی کی الفتوح جلد ۱، صفحہ ۵۰۳۔

۱۱۶۔ جنگِ نہروان کے بعد امیر المومنین علیہ السلام نے ایک مفصل خطبے میں اس جنگ کی اہمیت اور فتنے کی عمیق بنیادوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اَيُّهَا النَّاسُ فَاِنِّيْ فَقَأْتُ عَيْنَ الْفِتْنَةِ وَلَمْ يَكُنْ لِيَجْتَرِئَ عَلَيْهَا اَحَدٌ غَيْرِيْ بَعْدَ اَنْ مَاجَ غَيْهَبُهَا وَاشْتَدَّ كَلَبُهَا ((لوگو! جب فتنے کی موجیں ہر طرف پھیل چکی تھیں اور ؎

⇐ اس کی شدت اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی تب کسی میں یہ جرأت نہیں تھی کہ اس معرکہ گیر و دار میں کود پڑے۔ اس وقت میں ہی تھا جس نے شر اور فتنے کی آنکھ پھوڑ ڈالی تھی۔)) (دیکھئے: نہج البلاغہ خطبہ ۹۳، ص ۱۳۷)

■ اصول پسندی اور ٹھوس موقف

با اصول اور مخالفتوں سے بے پروا رہبر

امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کے تابناک پہلوؤں میں سے ایک آپ علیہ السلام کی اصول پسندی ہے۔ آپ علیہ السلام نے تختِ خلافت پر بیٹھنے سے پہلے نیز اپنے مختصر دور خلافت میں اسلامی اصولوں کی سختی سے رعایت کی اور مخالفتوں کی پروانہیں کی۔ امیر المومنین علیہ السلام ان تمام غلط امتیازی طور طریقوں کو مٹانا چاہتے تھے جنہیں اسلام نے منسوخ کر دیا تھا لیکن بعض لوگ انہیں دوبارہ زندہ کرنے کے درپے تھے۔ آپ علیہ السلام طاقت کی تقسیم، دولت کی تقسیم اور معاشرتی مناصب کی تقسیم میں صرف اسلامی معیاروں اور اصولوں کی رعایت کے خواہاں تھے۔ اسی لیے آپ علیہ السلام اپنے بھائی عقیل کی درخواست کو بھی درخور اعتنا نہیں سمجھتے تھے۔ عقیل اقتصادی بدحالی سے تنگ آ کر اپنے بچوں کے گزر اوقات کے لیے امام علیہ السلام سے مدد کے طالب تھے۔ اگر امام علیہ السلام کے قریبی لوگ بھی غلطی کرتے تو آپ ان پر بھی عتاب فرماتے تھے۔[1]

---

[1] امام کا بھائی عقیل آپ علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا اور عرض کرنے لگا: میرے اوپر بہت قرضہ ہے۔ ان کی ادائگی میں ←

امامؑ کے اصولی موقف کے دو دشمن

تحریفات، انحرافات اور بے جا توقعات کے خلاف امیر المومنین علیہ السلام کے دوٹوک اصولی موقف نے دو طرح کے لوگوں کو آپ علیہ السلام کا دشمن بنا دیا۔ ایک وہ جو آپ علیہ السلام کے موقف کو برداشت نہیں کرتے تھے اور دوسرے وہ جو اسے سمجھ نہیں رہے تھے۔ جو لوگ آپ علیہ السلام کے موقف کو سمجھنے کے باوجود آپ علیہ السلام کی مخالفت کر رہے تھے وہ درحقیقت آپ کی اصولی روش کو برداشت نہیں کر رہے تھے جبکہ دوسرا گروہ آپ علیہ السلام کے اصولی موقف کو سرے سے

← میری مدد کریں۔ میرا کام جلدی انجام دیں تاکہ میں جلد از جلد واپس لوٹ جاؤں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: آپ کا قرض کتنا ہے؟ بولے: ایک لاکھ درہم۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: وَاللّٰهِ مَاهِیَ عِندِی وَلَا اَملِکُهَا وَلٰکِن اصبِر حَتّٰی یُخرَجَ عَطَائِی فَاُوَاسِیکَهُ۔ وَلَولَا اَنَّهُ لَا بُدَّ لِلعِیَالِ مِن شَیئٍ لَاَعطَیتُکَ کُلَّهُ ((اللہ کی قسم میرے پاس آپ کو دینے کے لئے اتنا مال نہیں ہے البتہ آپ کچھ دن صبر کریں تاکہ بیت المال کی تقسیم کا وقت آجائے اور میں اس میں سے اپنا حصہ لے کر آپ کی کچھ مدد کروں۔ اگر اہل وعیال کا بھی کچھ حق نہ ہوتا تو میں وہ سب آپ کو دے دیتا۔)) عقیل نے کہا بیت المال آپ کے قبضے میں ہے اور آپ مجھ سے اپنے حصے کی بات کر رہے ہیں؟ آپ کا حصہ ہے ہی کیا جو آپ اس سے مجھے بہلا رہے ہیں؟ اگر آپ اپنا پورا حصہ بھی مجھے دے دیں تو میرے کس درد کی دوا بنے گا؟ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: مَا اَنَا وَاَنتَ فِیهِ اِلَّا بِمَنزِلَةِ رَجُلٍ مِنَ المُسلِمِینَ ((یعنی بیت المال میں میرا اور آپ کا اتنا ہی حق ہے جتنا ایک عام مسلمان کا۔)) جب امام علیہ السلام اپنے بھائی عقیل کے ساتھ یہ باتیں کر رہے تھے تو کوفہ کے تاجروں کے صندوق سامنے نظر آ رہے تھے۔ امام علیہ السلام نے عقیل کی طرف رخ کیا اور فرمایا: اِن اَبَیتَ یَا اَبَا یَزِید مَا اَقُولُ فَانزِل اِلیٰ بَعضِ هٰذِهِ الصَّنَادِیقِ فَاکسِر اَقفَالَهُ وَخُذ مَا فِیهِ ((یعنی اگر آپ میرے حصے پر قانع نہیں ہیں تو اٹھیں اور ان صندوقوں میں سے کسی کو توڑ لیں اور جو اس کے اندر ہے وہ لے لیں۔ عقیل نے پوچھا یہ صندوق کس کے ہیں اور ان میں کیا ہے؟)) امام علیہ السلام نے فرمایا: ان میں تاجروں کے اموال ہیں۔ عقیل نے تعجب سے کہا: کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ میں ان مسلمانوں کا مال چوری کروں اور ان کے تالے توڑوں جو اللہ پر توکل کرتے ہوئے اپنے اموال چھوڑ گئے ہیں؟

امام نے جواب دیا: اَتَامُرُنِی اَن اَفتَحَ بَیتَ مَالِ المُسلِمِینَ فَاُعطِیَکَ اَموَالَهُم وَقَد تَوَکَّلُوا عَلَی اللّٰهِ وَاَقفَلُوا عَلَیهَا؟ ((تو کیا آپ مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں مسلمانوں کا بیت المال کھول کر اس کا مال آپ کو دیدوں جبکہ انہوں نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے ان پر تالے لگائے ہیں (اور چابیاں مجھے دی ہیں؟))) (مناقب ابن شہر آشوب ج ۲، ص ۱۰۸)

درک نہیں کر رہے تھے اور غلط فہمیوں کا شکار تھے۔ یہ لوگ نا فہمی، جہالت اور امام علیہ السلام کے موقف سے نا آشنائی کے باعث آپ کی مخالفت کر رہے تھے۔

ان مشکل حالات میں امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی قوت فیصلہ اور اپنی شجاعت کا ثبوت دیا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان اصحاب سے جنگ کی جو معاشرے میں مقام رکھتے تھے۔ آپ علیہ السلام نے تنگ نظر، متعصب اور تقدس مآب خوارج سے بھی جنگ کی اور اپنے ٹھوس اصولی موقف کی عملی تصویر پیش کی۔ (۹۸)

قوانین الٰہی کے معاملے میں سخت گیری

ہجرت کے دسویں سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری حج (حجۃ الوداع) کے لیے مکہ تشریف لے گئے جبکہ امیر المومنین علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن بھیجا تھا تاکہ آپ وہاں کے لوگوں کو دین سکھائیں، ان سے زکات وصول کریں اور ان کی مدد کریں۔ جب امیر المومنین علیہ السلام نے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے لیے گئے ہیں تو آپ علیہ السلام تیز رفتاری کے ساتھ مکہ پہنچ گئے۔ یمن والوں سے زکات کی مد میں کچھ آمدنی ہوئی تھی جس میں کچھ یمنی لباس بھی موجود تھے۔ یہ لباس یمن میں سلے ہوئے تھے جو اس دور میں بہت مرغوب اور پسندیدہ محسوب ہوتے تھے۔

امیر المومنین علیہ السلام کے پاس اس کاروان کے ساتھ سفر کرنے کی فرصت نہیں تھی۔ آپ علیہ السلام جلد سے جلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے کاروان کی قیادت ایک شخص کے حوالے کی تاکہ وہ ان اموال کو بحفاظت پہنچائے اور خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مکہ پہنچ گئے تاکہ حج کے ابتدائی اعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ انجام دیں۔ بعد میں جب مذکورہ کاروان پہنچ گیا تو امیر المومنین علیہ السلام ان کے پاس پہنچ گئے لیکن آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان لوگوں نے آپ کی غیر موجودگی میں یمنی لباسوں کو اپنے درمیان تقسیم کر لیا ہے اور ان میں سے ہر ایک نے ایک خوبصورت یمنی لباس زیب تن کر رکھا ہے۔ فرمایا: تم لوگوں نے یہ لباس کیوں پہن لیا ہے؟ بولے: یہ مال غنیمت اور زکات

ہے جو ہمارا حق ہے۔ فرمایا: رسول کے پاس پہنچنے سے پہلے (آج کل کی اصطلاح میں داخل خزانہ ہونے سے پہلے) انہیں تقسیم کرنا درست نہیں ہے۔ یہ اسلامی قواعد وضوابط کے برخلاف ہے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے ان سے لباس واپس لے لئے۔ کچھ لوگ دینے پر تیار نہ تھے لیکن آپ علیہ السلام نے زبردستی ان سے واپس لئے۔

واضح ہے کہ اگر کسی سے کوئی سہولت واپس لی جائے اور اس کا ایمان مضبوط نہ ہو تو وہ ناراض ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر امیر المومنین علیہ السلام کی شکایت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیوں شکایت کر رہے ہو؟ آخر ہوا کیا ہے؟ بولے: علی نے ہم سے یہ اموال زبردستی لے لئے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جواب دیا:

اس اقدام پر علی کی ملامت نہ کرو۔

اِنَّهُ خَشِنٌ فِی ذَاتِ اللّٰه

یعنی علی خدائی قوانین کے معاملے میں سخت گیر ہے۔[1] (۹۹)

اصولوں کی خاطر خلافت سے چشم پوشی

خلیفہ دوم کی رحلت کے بعد ان کی وصیت کے مطابق چھ رکنی کمیٹی وجود میں آ گئی۔ اس کمیٹی میں عبدالرحمٰن بن عوف، سعد ابن ابی وقاص، طلحہ، زبیر، عثمان، اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام شامل تھے۔ حضرت عمر نے وصیت کی تھی کہ یہ چھ افراد مل بیٹھ کر تین دنوں کے اندر ایک فرد کو خلیفہ مقرر کریں۔[2] یہ چھ افراد اس دور کے دو مختلف محاذوں سے تعلق رکھتے تھے۔

---

[1] ملاحظہ ہو شیخ مفید کی الارشاد ج ۱، ص ۳۸۵، اعلام الوری ص ۱۳۱، کشف الغمہ ج ۱، ص ۲۳۶، بحار الانوار ۲۱، ص ۳۸۵

[2] جب حضرت عمر بستر مرگ پر پڑے ہوئے تھے تب انہوں نے چھ رکنی شوریٰ کے اراکین کو اپنے پاس بلایا اور ان کی موجودگی میں مقداد بن اسود کو حکم دیا: میری تدفین کے بعد ان چھ افراد کو ایک گھر میں جمع کرنا تا کہ یہ اپنے درمیان سے ایک شخص کو خلیفہ منتخب کریں۔ ادھر خلیفہ نے صہیب سے کہا: تین دنوں تک نماز کی امامت تیرے ذمے ہے۔ ان تین دنوں میں علی، عثمان، زبیر، سعد، عبدالرحمٰن اور طلحہ کو جمع کرنا۔ میرا بیٹا عبداللہ بھی موجود رہے لیکن اسے ☜

ایک محاذ کا میلان بنی امیہ کی طرف تھا جبکہ دوسرے کا بنی ہاشم کی طرف۔ ان چھ میں سے عبدالرحمٰن بن عوف حضرت عثمان کے رشتہ دار تھے۔ طلحہ کا جھکاؤ بھی اسی طرف تھا۔ زبیر امیرالمومنین علیہ السلام کے رشتہ دار تھے اور سعد بن ابی وقاص بھی اس طرف میلان رکھتے تھے۔ طلحہ حضرت عثمان کے حق میں اور زبیر علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے حق میں دستبردار ہوگئے۔ سعد بن ابی وقاص نے اپنے ووٹ کا حق عبدالرحمٰن بن عوف کے حوالے کر دیا۔

ان میں سے حضرت عثمانؓ اور حضرت علی علیہ السلام کی طرف ان کی نظریں زیادہ مرکوز تھیں۔ ان دونوں کا بھی ایک ایک ووٹ تھا۔ عبدالرحمٰن بن عوف کے پاس دو ووٹ تھے۔ اگر وہ علی علیہ السلام کی بیعت کرتے تو آپ علیہ السلام کی طرف چار ووٹ بنتے اور حضرت عثمانؓ کی طرف دو ووٹ رہتے لیکن اگر عبدالرحمٰن حضرت عثمانؓ کی بیعت کرتے تو ان کے چار ووٹ بنتے اور امیرالمومنین علیہ السلام کے دو۔ خلاصہ یہ کہ عبدالرحمٰن کے ووٹ کو فیصلہ کن حیثیت حاصل تھی۔

عالم اسلام میں امیرالمومنین علیہ السلام کی برتری تقریباً ایک واضح اور مسلمہ بات تھی لیکن عبدالرحمٰن نے پہلے امیرالمومنین علیہ السلام کا رخ کیا اور کہا:

> اے علی! اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایئے تاکہ میں آپ علیہ السلام کی بیعت کروں بشرطیکہ آپ قرآن، سنتِ رسول اور سیرتِ شیخین یعنی حضرت ابوبکر و عمر کی سیرت پر چلنے کا عہد کریں۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا:

> تم اللہ کی کتاب اور سنتِ رسول پر عمل کی شرط کے ساتھ میری

؎ رائے دینے کا حق نہ ہوگا۔ تو ان چھ افراد کے سروں پر کھڑے رہنا۔ اگر ان چھ میں سے پانچ اراکین ایک شخص کو خلیفہ بنانے پر متفق ہوں اور ایک رکن مخالفت کرے تو وہیں اس کا سر اڑا دینا۔ اگر چار اراکین ایک طرف اور دو دوسری طرف ہوں تو ان دونوں کی گردن مار دینا۔ اگر وہ دو حصوں میں بٹ جائیں یعنی تین اراکین ایک شخص کو خلیفہ معین کریں اور باقی تین کسی اور کو تو میرے بیٹے عبداللہ کا فیصلہ قبول کرنا پڑے گا۔ اس کے انتخاب کردہ گروہ کا نقطہ نظر نافذ العمل ہوگا۔ لیکن اگر وہ عبداللہ کے فیصلے کو قبول نہ کریں تو خلیفہ وہ ہوگا جس کی حمایت کرنے والوں میں عبدالرحمٰن بن عوف شامل ہو۔ اگر دوسرے گروہ کے تین افراد ان کی مخالفت کریں تو فوراً قتل کر دیے جائیں۔ (تاریخ طبری ج ۳، ص ۲۹۴)

بیعت کرو تو ٹھیک ہے کیونکہ میرے لیے یہی دو چیزیں حجت
ہیں۔ شیخین کا طرزِ عمل ان دونوں کا اجتہاد تھا جو میرے لیے
حجت نہیں ہے۔

عبدالرحمٰن نے کہا:

نہیں میں یوں بیعت نہیں کروں گا۔

پھر عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان سے کہا:

میں آپ کی بیعت کرتا ہوں بشرطیکہ آپ اللہ کی کتاب، رسول
اللہ کی سنت اور شیخین کی سیرت پر عمل کریں۔

حضرت عثمان نے کہا:

مجھے منظور ہے۔

اس کے باوجود عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان کی بیعت نہیں کی اور دوبارہ امیرالمومنین علیہ السلام کی طرف پلٹ کر پھر وہی تجویز سامنے رکھی۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنا سابقہ موقف دہرایا۔ عبدالرحمٰن نے ایک بار پھر حضرت عثمانؓ کے سامنے وہی تجویز رکھی تو انہوں نے تجویز دوبارہ مان لی۔ عبدالرحمٰن نے تیسری بار امیرالمومنین علیہ السلام کو وہی پیشکش کی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

میرے لئے تو صرف اللہ کی کتاب اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت
حجت ہیں۔ ان کے علاوہ میرے لیے کوئی چیز حجت نہیں۔

اس کے بعد عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان سے پھر وہی بات کہی تو انہوں نے اسے قبول کرلیا۔ تب انہوں نے حضرت عثمان کی بیعت کی۔ یوں وہ خلیفہ بن گئے [1] علی ابن ابی طالب علیہ السلام

---

[1] عبدالرحمٰن بن عوف نے علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے کہا: کیا آپ اللہ کے سامنے عہد کریں گے کہ اگر ہم نے خلافت آپ کے سپرد کی تو آپ اللہ کی کتاب، رسول کی سنت اور ابوبکر وعمر کی سیرت پر عمل کریں گے؟ علی نے اس کے جواب میں فرمایا: میں تمہارے درمیان اللہ کی کتاب اور سنت رسول کے مطابق حتی المقدور عمل کروں گا۔ اَسِیرُ فِیکُمْ بِکِتَابِ اللّٰہِ وَ سُنَّۃِ نَبِیِّہٖ مَا اسْتَطَعْتُ عبدالرحمٰن نے عثمان کا رخ کیا اور کہا: کیا آپ اللہ کے سامنے عہد ←

حکومت چلانے کے لیے شیخین کی سیرت پر عمل کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ آپ علیہ السلام نے اپنے اس عقیدے کو کسی لیپ پوت کے بغیر صریحاً بیان فرمایا۔

یوں آپ علیہ السلام حکومت سے محرومی پر آمادہ ہوئے۔ آپ علیہ السلام نے اس اقتدار کو جو آپ علیہ السلام کی نظر میں آپ کا قطعی حق تھا سالہا سال کے لیے کسی اور کے ہاتھوں جاتے دیکھنا گوارا کر لیا جبکہ یہ بھی معلوم نہ تھا کہ یہ محرومی کتنے سالوں پر محیط ہوگی۔ ممکن تھا کہ حضرت عثمانؓ مزید پچیس سال حکومت کرتے جیسا کہ وہ بارہ سال حکومت کرتے رہے، یہ اور بات ہے کہ وہ قتل ہو گئے۔ اگر وہ قتل نہ ہوتے تو شاید زندہ رہتے اور مزید دس سال حکومت کرتے۔

امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کا مقصد اقتدار نہیں تھا۔ جو لوگ اقتدار کے پجاری ہوتے ہیں وہ آسانی کے ساتھ اصولوں سے اور اپنے دین سے دستبردار ہوتے ہیں۔ ان کی نظر میں دین کی اتنی اہمیت نہیں ہوتی جیسا کہ ہم دنیا میں عام طور پر اس بات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ اسلامی معاشروں میں اس قسم کے لوگ دین سے دست بردار ہو جاتے ہیں جبکہ غیر اسلامی معاشروں میں لوگ مثبت اقدار سے دست بردار ہوتے ہیں۔ (۱۰۰)

⇐ کرتے ہیں کہ اگر ہم نے خلافت آپ کے حوالے کی تو آپ اللہ کی کتاب، رسول کی سنت اور ابوبکر وعمر کی سیرت کے مطابق عمل کریں گے؟ عثمان نے جواب دیا: ہاں میں عہد کرتا ہوں کہ میں کتاب خدا، سنت رسول اور ابوبکر وعمر کی سیرت پر عمل کروں گا۔ عبدالرحمٰن نے دوسری بار علی اور عثمان کے سامنے اپنی پیشکش دہرائی۔ پہلے کی طرح علی نے نفی میں اور عثمان نے اثبات میں جواب دیا۔ عبدالرحمٰن نے تیسری بار علی کے سامنے اپنی بات دہرائی۔ علی نے جواب دیا: اِنَّ کِتَابَ اللّٰہِ وَ سُنَّۃَ نَبِیِّہٖ لَا یُحْتَاجُ مَعَھُمَا اِلیٰ اَجِیْرِی اَحَد ۔ اَنْتَ مُجْتَھِدٌ اَنْ تَزْوِیَ ھٰذَا الْاَمْرَ عَنِّیْ ((کتاب خدا اور سنت رسول اس قدر جامع اور کامل ہیں کہ ان کی تکمیل کے لیے کسی اور ضمیمے کی ضرورت نہیں۔ البتہ تو اس شرط کے ذریعے مجھے خلافت سے محروم کرنا چاہتا ہے۔)) عبدالرحمٰن نے یہ جواب سن کر تیسری بار عثمان کو بیعت کی پیشکش کی۔ عثمان نے ابوبکر وعمر کی سیرت پر چلنے کی شرط قبول کر لی۔ یوں وہ خلیفہ بن گئے۔ (دیکھئے تاریخ یعقوبی جلد۲، ص۱۶۲)

ظلم کے سہارے کامیابی نامنظور

تقریباً گذشتہ سو سالوں کے دوران مختلف ممالک اور مختلف معاشروں میں متعدد انقلابات اور تحریکیں جنم لیتی رہی ہیں۔ان میں سے اکثر تحریکوں نے یا سب نے ایسے نعرے اور منشور پیش کیے ہیں جو بہت دلکش اور خوبصورت نظر آتے ہیں لیکن کچھ عرصے بعد یہ لوگ اپنے ابتدائی منشور اور اصولوں سے منحرف ہوتے اور سابقہ نعروں کو بھول جاتے ہیں۔ وہ ان اقدار کو طاق نسیاں کی نذر کردیتے ہیں جنہیں زندہ کرنے کے لیے وہ انقلاب برپا کرتے ہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے جو عصر حاضر میں اور گذشتہ چند دہائیوں کے دوران رونما ہونے والی اکثر تحریکوں اور انقلابات میں نظر آتی ہے۔

یہ دیکھنا بہت اہم ہے کہ انحرافات کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے۔ کیا انقلاب برپا کرنے والے افراد جان بوجھ کر خیانت کرتے ہیں؟ ممکن ہے کہ گاہے بعض لوگ ایسا کریں لیکن غالباً ایسا نہیں ہوتا۔ انحرافات کا آغاز سہل انگاری، بے بند و باری اور اصولوں پر سختی سے کاربند نہ رہنے سے ہوتا ہے۔ اگر کسی نوخیز معاشرے کے ارباب اختیار خود اصولوں کے پابند نہ رہیں تو ان کے قریبی لوگ، ان کے دوست یار اور رشتہ داران کے پاس موجود وسائل سے ناجائز استفادہ کرتے ہیں اور ارباب اختیار رشتہ داری، دوستی اور دیگر مجبوریوں کے باعث اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں نیز انحرافات اور ناجائز تصرفات سے چشم پوشی کرتے ہیں جس کے نتیجے میں طاقتور گھرانوں اور دولتمند خاندانوں کا ظہور عمل میں آتا ہے نیز دنیا میں طاقت اور ثروت پر چند گروہوں اور ٹولوں کی اجارہ داری قائم ہوجاتی ہے۔

اگر ہم صدر اسلام کی تاریخ کا تحقیقی جائزہ لیں تو ہمیں اصولوں سے بے اعتنائی کی مثالیں نظر آئیں گی۔ اس طرح کی بے اصولیوں کی وجہ سے انحرافات وجود میں آئے۔ ممکن ہے کہ یہ انحرافات ابتدا میں بہت معمولی نظر آئیں لیکن جوں جوں وقت گزرتا ہے انحرافات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ اصول، اقدار، اسلام

اور دین اپنی اپنی اصل حقیقت سے ہٹ کرنا قابل شناخت بن جاتے ہیں۔ اگر آپ آغاز اسلام کے سو سال بعد کا اسلام دیکھیں تو آپ کو ایسا اسلامی معاشرہ نظر آئے گا جو عصر رسول سے کوئی شباہت نہیں رکھتا۔

تاریخ اسلام میں امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت کا یہ حقیقی پہلو حیرت انگیز طور پر دلچسپ نظر آتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنی زندگی کے کسی مرحلے میں اسلامی اقدار اور اصولوں سے چشم پوشی نہیں کی۔ جب امیر المومنین علیہ السلام سے کہا گیا: آپ کی حکومت کا نقطۂ آغاز ہے لہٰذا اس حساس موڑ پر اگر آپ با اثر شخصیات کو اقتدار سے ہٹائیں گے تو یہ آپ کی حکومت وخلافت کے لیے نقصان دہ ہوگا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اَتَأمُرُونّی اَنْ اَطْلُبَ النَّصْرَ بِالْجَوْرِ فِیْمَنْ وُلِّیْتُ عَلَیْهِ؟

کیا تم مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ میں اپنی حکومت کو کامیاب بنانے کے لیے رعایا پر ظلم وستم کا سہارا لوں؟

وَاللّٰهِ لَا اَطُوْرُ بِهِ مَا سَمَرَ سَمِیْرٌ وَمَا اَمَّ نَجْمٌ فِی السَّمَاءِ نَجْماً[1]

جب تک دنیا باقی ہے اور جب تک دنیا کا نقشہ اسی طرح برقرار ہے علی ابن ابی طالب ہرگز یہ کام نہیں کرے گا۔ تم کہتے ہو کہ علی شکست کھا جائے گا؟ تو کیا علی شکست سے

---

[1] امیر المومنین علیہ السلام کے بعض اصحاب نے بیت المال کی مساوی تقسیم پر آپ پر تنقید کی تو فرمایا: اَتَأمُرُونّی اَنْ اَطْلُبَ النَّصْرَ بِالْجَوْرِ فِیْمَنْ وُلِّیْتُ عَلَیْهِ؟ وَاللّٰهِ لَا اَطُوْرُ بِهِ مَا سَمَرَ سَمِیْرٌ وَمَا اَمَّ نَجْمٌ فِی السَّمَاءِ نَجْماً۔ لَوْ کَانَ الْمَالُ لِی لَسَوَّیْتُ بَیْنَهُم فَکَیْفَ وَاِنَّمَا الْمَالُ مَالُ اللّٰهِ "کیا تم مجھے یہ حکم دیتے ہو کہ میں اپنی کامیابی کی خاطر ان لوگوں پر ظلم وستم کروں جن کے اوپر میری حکومت قائم ہے؟ اللہ کی قسم جب تک میں زندہ ہوں اور لیل ونہار کی گردش باقی ہے نیز جب تک ستارے ایک دوسرے کے پیچھے طلوع اور غروب ہوتے رہیں گے میں یہ کام ہرگز نہ کروں گا۔ اگر یہ مال میرا ہوتا تب بھی میں اسے لوگوں میں مساوی تقسیم کرتا جبکہ یہ مال تو خدا کا ہے۔" (نہج البلاغہ خطبہ ۱۲۶، ص ۱۸۳)

بچنے کے لیے اسلامی اصولوں اور اقتدار کی خلاف ورزی کرے؟ میں ایسا ہرگز نہیں کرسکتا۔ میں کامیابی حاصل کرنے کی خاطر اپنے عوام پر ہرگز ظلم نہیں کرسکتا۔ (۱۰۱)

سودا بازی نامنظور

امیر المومنین علیہ السلام کی سیاسی زندگی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ اپنے دورِ حکومت میں کبھی بھی سودا بازوں کے دباؤ میں نہیں آئے۔ حکمرانوں پر دباؤ کے ذریعے سودا بازی کرنا ہر دور میں رائج رہا ہے۔ حکمران اگرچہ معاشرے کا سب سے طاقتور فرد ہوتا ہے لیکن وہ بعض سودا بازوں اور بلیک میلروں کے آگے مجبور ہو کر ان کے باجگزار بن جاتے ہیں۔ کیوں؟ اپنے اقتدار کی حفاظت کے لیے اور مخالفین کا منہ بند کرنے کے لیے۔ یہی باجگزاری حکمرانوں کے انحطاط و انحراف کا نقطہ آغاز اور حق سے روگردانی کی ابتداء ہے۔ حکمران کسی مصلحت کے پیش نظر بعض سودا بازوں کے باجگزار بن جاتے ہیں یعنی ان کے ناجائز دباؤ اور غلط توقعات کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ ان کے آگے سر جھکانا ایک بڑی کمزوری ہے جو اسے بار بار سر جھکانے پر مجبور کرتی ہے اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کسی کے دباؤ میں نہیں آئے۔ آپ علیہ السلام نے کسی کی غلط توقعات کے آگے سر نہیں جھکایا۔ حضرت عثمان کے مخالفین جو ان کے خلاف سرگرم عمل رہے تھے، دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک گروہ امیر المومنین علیہ السلام کے طرفداروں پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ بصرہ، عراق اور عالم اسلام کے دیگر علاقوں سے تعلق رکھتے تھے اور عثمانی حکومت سے نالاں تھے۔ حکومت کے مخالفین زیادہ تر یہی لوگ تھے۔[1] دوسرے گروہ کے لوگ امام علی علیہ السلام کے بھی دشمن تھے۔ یہ گروہ اس دور کی معروف شخصیات پر مشتمل تھا۔ انہیں علی اور عثمان دونوں سے دشمنی تھی۔ ان میں حضرت عائشہ، طلحہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد زبیر جیسی شخصیات شامل تھیں۔ یہ لوگ حضرت عثمان کے سخت مخالف اور قلبی دشمن تھے۔ یہ سب

---

[1] ان میں عمار یاسر، مالک اشتر، محمد بن ابی بکر اور ان کے بہت سارے حامی شامل تھے جنہوں نے اپنی شرعی ذمہ داری کے طور پر قیام کیا تھا۔ ان کے سامنے رضائے الٰہی کے علاوہ اور کوئی مقصد نہ تھا۔

امیر المومنین علیہ السلام سے غلط توقعات رکھتے تھے۔ پہلے گروہ نے جو کچھ کیا تھا اپنے اعتقاد کے مطابق کیا تھا۔ اس لیے وہ امام علیہ السلام سے غلط توقعات نہیں رکھتے تھے لیکن دوسرا گروہ امام سے بہت سی توقعات وابستہ کیے ہوئے تھا۔ مگر امیر المومنین علیہ السلام نے ان کی کسی توقع کو پورا نہیں کیا۔ انہی لوگوں میں سے بعض نے ابتداء میں امام علیہ السلام سے کہا:

> اے امیر المومنین! مصلحت کا تقاضا ہے کہ فی الحال آپ معاویہ کو شام کی حکومت سے نہ ہٹائیں۔ کچھ دنوں بعد جب آپ کی حکومت مضبوط ہو جائے گی تو اسے ہٹا لیجیے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

> میں معاویہ کو ایک دن کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔[1]

---

[1] امیر معاویہ کو شام کی گورنری پر باقی رکھنے کا مشورہ دینے والوں میں سے ایک مغیرہ بن شعبہ تھا۔ اس نے امام سے کہا: آپ معاویہ کو خوب پہچانتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اسے سابقہ حکمرانوں نے شام کا والی بنایا تھا۔ (یعنی معاویہ کے غلط کاموں کی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی۔) میری تجویز یہ ہے کہ آپ اسے شام کی گورنری پر برقرار رکھیں یہاں تک کہ حکومت کے معاملات سلجھ جائیں اور نظام حکومت مضبوط ہو جائے۔ اس کے بعد آپ معاویہ کو معزول کر سکتے ہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: اَتَضْمَنُ لِیْ عُمْرِیْ یا مُغِیْرَةُ فِیْمَا بَیْنَ تَوْلِیَتِهِ اِلیٰ خَلْعِهِ؟ ((اے مغیرہ! کیا تم ضمانت دیتے ہو کہ میں معاویہ کو برقرار رکھنے سے لے کر معزول کرنے تک زندہ بھی رہوں گا؟)) مغیرہ نے کہا: "میں ایسی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا۔" امام علیہ السلام نے فرمایا: لَا یَسْئَلُنِی اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْ تَوْلِیَتِهِ عَلیٰ رَجُلَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ لَیْلَةً سَوْدَاءَ اَبَداً وَمَا کُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّیْنَ عَضُداً لٰکِنْ اَبْعَثُ اِلَیْهِ وَاَدْعُوْهُ اِلیٰ مَا فِیْ یَدِیْ مِنَ الْحَقِّ، فَاِنْ اَجَابَ فَرَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ، لَهُ مَا لَهُمْ وَعَلَیْهِ مَا عَلَیْهِمْ، وَاِنْ اَبیٰ حَاکَمْتُهُ اِلَی اللّٰهِ ((یعنی میں ایسا طرز عمل اختیار کروں گا کہ معاویہ کو حاکم بنانے کے جرم میں اللہ مجھ سے مواخذہ نہ کرے اگرچہ اس کی حکمرانی ایک تاریک رات کے لئے ہی کیوں نہ ہو اور وہ بھی صرف دو افراد پر۔ میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار نہیں بناؤں گا۔)) (سورہ کہف آیت ۵۱) میں پہلی فرصت میں ہی معاویہ کے پاس کسی کو بھیجوں گا اور اسے اس حق کی طرف دعوت دوں گا جو میرے قبضے میں ہے۔ پس اگر وہ مثبت جواب دے تو اس کے ساتھ ایک عام مسلمان کا سا سلوک کیا جائے گا۔ اس کا فائدہ اور نقصان عام مسلمانوں جیسا ہو گا لیکن اگر وہ انکار کرے تو میں اس کا معاملہ اللہ کے حوالے کروں گا اور اپنی شرعی ذمہ داری ادا کروں گا۔ (امالی طوسی مجلس ۳، حدیث ۳۲، ص ۸۶)

کچھ لوگوں نے امام علیہ السلام کو نصیحت کی کہ آپ معاشرے اور شہر مدینہ کے با اثر افراد مثلاً طلحہ، زبیر اور سعد ابن ابی وقاص وغیرہ کے ساتھ زیادہ نرم اور دوستانہ رویہ اختیار کریں یعنی ان کی توقعات کے آگے لچک کا مظاہرہ کریں لیکن امام علیہ السلام نے اس تجویز کو قبول نہیں کیا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی بیعت کے وقت فرمایا:

دَعُوْنِیْ وَالْتَمِسُوْا غَیْرِی وَاعْلَمُوا اَنّی اِنْ اَجَبْتُکم رَکِبْتُ بِکُم مَا اَعلَمُ[1]

جان لو اگر میں تمہاری دعوت کو قبول کرتے ہوئے خلافت قبول کرلوں تو میں اپنی صوابدید کے مطابق چلوں گا۔ یہ خیال دل سے نکال دو کہ تم لوگوں کی پسند و ناپسندی میری پالیسیوں پر اثر انداز ہو سکیں گی۔

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ امام علیہ السلام اس قدر فیصلہ کن اور سخت موقف اختیار نہیں کریں گے لیکن بعد میں انہوں نے دیکھا کہ امام علیہ السلام نے تو فیصلہ کن اقدام کیا ہے۔ امام کی اسی فیصلہ کن پالیسی نے آپ علیہ السلام کو جنگوں، مشکلات اور مسائل سے دوچار کیا۔ یہ تمام مسائل اس لیے پیدا ہوئے کیونکہ امام علیہ السلام نے ٹھوس اصولی پالیسی اختیار کی اور عدل کے تقاضوں پر عملدرآمد کیا۔ (۱۰۲)

---

[1] قتل عثمان کے بعد جب لوگوں نے امام علیہ السلام کے پاس آکر آپ سے حکومت قبول کرنے کی درخواست کی تو آپ نے ان سے فرمایا: دَعُوْنِیْ وَالْتَمِسُوْا غَیْرِی مجھے چھوڑ دو اور کسی دوسرے کو تلاش کرو کیونکہ ہم ایک ایسی چیز کی طرف جا رہے ہیں جو مختلف چہروں اور متعدد جہات کی حامل ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس پر دلوں کو استحکام اور عقلوں کو استقرار حاصل نہیں ہوگا۔ حقیقت کے چہرے کو خرابیوں اور فتنوں کے سیاہ بادلوں نے ڈھانپ لیا ہے اور صراط مستقیم اجنبی بن گیا ہے۔ آگاہ رہو! اگر میں تمہاری پیشکش قبول کرلوں تو میں اپنے علم کے مطابق عمل کروں گا۔ میں لوگوں کی باتوں اور ملامت کرنے والوں کی ملامت پر کان نہیں دھروں گا۔ اگر تم لوگ مجھ سے دست بردار ہو جاؤ تو میں تمہاری طرح کا ایک فرد رہوں گا۔ پھر شاید میں حکومت کے سربراہ کا تم لوگوں سے بڑھ کر مطیع رہوں گا۔ اس صورت میں اگر میں وزیر اور مشیر کے طور پر کام کروں تو یہ اس بات سے بہتر ہوگا کہ میں تمہارا امیر بن جاؤں۔

(نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۹۲، ص ۱۳۶۔)

بے جا توقعات کی حوصلہ شکنی

امیر المومنین علیہ السلام کے سریر آرائے خلافت ہونے کے پہلے دن سے ہی بے جا توقعات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اسلام کے بہت سارے معروف چہرے امیر المومنین علیہ السلام سے اس لئے کنارہ کش ہو گئے کیونکہ ان کی بے جا توقعات پوری نہیں ہوئیں۔ جن لوگوں نے امیر المومنین علیہ السلام سے کنارہ کشی اختیار کی وہ عصر رسول کے صحابہ، بزرگان اور معروف و معزز چہرے تھے لیکن چونکہ انسان ضعیف النفس واقع ہوا ہے لہٰذا بعض اوقات نفسانی خواہشات انسان کو درست فیصلہ کرنے نہیں دیتیں۔ اسی لیے مذکورہ معروف شخصیات میں سے بعض نے امیر المومنین علیہ السلام کا ساتھ چھوڑ دیا۔ آج عالم اسلام میں ایک شخص بھی ایسا نہیں پایا جاتا جو امیر المومنین علیہ السلام کا ساتھ چھوڑنے والے اصحاب کی ملامت نہ کرتا ہو۔ البتہ جو لوگ اس کنارہ کشی کو معیوب نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے توبہ کی تھی یا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اشتباہ کیا تھا۔ بہرحال کوئی شخص ایسا نہیں جو اس کنارہ کشی کی تعریف کرے۔ خلاصہ یہ کہ بہت سے لوگ اس غیر پسندیدہ امر کے مرتکب ہوئے۔ کیوں؟ کیونکہ امیر المومنین علیہ السلام بے جا توقعات کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

ان بے جا توقعات میں سے ایک معاویہ کو شام کی گورنری پر باقی رکھنے کی توقع تھی۔ امیر المومنین علیہ السلام معاویہ کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام اور معاویہ سرے سے قابل موازنہ نہیں ہیں۔ یہ تاریخ کا بدترین ظلم ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام اور معاویہ کو ایک ہی عینک سے دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام وہ ہیں جس نے سب سے پہلے دعوت اسلام کو قبول کیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قُولُوا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا نعرہ بلند کیا تو سب سے پہلے امیر المومنین علیہ السلام نے اس کا مثبت جواب دیا۔ اس کے بعد آپؑ نے اپنی باقی ماندہ زندگی (یعنی قریباً پچاس سال) اس دین کی راہ میں دل کی گہرائیوں سے جدوجہد کرنے میں گزار دی۔ آپ علیہ السلام نے عشق دین کے جذبے سے سرشار ہو کر جہاد کیا، ہزار بار اپنی زندگی

کو داؤ پر لگایا اور ہزاروں بار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی، اسلام کی مقدس اقدار، اسلامی قوانین اور حقیقی مومنین کی حفاظت فرمائی۔ آپ علیہ السلام کو ایک رات بھی آرام وسکون کے ساتھ گزارنے کی فرصت نہیں ملی۔ آپ علیہ السلام ہر قسم کی مشکلات سہتے رہے۔

یہ وہ امیر المومنین ہیں جن کی معرفت، زہد، تقویٰ، جہاد، دنیا سے بے اعتنائی، علم، تفقہ اور دیگر بے شمار خصوصیات نے آپ کو ایک ناقابل تصور عظیم شخصیت بنا دیا تھا۔

اس کے برعکس امیر معاویہ وہ ہیں جس نے اس وقت تک ایمان قبول نہیں کیا تھا جب امیر المومنین علیہ السلام دعوت اسلام پر لبیک کہہ چکے تھے۔ جب امیر المومنین علیہ السلام اسلام کا دفاع کر رہے تھے اس وقت جناب معاویہ، ان کے باپ، ان کے بھائی اور ان کے خویش واقارب اسلام اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف مصروف جنگ تھے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری تیرہ سالہ مکی زندگی میں ایک طرف سے آنحضرتؐ اور دوسری طرف سے ابوسفیان، اس کے بیٹوں اور امیر معاویہ کے مابین دشمنی، اختلاف اور نزاع کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی تو اس کے بعد بھی ان لوگوں اور آپ کے درمیان ہمیشہ جنگ اور کشمکش کی صورتحال برقرار رہی۔ بدر، احد، احزاب اور ۸ھ تک کی جنگوں میں امیر المومنین علیہ السلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب تھے جبکہ امیر معاویہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدمقابل تھے۔

اسلام کے خلاف محاذ آرائی کا یہ سلسلہ فتح مکہ تک جاری رہا۔ فتح مکہ کے بعد ابوسفیان اور تمام شکست خوردہ عناصر مسلمان ہوئے۔ امیر معاویہ بھی اسی دوران مسلمان ہوئے۔

اب ان دو شخصیتوں کا مطالعہ کیجئے۔ ان میں سے ایک اسلام کے آغاز سے ہی اسے اپنی آغوش میں جگہ دیتا ہے، اسے پروان چڑھاتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے، اس کی راہ میں تلوار چلاتا ہے اور آخرکار انہی تلواوں کے سایے میں مکہ فتح ہوتا ہے جبکہ اس کے برعکس امیر معاویہ اس پوری مدت میں اسلام کے دائرے سے باہر رہے، اسلام سے

برسرپیکار رہے اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فتح کے بعد جان کے خوف سے سرِ تسلیم خم ہوئے۔

اب کیا یہ دونوں شخصیات قابل مقایسہ ہیں؟ توجہ رہے کہ امیر المومنین علیہ السلام اور امیر معاویہ کے مابین جس فاصلے کا ذکر ہو چکا وہ ان دونوں کے حقیقی فاصلے سے کہیں کم اور چھوٹا ہے۔ بہر حال امیر المومنین علیہ السلام معاویہ کو حکمرانی اور گورنری کیلئے مناسب فرد نہیں سمجھتے تھے۔ اسی لئے آپ علیہ السلام نے خلافت کے ابتدائی ایام بلکہ شاید ابتدائی گھڑیوں میں ہی (جب آپ والیوں کو منصوب کرنے میں مشغول تھے) امیر معاویہ کو معزول کر دیا۔[1]

کچھ لوگوں نے کہا:

> اے امیر المومنین! معاویہ کو معزول کرنا جلد بازی ہے۔
> ابھی اس کام کو ملتوی کیجئے۔ جب آپ کی حکومت مضبوط
> ہو جائے تو یہ اقدام کیجئے۔

فرمایا:

> میں ایک دن کے لیے بھی معاویہ کو برداشت نہیں کر سکتا۔
> کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ظلم اور تعدی کے ذریعے کامیابی
> حاصل کروں؟

یہ ہے امیر المومنین علیہ السلام کا وہ جذبہ جو باطل کے ساتھ سازباز یا نباہ سے مبرا تھا۔ امام علیہ السلام کے اسی شفاف اور دوٹوک طرز عمل کی وجہ سے آپ علیہ السلام کے مختصر دورِ خلافت میں آپ

---

[1] بیعت کے فوراً بعد امیر المومنین علیہ السلام نے معاویہ کو یوں خط لکھا: بندۂ خدا امیر المومنین علی کی طرف سے معاویہ ابن ابی سفیان کے نام۔ اما بعد! بے شک تم لوگوں پر میرے اتمام حجت اور تم سے میرے اعراض کا تجھے بخوبی علم ہے یہاں تک کہ جس امر کا واقع ہونا ناگزیر تھا وہ ہو چکا۔ گفتگو طویل اور داستان دراز ہے۔ ماضی گزر چکا اور مستقبل سامنے ہے (ان باتوں سے فی الحال چشم پوشی کرتے ہیں) اب تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ وہاں کے لوگوں سے میری بیعت لو اور اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ میرے پاس چلے آؤ۔ والسلام۔ (نہج البلاغہ صبحی صالح، مکتوب ۷۵، ص ۳۶۴)

کے راستے میں قسم قسم کے مسائل، مشکلات اور بحرانوں نے سر اٹھایا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سبق آموز، عبرت انگیز اور ہنگامہ خیز تاریخ کے ایک ایک گوشے کی تشریح لوگوں کے سامنے پیش کی جائے نیز منصفانہ اور عالمانہ انداز میں ان پر تجزیہ اور تحقیق عمل میں آئے۔ (۱۰۳)

طلحہ وزبیر کے مطالبات اور امامؑ کی اصول پسندی

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی خلافت کے آغاز میں طلحہ وزبیر سے ایک جملہ فرمایا تھا جس سے آپ کا دوٹوک اصولی موقف صاف ظاہر ہوتا ہے۔ طلحہ وزبیر امیر المومنین علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے:

> اے امیر المومنین! آپ جن گورنروں، حاکموں اور والیوں کو نصب فرماتے ہیں ان کے بارے میں ہم سے مشورہ کیوں نہیں لیتے؟ آپ کو چاہیے کہ ہم سے بھی مشورہ لیں اور ہمارا نقطہ نظر بھی معلوم کریں۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

> مجھے اس خلافت کا کوئی شوق نہیں تھا جس کی تم لوگوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ اُسے تو تم لوگوں نے میرے اوپر ٹھونسا ہے۔ تم لوگوں نے خود ہی میری بیعت کی تھی اور مجھ سے مطالبہ کیا تھا کہ میں اس سنگین ذمہ داری کو قبول کروں۔ اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے بعد میں نے قرآن پر نگاہ ڈالی اور دیکھا کہ قرآن نے ہمارے لیے بعض اصول وقوانین وضع کیے ہیں۔ سو میں نے ان اصولوں اور قوانین کی پیروی کی۔
>
> نَظَرْتُ اِلیٰ کِتَابِ اللّٰہِ وَ مَا وَضَعَ لَنَا وَ اَمَرَنَا بِالْحُکْمِ بِهٖ فَاتَّبَعْتُهٗ
>
> پھر فرمایا: وَ مَا اسْتَنَّ النَّبِیُّ فَاقْتَدَیْتُهٗ

اور میں نے سنت رسول پر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دورِ
حکومت میں آپؐ کی سیرت پر نظر کی پھر اس کی اقتدا کی۔
فَلَمْ اَحْتَجْ فِی ذَالِكَ اِلیٰ رَاْیِکُمَا وَلَا رَاْیِ غَیْرِکُمَا
پس مجھے آپ دونوں کی رائے یا دوسرے لوگوں کی رائے کی
ضرورت نہیں رہی۔[1]

اس فرمان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام مشورہ کرنے کے مخالف تھے۔ آپ علیہ السلام یقیناً مشورہ فرماتے تھے۔ آپ علیہ السلام کی زندگی باہمی مشورت والی زندگی تھی۔ امیر المومنین علیہ السلام کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ آپ خلیفۂ سوم کے دور میں وجود میں آنے والے مراعات یافتہ طبقے کو قبول نہیں کر سکتے تھے کیونکہ یہ طبقہ اپنے آپ کو بیت المال کا حصہ دار اور مسلمانوں کے امور کا اجارہ دار سمجھنے لگا تھا۔ یہ طبقہ اپنی رائے اور اپنے نقطۂ نظر کو لازم العمل گردانتا تھا۔ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ امور مسلمین میں تصرف کا حق صرف انہیں حاصل ہے نیز مسلمان حکمرانوں کو ان کے اشارے پر چلنا چاہیے۔

یہ ہے امیر المومنین علیہ السلام کا وہ اٹل اصولی موقف جس کے بارے میں آپ علیہ السلام کسی قسم کے سمجھوتے، ساز باز یا ڈیل کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ آپ کی سیرت میں اس اصول پسندی کے مزید نمونے بھی نظر آتے ہیں مثلاً امیر المومنین علیہ السلام نے نماز تراویح وغیرہ کو نہایت سختی کے ساتھ رد کیا جو آپ علیہ السلام کے پیشرو خلفا کی رائے کے نتیجے میں دین میں داخل ہو گئے تھے۔ آپ علیہ السلام نے صرف اسی چیز کو معیارِ عمل قرار دیا جو آپ کی نظرِ عصمت میں اسلام اور قرآن وسنت کا حکم تھا۔ یہ امیر المومنین علیہ السلام کے ناقابل سمجھوتہ اصولی طرزِ عمل کا ایک جلوہ ہے۔ (۱۰۴)

نصب وعزل میں امامؑ کا اصولی موقف

امام علیہ السلام کے بے لچک اصولی موقف کا ایک اور نمونہ نصب وعزل کے میدان میں نظر آتا ہے۔ جن اقدار اور اصولوں کی بنا پر کسی شخص کو کوئی معاشرتی منصب سونپا جاتا ہے

---

[1] طلحہ وزبیر کو امیر المومنین علیہ السلام کے جواب کا مکمل متن ضمیمہ نمبر ۱۸ میں ملاحظہ ہو۔

وہ مشخص اور معین ہوتے ہیں۔ ہر شخص کو ہر منصب پر فائز نہیں کیا جا سکتا بلکہ مطلوبہ صلاحیت، لیاقت اور میرٹ کے حامل لوگوں کو ہی سرکاری اور معاشرتی مناصب پر فائز کیا جاتا ہے۔ اگر کچھ لوگوں میں یہ صلاحیتیں موجود نہ ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ برے لوگ ہیں بلکہ یہ ہے کہ وہ اس کام کے لیے مناسب نہیں اور انہیں کسی دوسرے کام کی ذمہ داری سنبھالنی چاہئے۔

امیر المومنین علیہ السلام کی حکومت میں اس اصول کی سختی سے رعایت کی جاتی تھی۔ یہاں ہم بطور نمونہ ایک قابل ذکر واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جب شامیوں نے مصر پر حملہ کیا تو امیر المومنین علیہ السلام نے محسوس کیا کہ مصر کے گورنر محمد بن ابی بکر کو ہٹا کر ان کی جگہ مالک اشتر کو منصوب کرنے کی ضرورت ہے۔ محمد بن ابی بکر امام علیہ السلام کے قریبی ساتھی اور شاگردِ خاص تھے[1] لیکن امیر المومنین علیہ السلام کو ایک زیادہ طاقتور گورنر کی ضرورت تھی جو مصر کو بچا سکے۔ یہ طاقتور مرد مالک اشتر تھے۔ اگرچہ مالک اشتر مصر پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں ایک قاتلانہ اقدام کے نتیجے میں شہید کر دیے گئے لیکن ان کی اضافی صلاحیتوں کے باعث امیر المومنین علیہ السلام نے محمد بن ابی بکر کو معزول کر کے انہیں منصوب کیا۔ محمد بن ابی بکر امیر المومنین علیہ السلام کے بہترین حامیوں میں سے ایک اور آپ کی اولاد کے مانند تھے۔ امام علیہ السلام محمد سے غیر معمولی محبت رکھتے تھے لیکن جب آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ مصر کی حکومت کے لیے محمد بن ابی بکر سے زیادہ مناسب اور شائستہ فرد موجود ہے تو آپ محمد کو معزول کرتے ہیں اور ان کی جگہ مالک اشتر کو منصوب فرماتے ہیں۔

محمد بن ابی بکر اپنی معزولی سے ناخوش ہوئے اور امام کو ایک شکایت آمیز خط لکھ بیٹھے۔ امام علیہ السلام نے انہیں جواب لکھا:

> میں نہ تجھ سے بدظن ہوں اور نہ میں نے تجھے حقیر اور معمولی سمجھا ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ مالک اشتر اس منصب

---

[1] محمد بن ابی بکر کے حالات ضمیمہ نمبر ۶ میں ملاحظہ ہوں۔

کے لیے زیادہ موزوں تھا۔[1]

امیر المومنین علیہ السلام کے ان اقدامات، آپ علیہ السلام کے طرز عمل نیز اسلامی اقدار اور اصولوں پر سو فیصد کاربند رہنے کی وجہ سے آپ علیہ السلام کی شخصیت عالمگیر، تاریخی اور ناقابل فراموش حیثیت کی حامل اور مسلمانوں کے اذہان میں ایک افسانوی کردار بن گئی۔ (۱۰۵)

شرعی حدود کے نفاذ میں امام کی اصول پسندی

شاعری اس دور کا واحد ذریعۂ ابلاغ یا اہم ترین ذریعۂ ابلاغ تھی۔ شعر و شاعری کے ذریعے لوگوں کے قلوب و اذہان کو رام کیا جا سکتا تھا۔ اس دور کے معاشرے میں شاعر کو بڑا مقام حاصل تھا کیونکہ وہ ماحول کو بدل سکتا تھا۔ اس دور کا شاعر غالباً ہمارے دور کے ذرائع ابلاغ کا کردار ادا کرتا تھا۔ عرب معاشرے میں شاعری کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ لوگ اشعار کو جلد یاد کرتے اور زبان بہ زبان نقل کرتے تھے۔ بنابریں اسے عصر حاضر کے ذرائع ابلاغ کی حیثیت حاصل تھی۔ اس قسم کے ماحول میں نجاشی علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا حامی شاعر تھا۔ امام علیہ السلام کو خبر ملی کہ نجاشی نے ماہ رمضان میں

---

[1] امیر المومنین علیہ السلام نے محمد بن ابی بکر کو جو خط لکھا اس میں اسے تسلی دیتے ہوئے اور اس کی معزولی کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: امابعد! مجھے خبر ملی ہے کہ تمہاری جگہ اشتر کو گورنر بنانے پر تم ناراض ہوئے ہو۔ میرا یہ اقدام اس لیے نہ تھا کہ تم نے اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں سستی سے کام لیا ہے اور نہ اس لیے کہ تم مزید جدوجہد سے کام لو۔ اگر میں نے تمہارے ہاتھوں سے اختیار سلب کیا ہے تو میں تمہیں ایک ایسی جگہ کا والی بناؤں گا جس کا کام تیرے لیے آسان تر ہوگا اور جس پر حکومت تیرے لیے زیادہ پسندیدہ ہوگی۔ جس شخص کو میں نے مصر کا گورنر بنایا تھا وہ ہمارا خیر خواہ جبکہ ہمارے دشمنوں کے معاملے میں سخت گیر اور ان کی سرکوبی کرنے والا تھا۔ خدا اس پر رحمت کرے کہ اس کے دن پورے ہوگئے اور وہ موت سے ہمکنار ہوگیا جبکہ ہم اس سے راضی تھے۔ اللہ اسے اپنی خوشنودی سے نوازے اور اس کے اجر کو کئی گنا کرے۔ پس (اب) تم اپنے دشمن سے جنگ کے لیے لشکر کو باہر نکالو اور اپنی فہم و فراست کے مطابق دشمن کے مقابلے کے لیے نکل پڑو۔ تمہارے ساتھ لڑنے والے دشمن کے ساتھ لڑنے کے لیے کمر ہمت باندھ لو اور لوگوں کو اپنے رب کے راستے (میں جہاد) کی طرف دعوت دو۔ اللہ سے زیادہ سے زیادہ مدد طلب کرو کہ انشاء اللہ وہ تیری مشکلات کو حل کرے گا اور تمہارے اوپر نازل ہونے والے شدائد میں تمہاری مدد فرمائے گا۔ (نہج البلاغہ صبحی صالح۔ مکتوب ۳۴، ص ۴۰۸)

شراب نوشی اور غیر ذمہ دارانہ حرکت کی ہے۔ امام علیہ السلام کے حکم سے اسے حاضر کیا گیا اور آپؑ نے اس پر شراب نوشی کی شرعی حد جاری کر دی۔ علاوہ ازیں ماہ رمضان کی حرمت پامال کرنے پر اسے چند اضافی تازیانے بھی مارے گئے۔

نجاشی کے دوست اور قبیلہ والے (جو غالباً قبیلہ حمدان سے تعلق رکھتے تھے) امیر المومنین علیہ السلام کے پاس آئے اور بولے: "یہ آپ نے کیا کر دیا؟" عبارت کچھ یوں ہے:

> مَا کُنَّا نَریٰ اَھلَ المَعصِیَۃِ وَالطَّاعَۃِ سِیَّان فی الجزآء حتیٰ رَاَینا مَا کانَ مِن صَنِیعِکَ بِاَخِی الحَارِث

بولے:

> یا امیر المومنین! قبل ازیں ہمارا خیال نہیں تھا کہ (آپ کے نزدیک) دوست اور اطاعت گزار، مخالفوں اور نافرمانوں کے برابر ہوں گے۔ لیکن نجاشی پر آپ نے جو حد جاری کی ہے اس سے ہم نے یہ جان لیا ہے کہ آپ کی نظر میں دوست دشمن سب برابر ہیں۔ کیا آپ اپنے خدمتگاروں اور مخالفین میں فرق پہچان نہیں سکتے یا (عمداً) فرق روا نہیں رکھتے؟ آپ نے اس کے ساتھ یہ کیا کیا ہے؟
> فَحَمَلتَنا عَلَی الجَادَّۃَ الَّتِی کُنا نَریٰ اَنَّ سَبِیلَ مَن رَکِبَھَا النَّارُ ((آپ نے اپنے ہاتھوں ہمیں ایسے راستے پر ڈال دیا ہے جس کے بارے میں ہمارا خیال تھا کہ اس پر چلنے والا جہنمی ہے۔))

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد بھی کچھ لوگ دھمکی دیتے اور کہتے تھے:

> ہمارے ساتھ امام خمینیؒ اور حکومت کا جو رویہ ہے اس کے

باعث ہم مجبور ہوں گے کہ فلاں دشمن کے پاس پناہ لیں۔

گویا دشمن کے پاس پناہ لینا خود ان کی بہ نسبت حکومت کے لیے زیادہ برا ہو۔

یہی دھمکی امیر المومنین علیہ السلام کو دی جارہی ہے کہ:

آپ نے اپنے اس اقدام کے ذریعے ہمیں وہاں جانے پر مجبور کیا جہاں ہم تا بحال جانا نہیں چاہتے تھے۔

ان لوگوں کے جواب میں امام علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا وہ عجیب ہے۔ آپ نے اس مسئلے کو غیر جذباتی اور حقیقت پسندانہ انداز میں لیتے ہوئے فرمایا:

یَا اَخا بَنِی نھد! اے نہدی بھائی!

یَـا اَخا نهد هَل هُوَ اِلّاَ رَجُلٌ مِن المُسلِمِینَ اِنْتَهَکَ حُرمَةَ مَن حَرَّمَ اللّٰـه؟ فَاَقَمـنا عَلیهِ حَدًّا کانَ کفّارتَه؟[1]

آخر ہوا کیا ہے؟ کیا آسمان ٹوٹ پڑا ہے؟ وہ (نجاشی) بھی تو ایک مسلمان ہے جس نے ایک جرم کا ارتکاب کیا تو ہم نے اس پر شرعی حد جاری کر دی۔ یہ خود اس کے لیے بھی بہتر ہے۔

زکـاةٌ له وَ تطهیراً اس پر ہم نے جو حد جاری کی ہے وہ اسے پاک کرے گی۔ اس حد سے اس کی روحانی و باطنی تطہیر ہوگی۔

ملاحظہ ہو کہ امیر المومنین علیہ السلام کی نظر میں آپ علیہ السلام کا اقدام سو فیصد اصولی تھا۔ اس کے برعکس دنیا کے دیگر مقتدر حلقوں کا رویہ مختلف ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ معمولی اختیارات کے حامل لوگ (جو مطلق یا زیادہ اختیار نہیں رکھتے) بھی احکام وقوانین اور شرعی حدود پر عملدرآمد کے وقت اپنے دوستوں اور دشمنوں میں امتیاز برتتے ہیں لیکن علی ابن ابی طالب علیہ السلام کوئی فرق روا نہیں رکھتے تھے۔ (۱۰۶)

---

[1] نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۸۹۔

تاریخ عالمؑ میں علیؑ کی بقا کا راز

تاریخ عالم میں علی علیہ السلام کی سیرت اور علیؑ کے راستے کی بقاء آپ کے اٹل اصولی موقف کی مرہون منت ہے۔ علی ابن ابی طالب علیہ السلام وہی ہے جس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت تک اس دور کے وسیع وعریض اسلامی مملکت کے شہروں میں نماز کے بعد سب وشتم اور لعن کیا جاتا تھا[1] علی ابن ابی طالب علیہ السلام وہی ہے جس کی قبر ہارون رشید کے دور تک مخفی اور پوشیدہ رہی تھی[2] لیکن تاریخ کے اس قدر مظلوم انسان کا نام آج دنیا میں اس طرح روشن، تابندہ اور زندہ ہے کہ غیر مسلم لوگ بھی علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو عالم انسانیت کے لئے اسوہ کامل اور کمالات کے نمونے کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ تاریخ انسانیت میں آپ علیہ السلام کا اس طرح سے ہمیشہ زندہ و پائندہ اور باقی رہنا آپ علیہ السلام کی اٹل اصول پسندی کا ثمرہ ہے۔(۱۰۷)

---

[1] ابن ابی الحدید رقمطراز ہیں: معاویہ نے شام، عراق اور دوسرے مقامات پر لوگوں کو حکم دیا کہ وہ علی پر سب وشتم کریں اور آپ سے بیزاری کا اظہار کریں۔ اس حکم کے بعد عالم اسلام کے تمام منبروں سے علیؑ پر سب ولعن کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ کام بنی مروان اور بنی امیہ کے دور میں عام معمول بن گیا یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز برسر اقتدار آئے اور انہوں نے اس قبیح رسم کو ختم کیا۔ معاویہ نماز جمعہ کے خطبے کے آخر میں یوں کہا کرتے تھے: پروردگارا! بہ تحقیق ابو تراب تیرے دین میں کفر کا مرتکب ہوا۔ اس نے لوگوں کو تیرے دین سے باز رکھا۔ خدایا تو اس پر سخت لعنت فرما اور اسے دردناک عذاب سے دوچار فرما۔ معاویہ نے یہی جملے تحریری شکل میں تمام مسلمان علاقوں میں بھیج دیے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز کے دور تک تمام منبروں سے یہی الفاظ دہرائے جاتے رہے۔ بنی امیہ کے بعض لوگوں نے معاویہ سے کہا: آپ اپنے مقصود کو پا چکے ہیں۔ اب مناسب ہے کہ اس مرد پر لعن کا سلسلہ بند کیا جائے۔ معاویہ نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم، میں اس کام سے دست بردار نہیں ہوں گا یہاں تک کہ بچے اس شخص پر سب وشتم کی فضا میں پروان چڑھیں اور سالخوردہ لوگ اسی ماحول میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ جائیں نیز کوئی شخص اس کی کوئی فضیلت نقل نہ کرے۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۵۶)

[2] امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے فرزند امام حسن مجتبیٰؑ کو آپ کے لیے درج ذیل چار مقامات پر قبر تیار کرنے کا حکم دیا تھا: مسجد کوفہ میں، شہر کے میدان رحبہ میں، نجف میں اور جعدہ بن ہبیرہ کے گھر میں تاکہ (آپ کے دشمنوں کو آپ کی قبر کا پتہ نہ چل سکے۔ (فرحۃ الغری ص ۳۲، بحار الانوار ج ۴۲ ص ۲۱۴)

اکیسویں فصل

■ اندرونی جنگوں میں امامؑ کی فیصلہ کن پالیسی

تین جنگیں جو امامؑ پر مسلط کی گئیں

تین اندرونی جنگوں میں امیر المومنین علیہ السلام کی فیصلہ کن پالیسی اور آپ علیہ السلام کی اصول پسندی آپ کی زندگی سے ملنے والے عظیم اسباق میں سے ایک ہے جس میں زبردست غور وفکر کی ضرورت ہے۔ ان جنگوں کی خاص بات یہ ہے کہ یہ تینوں جنگیں امام علی علیہ السلام پر زبردستی مسلط کی گئیں۔ ان میں سے کوئی جنگ آپ علیہ السلام کی طرف سے نہیں چھیڑی گئی۔

نامور شخصیات کے ساتھ امام علیہ السلام کا رویہ

جنگ جمل جناب طلحہ اور جناب زبیر[1] کی عسکری قیادت میں امام علیہ السلام کے خلاف

---

[1] طلحہ بن عبید اللہ ایک بہادر صحابی تھے جن کا شمار ابتدائی مسلمانوں میں ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ طلحہ نے جنگ احد میں شرکت کی اور ۲۴ زخم اٹھائے۔ طلحہ کا شمار حضرت عثمان کے خلاف ہونے والی بغاوت کے بنیادی کرداروں اور لوگوں کو بغاوت پر اکسانے والوں میں ہوتا ہے۔ وہ سب سے پہلے علی علیہ السلام کی بیعت کرنے والوں میں شامل تھے اور بیعت شکنی کرنے والوں میں بھی سرفہرست نظر آتے ہیں۔ علوی حکومت کے خلاف جنگ جمل میں طلحہ کا ہاتھ تھا۔ طلحہ جنگ جمل میں مروان (حضرت عثمان کے داماد) کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

زبیر بن عوام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد اور آپ کے صحابی تھے۔ زبیر نے پہلے حبشہ اور بعد میں مدینہ کی طرف ⇐

لڑی گئی۔ یہ دونوں بزرگ رسول ﷺ کے صحابی تھے۔ دونوں کا شمار اس دور کی معروف شخصیات اور عصر رسول کے جنگی کمانڈروں میں ہوتا تھا لیکن بدقسمتی سے جنگ جمل میں بھی امیرالمومنین علیہ السلام کے مخالف لشکر کی کمان انہیں کے پاس تھی۔ دونوں حضرات نے امام علی علیہ السلام کی بیعت کی تھی لیکن بعد میں دونوں بیعت توڑ کر مکہ چلے گئے اور وہاں سے حضرت عائشہ کو بھی ساتھ ملا کر بصرہ کی جانب روانہ ہو گئے۔[1]

امیرالمومنین علیہ السلام ان کے ساتھ مقابلے کے لیے عازم بصرہ ہوئے۔ آپ علیہ السلام نے لشکرِ جمل کے ساتھ روبرو ہونے سے پہلے اور مسلمانوں کے درمیان خونریزی روکنے کے لیے ملائمت، نرمی اور وعظ و نصیحت سے کام لیا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے جناب ابن عباس کو زبیر کے پاس بھیجا۔ امام علیہ السلام نے ابن عباس سے فرمایا:

طلحہ کے پاس مت جانا کیونکہ وہ قدرے تند مزاج ہے بلکہ زبیر کے پاس جانا۔

امیرالمومنین علیہ السلام کے الفاظ یہ ہیں:

وَ لٰکِنِ الْقَ الزُّبَیْرَ فَاِنَّهُ اَلْیَنُ عَرِیْکَةً فَقُلْ لَهُ یَقُوْلُ لَكَ ابْنُ خَالِكَ

زبیر سے ملیں کیونکہ وہ نسبتاً زیادہ نرم مزاج ہے پس اس سے

ہجرت کی۔ وہ رسول اکرم ﷺ کی تمام جنگوں میں شریک رہے۔ زبیر نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی اور علی علیہ السلام کے گھر پر ہونے والے حملے میں آپؑ کی حمایت کی۔ حضرت عمر کے عہد میں وہ ایک لشکر کے سردار کے طور پر عمرو بن عاص کی مدد کے لئے بھیجے گئے۔ حضرت عثمان کے خلاف لوگوں کو اکسانے میں دوسروں سے زیادہ جناب زبیر کا ہاتھ تھا۔ وہ سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کرنے والوں میں شامل تھے لیکن بعد میں بوجوہ جنگ جمل کے اصلی کرداروں میں سے ایک قرار پائے۔ جنگ جمل میں شرکت کے بعد زبیر نے جنگ سے کنارہ کشی کا ارادہ کیا لیکن ان کے بیٹے عبداللہ نے ان کی سرزنش کی جس پر زبیر نے امام علیہ السلام کے لشکر پر ایک سخت حملہ کر دیا پھر میدان سے ہٹ گئے۔ اسی دوران عمرو بن جرموز نے زبیر کو قتل کر دیا۔

[1] تاریخ طبری ج ۳، ص ۴۶۶، الاستیعاب ج ۲، ص ۳۱۸، ابن اثیر کی الکامل ج ۳، ص ۲۰۵۔

کہیں: آپ کا ماموں زاد بھائی آپ سے کہتا ہے....

زبیر امیر المومنین علیہ السلام کے پھوپھی زاد جبکہ امیر المومنین علیہ السلام زبیر کے ماموں زاد بھائی تھے۔ یہ دونوں پرانے ساتھی بھی تھے۔ بعثت نبوی کی ابتدا سے ہی ان دونوں کی رفاقت تھی۔ مکہ اور مدینہ میں دونوں ایک دوسرے کے ساتھی تھے۔ جنگوں میں بھی ساتھ ہوتے تھے۔ قتل عثمان کے بعد طلحہ و زبیر نے امیر المومنین علیہ السلام کی بیعت کر لی۔ اب امام علیہ السلام نرم اور برادرانہ لہجے میں فرماتے ہیں:

يَقُولُ لكَ ابْنُ خَالِكَ

آپ کا ماموں زاد آپ کو پیغام دیتا ہے۔

پھر فرمایا:

عَرَفْتَنِي بِالْحِجَازِ وَاَنْكَرْتَنِيْ بِالْعِرَاقِ

حجاز میں آپ نے مجھے پہچانا لیکن عراق میں انجان بن گئے؟

یعنی وہاں آپ نے میری بیعت کی تھی اور یہ جان لیا تھا کہ میں مسلمانوں کا خلیفہ اور امیر المومنین علیہ السلام ہوں لیکن عراق میں آپ اس بات کو فراموش کر رہے ہیں؟ فَمَا عَدَا مِمَّا بَدَا یعنی اب کیا ہوا کہ آپ میری بیعت توڑ رہے ہیں اور میرے ساتھ جنگ لڑ رہے ہیں؟ امیر المومنین علیہ السلام نے زبیر کے ساتھ اس قسم کا نرم لہجہ اپنایا۔[1]

حضرت ابن عباس نے زبیر سے ملاقات اور گفتگو کی لیکن یہ گفتگو نتیجہ بخش ثابت نہیں ہوئی۔[2] بعد میں خود امیر المومنین علیہ السلام نے میدانِ جنگ میں زبیر کو آواز دی اور ان

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۳۱، ص ۴۷

[2] امام صادق علیہ السلام اپنے جد امام سجاد علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں: میں نے عبد اللہ بن عباس سے پوچھا کہ زبیر نے امیر المومنین علیہ السلام کے پیغام کا کیا جواب دیا۔ ابن عباس نے جواب دیا: میں نے آپ علیہ السلام کا پیغام زبیر تک پہنچایا لیکن اس نے جواب میں کہا: میں بھی وہی چاہتا ہوں جو وہ چاہتا ہے۔ گویا اس کا اشارہ خلافت و حکومت کی طرف تھا۔ اس نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا اور میں واپس لوٹ آیا۔ میں نے اس کے جواب سے امام کو مطلع کیا۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۱۶۵)

سے گفتگو فرمائی جو مفید واقع ہوئی چنانچہ حضرت زبیر میدان جنگ سے نکل گئے[1] اور امیر المومنین علیہ السلام کے خلاف جنگ سے دستبردار ہوگئے مگر راستے میں قتل ہوگئے۔ زبیر کے قتل کی خبر سن کر امیر المومنین علیہ السلام نے بہت افسوس کا اظہار کیا۔[2]

جب امیر المومنین علیہ السلام نے اتمام حجت کے بعد دیکھ لیا کہ دشمن حرف حق سننے کے لیے تیار نہیں ہیں تو آپ علیہ السلام نے مکمل عزم صمیم کے ساتھ ان سے جنگ کی۔ دشمنوں کے بہت سارے لوگ مارے گئے، بہت سے بھاگ گئے اور کچھ اسیر ہوئے۔ اسیروں میں مروان بن حکم اموی بھی تھا اور یہ معلوم ہوگیا کہ جنگ جمل میں اموی ٹولے کا بھی ہاتھ تھا کیونکہ مروان بن حکم اموی معاویہ کا قریبی دوست تھا۔ امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام نے رحم اور شفقت فرماتے ہوئے امیر المومنین علیہ السلام کے پاس مروان کی سفارش کی چنانچہ آپ نے مروان کو آزاد کیا اور اس سے بیعت بھی طلب نہیں فرمائی۔[3]

موقع پرستوں اور اقتدار پرستوں کے ساتھ امام علیہ السلام کا رویہ

جنگ صفین امیر المومنین علیہ السلام کی سب سے سخت جنگ تھی۔ یہ جنگ آپ کے اوپر ٹھونسی گئی تھی۔ اس کی تفصیل یہ کہ جب امیر المومنین علیہ السلام نے معاویہ کو معزول کیا تو معاویہ پر

---

[1] جنگ جمل میں زبیر کے ساتھ امیر المومنینؑ کی گفتگو کی تفصیل کے لیے دیکھئے ضمیمہ نمبر ۱۹۔

[2] جب زبیر اپنے لشکر سے جدا ہو کر اکیلے ہی مدینہ کی طرف جا رہے تھے تو وادیٔ سباع میں عمرو بن جرموز سے ملاقات ہوگئی۔ عمرو نے پہلے زبیر کا اعتماد حاصل کیا پھر انہیں قتل کر کے ان کا سر تن سے جدا کر دیا پھر عمرو زبیر کی تلوار لے کر امیر المومنین علیہ السلام کی لشکر گاہ میں آیا۔ اس نے امامؑ کے خیمے کے پاس موجود اہلکاروں سے کہا: ''امیر المومنین علیہ السلام کو اطلاع دے دو کہ عمرو بن جرموز زبیر کی تلوار اور اس کے کٹے ہوئے سر کے ساتھ حاضر ہے۔'' امام علیہ السلام نے کٹے ہوئے سر کو دیکھ کر قاتل سے پوچھا: ''کیا سچ مچ تو نے زبیر کو قتل کیا ہے؟'' جب ابن جرموز نے کہا: ''ہاں'' تو امامؑ نے فرمایا: ''زبیر پست اور بزدل شخص نہیں تھا لیکن بدقسمتی سے بدترین طریقے سے قتل ہوا۔'' اس کے بعد امامؑ نے زبیر کی تلوار ہاتھ میں لی اور اسے ہلاتے ہوئے فرمایا: ''اس تلوار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتنی پریشانیوں کو دور کیا تھا۔'' (دیکھئے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ جلد ۱، ص ۲۳۵، الجمل صفحہ ۳۹۰، اور مروج الذہب جلد ۲، ص ۴۰۳)

[3] مروان کے حالات ضمیمہ نمبر ۲۰ میں مذکور ہیں۔

لازم تھا کہ اس حکم کو قبول کرے۔ کسی گورنر کو عقل، نقل، منطق شریعت اور عرف کی رو سے کوئی حق حاصل نہ تھا کہ وہ امام مسلمین کی حکم عدولی کرے اور برکنار ہونے کی بجائے جنگ پر اتر آئے لیکن معاویہ نے یہ کام کر دکھایا۔

امیرالمومنین علیہ السلام ایک طاقتور لشکر لے کر شام کی طرف چل پڑے۔ معاویہ بھی اپنے لشکریوں کے ساتھ امام علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ ''صفین'' کے مقام پر دونوں کا آمنا سامنا ہوا۔

امیرالمومنین علیہ السلام کا ارادہ تھا کہ ان کے ساتھ جنگ نہ کریں۔ آپ علیہ السلام دشمن کو سمجھانے بجھانے اور نصیحت کرنے کا عزم صمیم رکھتے تھے۔ اسی لئے فرمایا:

میں انہیں سمجھاتا ہوں۔ اگر یہ لوگ میری نصیحت قبول کرلیں تو میں ان کے خلاف تلوار نہیں چلاؤں گا اور ان سے جنگ نہیں کروں گا۔[1]

امیرالمومنین علیہ السلام صفین میں جنگ کو اس قدر ٹالتے رہے کہ آپ علیہ السلام کے اصحاب تنگ آگئے اور کہنے لگے:

اے امیرالمومنین! کیا آپ معاویہ کے لشکر سے ڈرتے ہیں؟ کیا اسی لئے آپ ان کے ساتھ جنگ سے احتراز کر رہے ہیں؟

فرمایا:

میں ان سے ڈروں؟ میں نے جوانی میں بڑے بڑے پہلوانوں کو زیر کیا ہے۔ سالہا سال گزر چکے ہیں مگر کوئی خوف یا خطرہ مجھے میدان سے ہٹا نہیں سکا۔ کیا میں ڈروں؟

فَوَاللّٰهِ مَا دَفَعْتُ الْحَرْبَ يَوْماً اِلَّا وَ اَنَا اَطْمَعُ اَنْ تَلْحَقَ بِیْ طَائِفَةٌ فَتَهْتَدِیَ. ((میں نے جنگ کو ایک دن کے لئے بھی نہیں ٹالا مگر اس امید میں کہ ان میں سے کچھ لوگوں

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۱۳، بحار الانوار ۳۲، ۴۴۷۔

کی آنکھیں کھل جائیں، وہ ہوش کے ناخن لیں، میرے ساتھ ملحق ہو جائیں اور ہدایت پالیں۔))

وَذَالِكَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَقْتُلَهَا عَلٰی ضَلَالِهَا[1]

((یہ میرے نزدیک انہیں گمراہی کی حالت میں قتل کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔))

امام علیہ السلام کا یہ مشفقانہ سلوک کس قدر عجیب ہے؟ آپ اپنی زبردست قوتِ فیصلہ اور اصول پسندی کے باوجود گنہگاروں، اشتباہ کرنے والوں اور فریب کھانے والوں کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آتے ہیں اور فرماتے ہیں:

میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ گمراہ ہونے والا گمراہی کی حالت میں قتل ہونے کی بجائے میرے ذریعے ہدایت حاصل کرے اور گمراہی سے نکل آئے۔

صفین میں امیر المومنین علیہ السلام کا ارادہ یہ تھا کہ ممکنہ صورت میں لوگوں کی رہنمائی اور ہدایت کا سامان کریں لیکن معاویہ کے لشکریوں نے شروع سے ہی ایسی صورتحال پیدا کر دی تھی کہ جنگ کی آگ شعلہ ور ہوگئی۔

انہوں نے پانی کے اس گھاٹ پر قبضہ کر لیا جس سے دونوں لشکروں کو استفادہ

---

[1] جنگ صفین میں امام علیہ السلام کے ساتھی جنگ میں مسلسل تاخیر کے باعث تنگ آ گئے اور بعض افواہیں بھی فوج کے اندر گشت کرنے لگیں جو بہت خطرناک تھیں چنانچہ امام علیہ السلام نے اپنے حامیوں سے خطاب کرتے ہوئے جنگ میں تاخیر کی وجہ بیان فرمائی اور افواہوں کا جواب اس طریقے سے دیا: ''تم یہ پوچھتے ہو کہ کیا جنگ سے چشم پوشی کی وجہ موت کا خوف ہے؟ اللہ کی قسم! میں اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتا کہ میں موت کی طرف بڑھوں یا موت میری طرف چلی آئے۔ اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ مجھے شامیوں کے ساتھ جنگ میں تردد ہے تو اللہ کی قسم! میں نے ایک دن کے لئے بھی جنگ کو موخر نہیں کیا مگر اس امید میں کہ ان میں سے بعض لوگ ہماری طرف آجائیں اور ہدایت پائیں نیز گمراہی کی تاریکیوں کے درمیان میری روشنی کی ایک جھلک دیکھ کر میری طرف چلے آئیں۔ میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ یہ لوگ گمراہی کی حالت میں قتل ہونے کی بجائے ہدایت حاصل کریں اگرچہ قتل ہونے کی صورت میں بھی وہ اپنے ہی گناہوں کی بھینٹ چڑھیں گے۔'' (دیکھئے: نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۵۵، ص ۹۱۔)

کرنا چاہیے تھا۔ پھر انہوں نے امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر پر پانی بند کر دیا۔

جب امیر المومنین علیہ السلام کا لشکر وہاں پہنچا تو سپاہیوں نے مشاہدہ کیا کہ پانی کے واحد گھاٹ پر شامی لشکر کا قبضہ ہے۔ اس موقع پر امیر المومنین علیہ السلام نے ایک بہت ہی پر مغز، مختصر اور دلپذیر خطبہ دیا۔ فرمایا:

رَوُّوْا السُّیُوْفَ مِنَ الدِّمَآءِ تَرْوَوْا مِنَ الْمَآءِ

یعنی یا تو ذلت اور زبوں حالی کی تصویر بن کر یونہی پڑے رہو اور پیاس سے مر جاؤ یا مردوں کی طرح اٹھو اور اپنی تلواروں کو دشمنوں کے خون سے سیراب کرو تا کہ تم خود پانی سے سیراب ہو سکو۔[1]

یہ سن کر امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر نے حملہ کر دیا اور پانی کے گھاٹ کو دشمنوں سے چھین کر انہیں پسپا کر دیا۔ یوں نہ صرف یہ کہ وہ خود سیراب ہوئے بلکہ انہوں نے دشمنوں کے لئے بھی پانی کی سہولت برقرار رکھی۔ امام علیہ السلام نے دشمن کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جو انہوں نے آپ علیہ السلام کے لشکر کے ساتھ کیا تھا۔[2] اس کے باوجود امیر معاویہ اور ان کی حامی فوج کے غلط دباؤ کی وجہ سے جنگ شروع ہو گئی اور جاری رہی۔ یہ جنگ انتہائی تلخ نتیجے کے ساتھ ختم ہوئی۔[3]

---

[1] امام علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے خطاب میں فرمایا: معاویہ کے لشکر نے تمہیں پانی سے محروم کر کے جنگ کی دعوت دے دی ہے۔ اس وقت تمہارے آگے دو راستے ہیں۔ یا تو یہ کہ ذلت و خواری کے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ جاؤ یا اپنی تلواروں کو دشمن کے خون سے سیراب کرو تا کہ تم خود پانی سے سیراب ہو سکو۔ زیر دست، مقہور اور مجبور ہو کر زندہ رہنے میں موت ہے جبکہ سربلندی و بالادستی کے ساتھ مرنے میں زندگی ہے۔ اَلْمَوْتُ فِی حَیَاتِکُمْ مَقْهُوْرِیْنَ وَالْحَیَاۃُ فِیْ مَوْتِکُمْ قَاهِرِیْنَ ((جان لو کہ معاویہ بعض جاہل، گنوار اور گمراہ لوگوں کو سمیٹ کر لے آیا ہے۔ اس نے مکر و فریب کے پردے میں حقیقت کو چھپا لیا ہے تا کہ لوگوں کو حقیقت کا علم نہ ہو یہاں تک کہ وہ اپنی گردنوں کو تیروں اور تلواروں کا تختہ مشق بنا کر مرنے پر تیار ہو جائیں۔)) (نہج البلاغہ، خطبہ ۵۱، صفحہ ۸۸)

[2] دیکھئے وقعة الصفین ص ۱۶۲، شرح نہج البلاغة ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۳۱۹، بحار الانوار، ج ۳۲، ص ۴۳۸۔

[3] جنگ صفین کے تلخ انجام کے بارے میں دیکھئے: ضمیمہ نمبر ۲۱۔

تقدس مآب لیکن کج فہم عناصر کے ساتھ سلوک

خوارج کے ساتھ جنگ امیرالمومنین علیہ السلام کو درپیش سنگین مسائل میں سے ایک تھا۔ خوارج جنگ صفین میں وجود میں آئے۔ صفین میں امام علیہ السلام کے لشکر نے معاویہ کی فوج پر سخت دباؤ ڈالا اور اسے پیچھے دھکیل دیا۔ قریب تھا کہ معاویہ اور عمرو عاص قتل ہو جاتے لیکن عین اسی وقت عمرو عاص کی عیارانہ منصوبہ بندی کے مطابق لشکر معاویہ نے قرآن کے نسخوں کو نیزوں پر چڑھایا اور اعلان کیا کہ آؤ قرآن کے فیصلے پر عمل کریں۔ اس سازش کا مقصد یہ تھا کہ وقتی طور پر جنگ بندی ہو جائے۔

ظاہر ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام اس پرفریب نعرے سے دھوکہ کھانے والے نہ تھے۔ ادھر مالک اشتر اگلی صفوں میں لڑ رہے تھے۔ امام علیہ السلام کے لشکر کے کوتاہ بین اور سادہ لوح افراد کی ایک جماعت نے آپ علیہ السلام پر دباؤ ڈالا کہ اب جب یہ لوگ صلح چاہتے ہیں تو آپ قرآن کا احترام ملحوظ کیوں نہیں رکھتے اور قرآن کے فیصلے کو قبول کیوں نہیں کرتے؟ نوبت یہاں تک پہنچی کہ خوارج نے امیرالمومنین علیہ السلام کو تلوار کے زور پر دھمکی دی اور دباؤ ڈالا کہ آپ قرآن کی ثالثی قبول کریں۔[1]

امیرالمومنین علیہ السلام اپنے سپاہیوں سے تو نہیں لڑ سکتے تھے۔ اس لیے آپ نے مالک اشتر کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ یوں حکمیت کا مسئلہ وجود میں آ گیا۔ انہوں نے کہا ایک ثالث اس طرف سے ہو اور ایک اُس طرف سے جو باہم مل کر فیصلہ کریں۔ ثالثی قبول کرنے پر زور دینے والوں کی کثیر تعداد کو جلد ہی عمرو عاص کی حیلہ گری اور شیطنت کا علم ہو گیا۔ چنانچہ وہ اپنے اقدام سے پشیمان ہو گئے لیکن انہوں نے علی علیہ السلام کی سرزنش شروع کی کہ آپ نے ثالثی کیوں قبول کی۔[2]

---

[1] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۲۱۔

[2] جب حکمیت کی قرارداد لکھی جا چکی اور دونوں لشکروں کی طرف سے اس پر گواہوں نے دستخط کر دیے اور دونوں لشکروں کو اس کا مضمون پڑھ کر سنایا جا چکا تو اُن خوارج کو جو امام علیہ السلام کے اوپر تحکیم قبول کرنے کے لئے دباؤ ⇐

وہی تقدس مآب لوگ جو ثالثی قبول کرنے کے لیے امیرالمومنین علیہ السلام پر دباؤ ڈال رہے تھے اب الٹا یہ اعتراض کر رہے تھے کہ آپ نے ثالثی کیوں قبول کی۔ بعد میں یہی لوگ خوارج کے نام سے ایک تحریک کی شکل اختیار کر گئے۔ یاد رہے کہ خوارج دو طرح کے تھے۔ ایک وہ جو اُن کی قیادت کر رہے تھے۔ یہ لوگ اپنے مفادات و خواہشات کے حصول کے چکر میں تھے۔ دوسرے وہ سادہ لوح اور کوتہ اندیش عوام جو بظاہر بڑے عبادت گزار، دیندار اور تقدس مآب تھے۔

جب امیرالمومنین علیہ السلام خوارج سے جنگ پر مجبور ہوئے تو آپ نے میدان جنگ میں ایک جانب ایک جھنڈا نصب کر دیا اور فرمایا:

تم میں سے جو اس جھنڈے تلے آ جائے اسے امان حاصل

← ڈالنے میں مرکزی کردار ادا کر چکے تھے اپنی عظیم غلطی کا احساس ہو گیا اور پشیمانی ہوئی۔ انہوں نے امام علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ آپ تحکیم کی قرارداد کو توڑ دیں۔ وہ امام علیہ السلام کے لشکر میں جگہ جگہ "لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ" کا نعرہ لگانے اور اعلان کرنے لگے کہ ہم اللہ کے واضح حکم کے مقابلے میں بعض افراد کو کوئی دوسرا حکم صادر کرنے کی اجازت نہیں دیں گے کیونکہ معاویہ اور اس کے حامیوں کے بارے میں اللہ کا حکم مکمل طور پر واضح اور روشن ہے۔ ان کے سامنے صرف دو راستے ہیں۔ ایک یہ کہ ہماری حکومت کو قبول کریں اور دوسرا یہ کہ قتل ہو جائیں۔ خوارج نے امام علیہ السلام پر ثالثی قبول کرنے کے لئے جو دباؤ ڈالا تھا اس کی توجیہ وہ یوں پیش کرنے لگے: حکمیت کو قبول کرنے کے مسئلے میں ہم غلطی اور اشتباہ کا شکار ہوئے تھے۔ اب ہم اپنے گناہ سے توبہ کرتے ہیں اور اپنی لغزش کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے نہایت گستاخی اور بے شرمی کے ساتھ امیرالمومنین علیہ السلام سے کہا: تم بھی توبہ کرو اور حکمیت کو باطل قرار دو وگرنہ ہم تم سے بیزاری کا اعلان کریں گے اور ہمارا تمہارا راستہ جدا ہو جائے گا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: وَیْحَکُمْ بَعْدَ الرِّضَا وَالْعَھْدِ وَالْمِیْثَاقِ اَرْجِعُ ؟ اَوَ لَیْسَ اللّٰہُ یَقُوْلُ وَاَوْفُوا بِعَھْدِ اللّٰہِ اِذَا عَاھَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْکِیْدِھَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰہَ عَلَیْکُمْ کَفِیْلًا اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ((وائے ہو تم پر! کیا میں (ان کے ساتھ) عہد و پیمان باندھنے اور اس پر راضی ہونے کے بعد بدعہدی کروں؟ کیا اللہ تعالیٰ نہیں فرماتا: جب تم خدا کے ساتھ عہد کرو تو اسے پورا کیا کرو اور قسموں کو مضبوط کرنے کے بعد اور اللہ کو اپنی قسموں کا ضامن قرار دینے کے بعد قسموں کو نہ توڑو، بے شک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے؟))(سورہ نحل: آیت ۹۱) خوارج نے امام علیہ السلام کی اس مضبوط دلیل کا جواب صرف یوں دیا کہ انہوں نے آپ سے بیزاری کا اعلان کیا اور (نعوذ باللہ) آپ کو مشرک قرار دیا۔ (وقعۃ صفین صفحہ ۵۱۷)

ہوگا اور ہم اس سے نہیں لڑیں گے۔

اس اعلان کے باعث کئی ہزار خوارج ہوش میں آئے اور امان کے پرچم تلے آ گئے جبکہ ایک گروہ عناد کا ثبوت دیتے ہوئے امیر المومنین علیہ السلام سے جنگ پر آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ آپ ان سے لڑنے پر مجبور ہو گئے۔[ا] (۱۰۸)

امیر المومنینؑ کے مقابلے میں تمام جماعتوں کا ایکا

امیر المومنین علیہ السلام کا دور حکومت چار سال دس ماہ پر محیط ہے۔ اس دوران تین تلخ جنگیں آپ پر مسلط کی گئیں۔ ان جنگوں میں تقریباً سارے مخالف ٹولے آپس میں متحد ہو گئے۔ بالفاظ دیگر عالم اسلام کے تمام ٹولے جو امیر المومنین علیہ السلام کے مخالف تھے ان جنگوں میں باہم ملے ہوئے تھے۔ ایک ٹولہ جناب طلحہ وزبیر جیسے نامور اصحاب رسول پر مشتمل تھا جو امیر المومنین علیہ السلام سے جنگ پر اتر آئے۔

کچھ لوگوں نے امام علیہ السلام سے جنگ تو نہیں کی لیکن لاتعلقی کا مظاہرہ کیا اور امیر المومنین علیہ السلام کی حمایت بھی نہیں کی۔ دوسرا گروہ موقع پرستوں اور اقتدار کے متلاشیوں

[ا] امیر المومنین علیہ السلام نے حضرت ابوایوب انصاری کو حکم دیا کہ وہ امان کا پرچم نصب کریں اور خوارج کو اطلاع دیں کہ جو شخص اس پرچم کے نیچے آجائے اسے امان حاصل ہوگا۔ حضرت ابوایوب نے پرچم لہرایا اور پکار کر خوارج سے کہا: تم میں سے جو شخص اس پرچم کے نیچے آجائے اسے امان حاصل ہوگا اور کچھ نہیں کہا جائے گا بشرطیکہ اس نے کسی کو قتل نہ کیا ہو اور اس کا ہاتھ کسی مسلمان کے خون میں ملوث نہ ہوا ہو۔ اسی طرح جو شخص کوفہ لوٹ جائے یا مدائن چلا جائے یا اس گروہ سے جدا ہو جائے اسے بھی امان حاصل ہوگا کیونکہ ہم صرف ان لوگوں تک پہنچنا چاہتے ہیں جنہوں نے ہمارے بھائیوں کو قتل کیا ہے۔ باقی لوگوں سے ہمارا کوئی سروکار نہیں ہے۔ ابوایوب انصاری کے اعلان کے بعد خوارج کے لشکر میں زبردست شکوک وشبہات پھیل گئے۔ خوارج کے ایک سردار فروہ بن نوفل نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اللہ کی قسم مجھے نہیں معلوم کہ ہم کس لیے علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے جنگ کر رہے ہیں۔ ابھی میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مجھے اس لشکر سے جدا ہو کر مزید غور وفکر کرنا چاہئے تاکہ علی کے ساتھ لڑنے یا اس کی پیروی کرنے کے بارے میں مطلوبہ بصیرت حاصل ہو جائے۔ وہ خوارج کے پانچ سو سواروں کے ساتھ ان کے لشکر سے جدا ہو گیا۔ اس گروہ کے بعد بہت سے دیگر لوگ بھی کوفہ کی طرف چلے گئے جبکہ سو افراد امام علیہ السلام کے لشکر سے آملے۔ (دیکھئے تاریخ طبری جلد۴، صفحہ۶۴، انساب الاشراف ج ۳، ص ۳۷۱، الکامل ۳/ ۳۴۵، المناقب ج ۳، ص ۱۸۸)

پر مشتمل تھا۔ان کا سرکردہ امیر معاویہ تھے۔بہت سارے قبائلی روساء جو فکر شکم میں یا جاو مقام اور اقتدار کے حصول کی خاطر امیر معاویہ کے پاس جمع ہو گئے تھے، امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ جنگ پر اتر آئے۔تیسرا گروہ تقدس مآب، عبادت گزار اور تنگ نظر لوگوں پر مشتمل تھا۔ان لوگوں نے صورتحال کو بہت عجیب اور پیچیدہ بنا دیا تھا۔ان جنگوں میں امیر المومنین علیہ السلام کا دوٹوک، فیصلہ کن اور اصولی موقف ایک عظیم درس ہے اور تاریخ میں ہمیشہ کے لیے عبرت کا سامان ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے ایک طرف سے معاشرتی عدل قائم کرنے کی خاطر امیر معاویہ کا مقابلہ کیا۔دوسری طرف سے دین کی درست تفہیم اور اسلام کی صحیح پہچان کو اجاگر کرنے کی خاطر نیز تعصبات اور باطل افکار کا مقابلہ کرنے کے لیے خوارج سے ٹکر لی۔ ثالثاً آپ علیہ السلام نے جاہ طلبی اور گروہ بازی کی روک تھام کے لیے طلحہ و زبیر وغیرہ کا مقابلہ کیا۔ (۱۰۹)

یہ صرف علیؑ کے بس کی بات تھی

علی علیہ السلام کے عزم راسخ اور مضبوط قوتِ ارادی کا ایک نمونہ ان لوگوں کے ساتھ آپؑ کی جنگ ہے جن کے ساتھ ٹکرانا آپ علیہ السلام کے علاوہ کسی کے بس کا روگ نہ تھا۔طلحہ و زبیر اور ان دونوں سے بھی بڑھ کر حضرت عائشہ کو معاشرے میں خاص حیثیت حاصل تھی لیکن جب امیر المومنینؑ سے کہا گیا کہ حضرت عائشہ نے آپ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے تو نہ آپ علیہ السلام کے قدم ڈگمگائے، نہ آپ شک وتردد کے شکار ہوئے، نہ آپ علیہ السلام نے پسپائی اختیار کی اور نہ آپ نے سودا بازی، ڈیل یا ساز باز سے کام لیا۔

امیر المومنین علیہ السلام کا زاویہ نگاہ یہ تھا کہ آپؑ حق پر ہیں اور مد مقابل غلطی پر لہٰذا بغیر کسی پروا کے آگے بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہیے خواہ اس کا نتیجہ کچھ بھی ہو۔یہ ہے امام علیہ السلام کا طرز فکر۔کوئی شخص آپؑ پر یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ آپؑ کے اس طرزِ فکر اور جذبے کی بنیاد اقتدار کی ہوس تھی۔

امیر المومنین علیہ السلام کو اس دنیوی حکومت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ایک دن آپ علیہ السلام زمین پر بیٹھے اپنے ہاتھ سے اپنا پھٹا پرانا جوتا سی رہے تھے۔ اس وقت آپ علیہ السلام نے ابن عباس سے پوچھا:

اس جوتے کی کیا قیمت ہوگی؟

ابن عباس نے دیکھا کہ یہ تو ایک پیوند لگا ہوا پھٹا پرانا جوتا ہے جو کسی کام کا نہیں۔ چنانچہ وہ بولے:

غالباً اس کی کوئی قیمت نہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

جان لو کہ میری نظر میں تمہاری یہ حکومت بذات خود اس جوتے کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتی مگر یہ کہ اس کے ذریعے حق کو پابرجا کرسکوں اور حقدار کو اس کا حق دلاسکوں۔[1]

بنابریں امیر المومنین علیہ السلام کی فیصلہ کن، ٹھوس اور دوٹوک پالیسی نیز آپ کے سخت اصولی موقف کے پیچھے اقتدار سے محبت کا جذبہ کارفرما نہیں تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ علیہ السلام کو اپنے موقف کے برحق ہونے کا یقین اور علم حاصل تھا اور آپ علیہ السلام جانتے تھے کہ اس مقصد کے حصول کے لیے سختی اور پوری طاقت کے ساتھ اقدام کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی لیے آپ نے حضرت عائشہ اور طلحہ وزبیر کے ساتھ بھی جنگ لڑی۔ (۱۱۰)

---

[1] نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۳۳، ص ۷۶، شیخ مفید کی الارشاد ج ۱، ص ۲۴۷ نیز بحار الانوار ج ۳۲، ص ۷۶، ۱۱۳۔

■ امیر المومنینؑ اور بیت المال کی حفاظت

بیت المال کی تقسیم میں سیرت نبوی کی طرف واپسی

عہدِ نبوی میں بیت المال مسلمانوں کے درمیان برابری کی بنیاد پر تقسیم ہوتا تھا۔[1] بیت المال کی تقسیم میں ان باتوں کا کوئی دخل نہ تھا کہ کون پہلے مسلمان ہوا ہے، کون بعد میں مسلمان ہوا ہے، کس نے مکہ سے ہجرت کی ہے، کون مدینے میں مسلمان ہوا ہے، کون زیادہ عالم ہے اور کون جاہل ہے وغیرہ۔ عصرِ رسالت میں بیت المال سے سب کو مساوی حصہ ملتا تھا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کے امتیازات کی بنیاد پر بیت المال سے کسی کے حصے میں اضافہ نہیں فرمایا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے دورِ حکومت میں بھی (جو دو سال سے کچھ زیادہ عرصے پر محیط رہا) بالکل یہی سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران بھی مسلمانوں کے درمیان بیت المال کی تقسیم میں کوئی امتیاز نہیں برتا گیا۔ اس کے بعد خلیفہ

---

[1] یاد رہے کہ بیت المال سے مراد وہ اموال تھے جو ضروری سرکاری اخراجات کے بعد بچ جاتے تھے۔ یہ بچت تمام مسلمانوں میں مساوی طور پر تقسیم ہوئی تھی۔ البتہ سرکاری عہدیدار اور کارندے اپنے کاموں کے تناسب سے بیت المال سے تنخواہ لیتے تھے۔

دوم حضرت عمر بن خطاب کا دور حکومت آیا۔ ان کے دور میں بھی ایک عرصے تک یہی طریقہ جاری وساری رہا لیکن ایک عرصے بعد حضرت عمر نے سوچا کہ بعض مسلمانوں کے اندر جو اضافی خوبیاں ہیں ان کی بنیاد پر بیت المال کی تقسیم میں بھی کچھ امتیاز قائم کرنا چاہیے اور کچھ لوگوں کو دوسروں پر ترجیح دینی چاہیے۔ چنانچہ خلیفہ دوم نے سابقین اور لاحقین یعنی پہلے اسلام قبول کرنے والوں اور بعد میں مسلمان ہونے والوں میں امتیاز قائم کیا تاکہ انہیں برابر حصہ نہ ملے۔

خلیفہ نے پہلے اسلام لانے والوں میں سے بھی مہاجرین اور انصار کو الگ کیا۔ حضرت عمر نے کہا:

> مہاجرین کو انصار پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ مہاجرین مکہ میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے سختیاں جھیلیں اور جہاد کیا لیکن انصار مدینہ میں اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد مسلمان ہوئے۔

پھر مہاجرین میں سے بھی قریش کو دوسروں پر ترجیح دی۔ عرب کے معروف قبائل میں سے قبیلہ مضر کو قبیلہ ربیعہ پر ترجیح دی۔ مدینہ کے مشہور قبائل میں اوس کو خزرج پر ترجیح دی اور ہر ترجیح کی کوئی وجہ بیان کی۔ یہ کام سنہ ۲۰ھ میں یعنی حضرت عمر کی خلافت کے آغاز کے سات یا آٹھ سال بعد انجام پایا۔ حضرت عمر کہتے تھے:

> میں نے یہ اقدام اس لیے کیا ہے تاکہ الفت پیدا ہو اور لوگوں کے دل موہ لوں۔

خلیفہ ثانی کو اس اقدام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انہوں نے اپنی صوابدید اور اجتہاد بالرائے کے ذریعے یہ کام انجام دیا۔[1] البتہ خلیفہ اپنی زندگی کے آخری مہینوں میں

---

[1] ابن ابی الحدید کہتے ہیں: عمر نے خلیفہ بننے کے بعد بیت المال کی مساوی تقسیم ختم کردی اور امتیازی تقسیم کی بنیاد ڈالی۔ خلیفہ نے ابتدا میں مسلمان ہونے والوں کو دوسروں پر، قریشی مہاجرین کو دیگر مہاجرین پر، تمام مہاجرین کو انصار ⇐

اس اقدام سے پشیمان ہوئے۔ وہ اپنے اقدام کو غلط جبکہ رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر کی سابقہ روش کو ہی بہتر سمجھنے لگے اور کہنے لگے:

اگر میں زندہ رہوں تو میں ایک بار پھر مسلمانوں کے درمیان مساوات قائم کروں گا۔

لیکن حضرت عمر کو زندگی نے مہلت نہ دی اور انہی ایام یا انہی مہینوں کے اندر وہ دنیا سے رحلت کر گئے۔ اس کے بعد حضرت عثمان کا دور آیا۔ حضرت عثمان میں حضرت عمر والی سخت گیری اور قوت فیصلہ کی کمی تھی چنانچہ ان کے دور میں بھی سابقہ طریقے پر عمل جاری رہا۔ بعض لوگ مختلف حیلوں، بہانوں اور ناموں کے بل بوتے پر بیت المال سے زیادہ سے زیادہ حصہ لینے میں کامیاب ہو گئے۔[2]

پر اور عرب کو عجم پر برتری دی۔ عمر نے ابوبکر کے دور خلافت میں یہ تجویز دی تھی لیکن ابوبکر نے اسے قبول نہیں کیا تھا اور یہ جواب دیا تھا: اللہ نے کسی کو کسی پر برتری نہیں دی ہے۔ ابن ابی الحدید خلیفہ دوم کے اقدام کی توجیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور خلیفۂ مسلمین اپنے اجتہاد پر عمل کر سکتا ہے۔ البتہ علی کی متابعت ہماری نظر میں بہتر ہے، خاص کر اس بات کے پیش نظر کہ ابوبکر نے بھی یہ کام نہیں کیا تھا۔ اگر یہ روایت صحیح ہو کہ پیغمبر اکرم لوگوں کے درمیان برابر تقسیم فرماتے تھے تو یہ مسئلہ منصوص ہو جائے گا کیونکہ رسول کا طرز عمل آپ کے اقوال کی طرح حجت ہے۔ (دیکھئے شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۸، ص ۱۱۱)

[2] جس دن حضرت عثمان قتل کر دیے گئے ان کے خزانچی کے پاس اکتیس لاکھ پچاس ہزار درہم اور ڈیڑھ لاکھ دینار نقد موجود تھے۔ خلیفہ کی زرعی زمینوں، دیگر اراضی اور چوپایوں کی قیمت نقد رقوم کی بہ نسبت کہیں زیادہ بتائی گئی ہے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۳، ص ۷۶) افریقہ کی فتح کے بعد مسلمانوں کو بہت زیادہ مال غنیمت نصیب ہوا۔ نقد رقم کی مقدار پچیس لاکھ دینار ہو گئی۔ حضرت عثمان نے حکم دیا کہ اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ مروان کو دیا جائے۔ (تاریخ یعقوبی جلد ۲، صفحہ ۱۶۶) علاوہ ازیں حضرت عثمان نے "فدک" کی جاگیر بھی مروان کو دے دی۔ فدک رسول اکرم ﷺ نے جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو بخش دیا تھا لیکن حضرت ابوبکر نے ایک بے بنیاد دلیل کے سہارے آپ علیہا السلام سے لے لیا تھا۔ حضرت عثمان کے دور سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک فدک مروان کے خاندان کے قبضے میں رہا۔ (ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ جلد ۱، ص ۱۹۸) رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا بازار مسلمانوں کے نام وقف کیا تھا لیکن حضرت عثمان نے اسے اپنے چچازاد حارث بن حکم کو بخش دیا جو مروان کا بھائی تھا۔ دیکھئے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ جلد ۱، ص ۱۹۸) حضرت عثمان نے اپنی بیٹی

یوں حضرت عثمان کا بارہ سالہ دور بھی اس نہج پر گزر گیا۔ جب امیر المومنین علیہ السلام بر سر اقتدار آئے تو آپ علیہ السلام کے اولین فرامین میں سے ایک یہ تھا:

وَاللّٰهِ لَوْ وَجَدتُّهُ قَدْ تُزُوِّجَ بِهِ النِّسَآءُ وَمُلِكَ بِهِ الْاِمَآءُ لَرَدَدْتُهُ[1]

یعنی اللہ کی قسم اگر میں دیکھوں کہ بیت المال سے بغیر استحقاق کے کسی کو کچھ دیا گیا ہے تو میں اسے واپس لوں گا اگرچہ اس مال کے ذریعے کسی عورت سے شادی رچائی گئی ہو۔ یعنی اسے اس عورت کا مہر قرار دیا گیا ہو یا اس رقم سے کنیزیں خریدی گئی ہوں اور اگرچہ ان کنیزوں نے بچے بھی جنے ہوں۔ میں ان رقوم کو بیت المال میں واپس لوٹاؤں گا اور حکم دوں گا کہ یہ رقوم غصبی ہیں لہٰذا انہیں بیت المال میں دوبارہ جمع کیا جائے۔ اس سلسلے میں معاملہ جہاں تک جا پہنچے اس کی پرواہ نہیں کروں گا۔[2] (۱۱۱)

بیت المال کا چراغ گل

جب امیر المومنین علیہ السلام نے مسند خلافت پر قدم رکھا تو آپ کا پہلا اعلان یہ تھا:

عبداللہ بن خالد سے بیاہ دی، اسے چھ لاکھ درہم عنایت کئے اور بصرہ کے حاکم کو حکم دیا کہ وہ یہ رقم بصرہ کے بیت المال سے ادا کرے۔ (دیکھئے تاریخ یعقوبی جلد ۲، ص ۱۶۸) سعید بن عاص حضرت عثمان کا قریبی رشتہ دار تھا۔ اسے ایک لاکھ درہم ملے۔ امام علی علیہ السلام، زبیر، طلحہ، سعد اور عبدالرحمٰن نے اس بارے میں حضرت عثمان پر اعتراض کیا تو خلیفہ نے جواب دیا: میں نے صلۂ رحمی کا ثبوت دیا ہے اور رشتہ داروں کا حق ادا کیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا: کیا ابوبکر وعمر کے بھی رشتہ دار نہیں تھے؟ خلیفہ نے جواب دیا: وہ دونوں اس بات کے معتقد تھے کہ رشتہ داروں کو ان نوازشات سے محروم رکھنا چاہیے لیکن میرا اجتہاد یہ ہے کہ رشتہ داروں کو ان بخششوں سے بہرہ مند کرنا چاہیے۔ (دیکھئے انساب الاشراف جلد ۶، صفحہ ۱۳۷)

[1] حضرت عثمان نے لوگوں پر بیت المال سے جو عنایات کی تھیں ان کے بارے میں امام علیہ السلام نے صاف صاف فرمایا: ''اللہ کی قسم اگر وہ اموال میرے ہاتھ لگیں جو عثمان نے بلاوجہ لوگوں کو دیے تھے تو میں انہیں حقداروں تک پہنچا دوں گا اگرچہ ان اموال کو عورتوں کا مہر قرار دیا گیا ہو یا ان سے لونڈیاں خریدی گئی ہوں کیونکہ عدل میں فراخی ہے۔ جس شخص پر عدل گراں گزرتا ہو اس کے لیے ظلم وستم برداشت کرنا زیادہ گراں ہوگا۔ (نہج البلاغہ کلام نمبر ۱۵، ص ۵۷)

[2] امیر المومنین علیہ السلام کی حکومت کے آغاز کے بعد پہلی مرتبہ بیت المال کی تقسیم کی روئیداد ضمیمہ نمبر ۲۲ میں ملاحظہ ہو۔

اَلذَّلِیلُ عِندِی عَزِیزٌ حَتّیٰ آخُذَ الْحَقَّ لَهُ وَالْقَوِیُّ
عِندِیْ ضَعِیفٌ حَتّیٰ آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ[1]

یعنی ہر کمزور، مظلوم، ستم کش اور لوگوں کی نظروں میں حقیر شخص اس وقت تک میرے نزدیک معزز ہے اور اس کے حق کو تقدم حاصل ہے جب تک میں ظالم سے اس کا حق نہ دلواؤں۔ اس کے برعکس ہر ظالم (اگر چہ وہ معزز ہی کیوں نہ ہو) اس وقت تک میری نظر میں حقیر ہے جب تک میں اس سے (مظلوم کا حق) واپس نہ لے لوں۔ اس کے بعد وہ عام لوگوں کی طرح ہوگا۔ فرمایا: تم لوگوں نے گزشتہ ادوار میں جو اموال (بیت المال سے) ناجائز طریقے سے حاصل کیے ہیں انہیں واپس کرنا ہوگا اگر چہ ان اموال کے ذریعے تم نے لونڈیاں خریدی ہوں یا شادیاں کی ہوں یا انہیں مختلف مصارف میں خرچ کر ڈالا ہو۔ ان اموال کا تعلق بیت المال سے ہے جو لوگوں کا حق ہے۔ انہیں واپس کرنا ہوگا۔

یہ ہے امیر المومنین علیہ السلام کی عادلانہ حکومت کی پالیسی۔ اس طرزِ عمل کے مقابلے ان لوگوں کا ردّعمل کیا ہوگا جو اس روش کے بالکل برعکس سوچتے ہیں؟ کچھ لوگ یہ سوچ رہے تھے کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام بھی دوسروں کی طرح انہیں کوئی منصب، مقام یا کسی صوبے کی حکومت سونپیں گے لیکن امیر المومنین علیہ السلام کا موقف بہت سخت تھا۔ ایک رات بعض حضرات امیر المومنین علیہ السلام سے مذاکرات کرنے آئے۔ اس وقت امام علیہ السلام بیت المال کے اموال کا حساب فرما رہے تھے۔ آپ علیہ السلام نے چراغ بجھا دیا۔ آنے والوں نے پوچھا:

یہ کیا طریقہ ہے؟

فرمایا:

یہ چراغ بیت المال کا ہے۔ چونکہ ہماری گفتگو نجی نوعیت کی ہے اس لیے میں نے چراغ بجھا دیا ہے۔[2]

---

[1] دیکھئے نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۳۷، صفحہ ۸۲۔

[2] ایک رات امیر المومنین علیہ السلام بیت المال میں اموال کا حساب فرما رہے تھے۔ اتنے میں جناب طلحہ وزبیر داخل ⇐

جب انہوں نے یہ روش دیکھی تو مایوس ہو گئے اور جان گئے کہ اس خلیفہ کے ساتھ ڈیل نہیں ہو سکتا، اس کے ساتھ منفی سمجھوتہ، ساز باز، لین دین یا نباہ نہیں ہو سکتا۔

کس قسم کے لوگوں کا آپؑ سے نباہ نہیں ہو سکتا تھا؟ عمار کا؟ اویس قرنی کا؟ صعصعہ بن صوحان کا؟ نہیں۔ ان لوگوں کا آپؑ سے نباہ ممکن تھا کیونکہ یہ عام لوگوں کی طرح بے لوث رہتے تھے۔ یہ لوگ عیش و عشرت کے عادی نہ تھے۔ انہیں مراعات یافتہ اشراف کی طرح زندگی گزارنے کی عادت نہ تھی۔ یہ بیت المال لوٹنے والوں میں سے نہ تھے۔ یہ لوگ علیؑ کے ساتھ نباہ کر سکتے تھے۔ جن لوگوں کا ایمان مضبوط تھا، جن کا ماضی بے داغ تھا، جن کے اموال میں بیت المال سے غصب شدہ کوئی مال شامل نہ تھا، جنہیں حلال خوری کی عادت تھی ایسے لوگ علیؑ کے ساتھ نباہ کر سکتے تھے۔

علیؑ کے ساتھ نباہ کرنے سے وہ لوگ قاصر تھے جن کے ہاتھوں کے اوپر بیت المال کی لوٹ مار کے جرم میں انصاف کا خنجر لٹک رہا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ علیؑ کی کاٹ سخت ہے، علیؑ کا فیصلہ اٹل ہے اور وہ جو کہتا ہے اسے کر گزرتا ہے۔ (۱۱۲)

قریب ترین ساتھی کے ساتھ سخت ترین برتاؤ

حضرت عبد اللہ بن عباس امیر المومنین کے چچازاد، آپؑ کے شاگردِ خاص اور مخلص مرید تھے۔ آپؑ انہیں سب لوگوں سے زیادہ اپنا قریبی سمجھتے تھے۔ ابن عباس نے بھی آخری دم تک امیر المومنینؑ کے ساتھ وفاداری نبھائی۔ اگرچہ امامؑ نے ابن عباس کے ساتھ سخت رویہ اپنایا لیکن چونکہ ابن عباس کو معلوم تھا کہ امامؑ کا دل ایمان کا سرچشمہ

☜ ہوئے۔ امامؑ نے وہ چراغ بجھا دیا جو آپؑ کے سامنے جل رہا تھا اور حکم دیا کہ گھر سے ایک اور چراغ لایا جائے۔ طلحہ و زبیر نے اس اقدام کی علت پوچھی۔ آپؑ نے فرمایا: كَانَ زَيْتُهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ نُصَاحِبَكُمْ فِيْ ضَوْئِهِ ((اس چراغ کا تیل بیت المال کا تھا اور یہ درست نہ تھا کہ ہم اس کی روشنی میں آپ سے ملاقات اور گفتگو کرتے۔)) (دیکھئے کشفی حنفی کی المناقب المرتضویہ ص ۳۶۵ نیز ابن شہر آشوب کی مناقب آل ابی طالب جلد ۲، ص ۱۱۰)

ہے اس لیے وہ نہ امیر المومنین علیہ السلام سے ناراض ہوئے اور نہ دور رہے بلکہ زندگی کے آخری لمحے تک امیر المومنین علیہ السلام کے وفادار، آپ کے مبلغ اور آپ کی محبت کے داعی رہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس بصرہ کے گورنر تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام کو خبر ملی کہ ابن عباس نے بیت المال کے بعض اموال میں بے جا تصرف کیا ہے۔ امام علیہ السلام نے خط لکھا: مجھے اس قسم کی خبر ملی ہے لہٰذا بیت المال میں اپنے تصرف کا حساب میرے پاس بھیج دو۔[1]

امیر المومنین علیہ السلام نے اس بات کا کوئی لحاظ نہیں کیا کہ عبداللہ بن عباس آپ علیہ السلام کے چچازاد ہیں اور وہ احتساب سے ناراض ہو جائیں گے یا اس سے عبداللہ کی اہانت ہوگی۔ اگر کوئی انسان اپنے انفرادی یا معاشرتی امور میں یا عظیم معاشرتی ذمہ داریوں میں لغزش، اشتباہ اور خطا کا شکار ہو تو پھر اس قسم کی رو رعایت بے جا ہوگی۔ سرکاری اہلکاروں کی کارکردگی کے بارے میں ان سے پوچھنا، حساب لینا یا ان کا محاسبہ کرنا حکمرانوں کا اہم فریضہ ہے۔

اس لیے امام علیہ السلام نے ابن عباس کو حکم دیا کہ وہ بیت المال میں اپنے تصرف کا حساب کتاب آپ علیہ السلام کے پاس روانہ کریں۔ ابن عباس رنجیدہ ہوئے۔ انہوں نے یہ جواب دیا:

> بیت المال میں ہمارا حق اس مقدار سے زیادہ ہے جو اس وقت ہمارے اختیار میں ہے۔[2]

---

[1] امیر المومنین علیہ السلام نے ابن عباس کو لکھا: آپ کے بارے میں مجھے ایک اطلاع ملی ہے جو درست ہو تو یقیناً آپ نے اپنے رب کے غضب کو دعوت دی ہے نیز اپنی امانت میں خیانت، اپنے امام کی نافرمانی اور مسلمانوں کے ساتھ بددیانتی کی ہے۔ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے کچھ زمینیں ہتھیالی ہیں اور اپنے زیر اختیار اموال میں بے جا تصرف کیا ہے۔ آپ جلد از جلد اپنے اموال کا حساب میرے پاس روانہ کریں اور جان لیں کہ اللہ کا احتساب لوگوں کے احتساب سے زیادہ سخت ہے۔ والسلام (انساب الاشراف ج ۲، ص ۱۷۰، الفتوح ج ۴، ص ۲۴۲)

[2] ابن عباس کے خط کا مضمون یوں نقل ہوا ہے۔ آپ کا خط ملا۔ میں نے بصرہ کے بیت المال سے جو کچھ لیا ہے اسے آپ نے میرا عظیم جرم قرار دیا ہے حالانکہ مجھے اپنی جان کی قسم! بیت المال میں میرا حق اس کہیں زیادہ ہے جو ←

کچھ لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ چونکہ لوگوں کے لیے ان کی سابقہ خدمات ہیں اس لیے بیت المال میں ان کا حق دوسروں سے زیادہ ہے اور اگر ان کے ہاتھوں سے کوئی چیز تلف ہو جائے تو اس کی اتنی اہمیت نہیں۔ جناب عبداللہ بن عباس بھی اس غلط زعم میں مبتلا ہو گئے تھے اور یہی بات انہوں نے امیرالمومنین علیہ السلام کو لکھی۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے ابن عباس کو ایک سخت جواب لکھا جو نہج البلاغہ میں مذکور ہے۔[۲] اس خط میں امام علیہ السلام نے ایسے سخت، شدید اور ملامت آمیز الفاظ استعمال کیے ہیں جنہیں دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر ابن عباس کا ایمان محکم نہ ہوتا اور امیرالمومنین علیہ السلام کے بارے میں ان کی سابقہ شناخت موجود نہ ہوتی تو وہ اس خط کے باعث امام علیہ السلام سے روگرداں ہو جاتے اور معاویہ کے پاس پناہ لیتے یا کم از کم امام علیہ السلام کی اطاعت کے دائرے سے خارج ہو جاتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ بعد میں جب ابن عباس امیرالمومنین علیہ السلام کو یاد کرتے تو ان کی آنکھیں آبدیدہ ہو جاتی تھیں اور وہ اپنے اس عظیم استاد اور امام کا ذکر خیر کیا کرتے تھے۔ (۳)

واضح ہے کہ جب امیرالمومنین علیہ السلام اللہ کی خاطر گفتگو اور اقدام فرما رہے ہوں تو اس کا اثر بھی گہرا ہوگا۔ امیرالمومنین علیہ السلام بیت المال کی حفاظت میں کسی کا لحاظ روا نہیں رکھتے تھے۔ آپ علیہ السلام اپنے چچازاد، اپنے شاگرد اور اس کی سابقہ خدمات کا لحاظ نہیں کرتے حالانکہ

میں نے اس میں سے لیا ہے۔ والسلام۔ (دیکھئے شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۶، ص ۱۷۱)

۲۔ ابن عباس کے نام امیرالمومنین علیہ السلام کا خط ضمیمہ نمبر ۲۳ میں ملاحظہ ہو۔

۳۔ یعقوبی اپنی تاریخ میں رقمطراز ہے: جب عبداللہ بن عباس نے اپنی غلطی سے توبہ کی اور اپنے غلط اقدام کی تلافی کی تو امیرالمومنین نے انہیں لکھا: امابعد۔ گاہے انسان اس چیز کو پا کر خوش ہوتا ہے جو اس سے ہرگز نہیں چھوٹ سکتی اور اس چیز کی محرومی سے رنجیدہ خاطر ہوتا ہے جو اسے ملنے والی نہیں ہوتی۔ پس دنیا میں تجھے جو کچھ ملے اس پر زیادہ خوش نہ ہونا اور کسی دنیوی چیز سے محرومی پر زیادہ بے چین نہ ہونا۔ تیری توجہ موت کے بعد والے مرحلے پر مرکوز ہونی چاہیے۔ والسلام۔ ابن عباس ہمیشہ کہا کرتے تھے: رسول اکرم کے فرامین کے بعد میں نے کسی کلام کو اس کلام سے زیادہ سودمند نہیں پایا۔ (تاریخ یعقوبی ج ۲، ص ۲۰۵، نہج البلاغہ مکتوب ۲۲، ص ۳۷۸)

ابن عباس آپ علیہ السلام کے قریبی ساتھی اور آپ علیہ السلام کے دشمنوں کے مقابلے میں آپ علیہ السلام کے بہترین حامی تھے لیکن جب آپ علیہ السلام کو ان کی لغزش کا پتہ چلتا ہے تو پھر آپ علیہ السلام اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ غلطی کرنے والا کون ہے۔ اگر عبداللہ بن عباس بھی غلطی کریں تو امام علیہ السلام ان کا محاسبہ فرماتے ہیں۔ (۱۱۳)

زیادہ کام لیکن بیت المال سے بہت کم استفادہ

امیرالمومنین علیہ السلام کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ آپ علیہ السلام عوامی خزانے سے بہت کم استفادہ کرتے تھے۔ جو لوگ مسلمانوں کے بیت المال کو ذاتی ملکیت سمجھیں (خواہ وہ زبان سے اس کا اعتراف کریں یا اپنے عمل سے اپنے استحقاق کا عندیہ دیں یا بیت المال میں اپنے ذاتی اموال کی طرح تصرف کرتے ہوئے اس میں سے کھائیں، لوگوں کو بخشش یا ذاتی اغراض میں استعمال کریں) وہ علی علیہ السلام کے پیروکار نہیں ہو سکتے۔ ہمیں ان تمام زاویوں سے سیرتِ علوی پر عمل پیرا ہونا چاہیے یعنی یہ کہ ہم زیادہ کام کریں اور کم لیں۔[1] (۱۱۴)

مساوی تقسیم

امیرالمومنین علیہ السلام ایک جگہ فرماتے ہیں:

> یہ اموال جو میرے اختیار میں ہیں اگر میرے اپنے ہوتے
> تب بھی میں انہیں لوگوں کے درمیان مساوی تقسیم کرتا
> چہ جائیکہ بیت المال میرا ذاتی مال نہیں بلکہ لوگوں کا
> ہے۔[2] (۱۱۵)

---

[1] الغارات میں مروی ہے کہ امام نے اہل کوفہ سے فرمایا: اے اہل کوفہ! اگر میں تمہارے درمیان سے چلا جاؤں جبکہ میرے پاس زندگی کی عام ضروریات سے زیادہ سواری کے جانور یا غلام ہوں تو میں خیانت کار محسوب ہوں گا۔ پھر لکھتے ہیں: امیرالمومنین علیہ السلام کے اخراجات ینبع میں موجود آپ کی جائیداد سے پورے ہوتے تھے۔ آپ لوگوں کو روٹی اور گوشت کھلاتے تھے جبکہ آپ خود روٹی اور زیتون خرما کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔ (الغارات ج ۱، ص ۶۸)

[2] جب بیت المال کی مساوی تقسیم پر کچھ لوگوں نے امیرالمومنینؑ پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا: کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ میں اپنی کامیابی کی خاطر اپنی رعایا پر ظلم و ستم کا سہارا لوں؟ خدا کی قسم جب تک میں زندہ ہوں اور جب تک ←

ے سلسلہ روز و شب برقرار ہے نیز جب تک آسمان کے ستارے ایک دوسرے کے پیچھے طلوع و غروب ہوتے رہیں گے، میں یہ کام (غیر مساویانہ تقسیم) ہرگز نہیں کروں گا۔ اگر یہ مال خود میرا ہوتا تب بھی میں اسے سب میں برابر تقسیم کرتا چہ جائیکہ یہ مال اللہ کا ہے۔ (نہج البلاغہ صبحی صالح، کلام ۱۲۶، ص ۱۸۳، نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین، خطبہ ۱۲۴، ص ۳۵۲)

■ یتیم نوازی اور غریب پروری

عطوفت وشفقت کا نقطۂ کمال

امیر المومنین علیہ السلام عطوفت ، رحمدلی ، رقت قلب اور شفقت و ہمدردی کے نقطۂ کمال پر تھے۔ عام لوگوں میں یہ صفت بہت کم پائی جاتی ہے۔ مثلاً اگرچہ ایسے لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں جو ناداروں کی مدد کرتے ہیں اور کمزور گھرانوں کی خبر لیتے ہیں لیکن وہ شخص صرف امیر المومنین علیہ السلام ہیں جو اولاً یہ کام اپنے دور اقتدار و حکومت میں انجام دیتے ہیں۔ ثانیاً آپ یہ کام صرف چند روز نہیں بلکہ ہمیشہ انجام دیتے ہیں۔ یہ آپ کا دائمی معمول ہے۔ ثالثاً آپ صرف مادی مدد پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ غریب گھرانوں، بوڑھوں، اندھوں اور کمسن بچوں کے ہاں جاتے ہیں، ان کے ساتھ بیٹھتے ہیں، ان سے گھل مل جاتے ہیں، ان کا دل خوش کرتے ہیں پھر ان کی مدد بھی کرتے ہیں اور واپس آتے ہیں۔ کیا آپ رحمدل، شفیق اور رقیق القلب لوگوں میں اس قسم کے چند افراد ڈھونڈ نکال سکتے ہیں؟ یہ ہے امیر المومنین علیہ السلام کی رقت قلبی اور عطوفت۔

آپ اس بیوہ کے گھر جاتے ہیں جس کے یتیم بچے ہیں، اس کے گھر کے تنور میں آگ جلاتے ہیں، اس کے لیے روٹی پکاتے ہیں اور اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کے

بچوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان غمگین اور پریشان حال بچوں کے لبوں پر مسکراہٹ لانے کے لیے ان کے ساتھ کھیلتے ہیں، جھک کر انہیں اپنے کندھے پر سوار کرتے ہیں، انہیں اٹھا کر ادھر ادھر چلتے ہیں اور ان کی فقیرانہ جھونپڑی میں ان کا دل بہلاتے ہیں تاکہ ان یتیم بچوں کے لبوں پر ہنسی کے پھول کھلیں۔ یہ ہے امیر المومنین علیہ السلام کی عطوفت اور رحم دلی۔[1] (۱۱۶)

اے کاش میں بھی یتیم ہوتا

ابو طفیل کا بیان ہے: امیر المومنین علیہ السلام اپنی زندگی میں یتیموں کو بہت اہمیت دیتے اور انہیں نوازتے تھے۔ آپ علیہ السلام فرماتے تھے: میں یتیموں کا باپ ہوں۔ اس لیے مجھے باپ کی طرح ان سے محبت کرنی چاہیے۔

راوی کہتا ہے: امیر المومنین علیہ السلام اپنی مبارک انگلیوں سے شہد نکال نکال کر یتیموں

---

[1] کشف الیقین میں مروی ہے: امیر المومنین علیہ السلام ایک رات ایک غریب بیوہ کے گھر کے پاس سے گزرے۔ اس عورت کے بچے بھوک کی وجہ سے رو رہے تھے اور بیچاری عورت انہیں تسلی دے کر سلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے آگ جلا کر اس کے اوپر ایک برتن رکھ دیا تھا جس میں سادہ پانی تھا تاکہ بچے خیال کریں کہ کھانا پک رہا ہے اور شاید اس خیال سے وہ سو جائیں۔ یہ دیکھ کر امیر المومنین علیہ السلام لوٹے، آپ نے کچھ مقدار میں کھجور، آٹا، روغن اور چاول لے کر اس گھر کا رخ کیا۔ قنبر نے اس سامان خورد و نوش کو اٹھانے میں امام علیہ السلام کی مدد کرنے کی کوشش کی لیکن امام علیہ السلام نے قبول نہیں کیا۔ آپ اس بوجھ کو اپنے کندھے پر اٹھا کر اس بیوہ کے دروازے پر پہنچے اور اجازت لے کر داخل ہوئے۔ آپ نے چولہے پر چڑھے ہوئے دیگچے میں چاول اور تیل ڈال کر کھانا پکایا پھر ہر بچے کے لیے ایک ایک برتن میں چاول ڈال دیے اور ان سے کھانے کے لیے کہا۔ جب بچے کھا کر سیر ہوئے تو امام علیہ السلام نے ان کے ساتھ کھیلنا شروع کیا اور ان کے چہرے پر ہنسی کے پھول کھلائے پھر ان کے گھر سے فارغ ہوئے۔ قنبر نے عرض کی: مولا! آج رات میں نے ایک عجیب چیز کا مشاہدہ کیا۔ میں نے اس غریب گھرانے تک کھانا پہنچانے کا فلسفہ تو سمجھ لیا لیکن میں یہ سمجھ نہیں سکا کہ آپ نے جھک کر اور گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے بچوں کو کیوں ہنسایا؟ امام علیہ السلام نے قنبر کو جواب دیا: اے قنبر! جب میں ان بچوں کے ہاں داخل ہوا تو وہ بھوک کی شدت سے رو رہے تھے۔ پس میں نے چاہا کہ میں اس حالت میں ان کے ہاں سے نکلوں کہ وہ ہنس رہے ہوں اور کھا پی کر سیر بھی ہوں۔ میں نے اس مقصد کے حصول کے لیے سوائے اس کام کے جو میں نے انجام دیا کوئی اور چارۂ کار نہیں پایا۔ (کشف الیقین ص ۱۱۵)

کو کھلاتے تھے۔ چنانچہ اس دور کے ایک مسلمان نے کہا:

میں آرزو کیا کرتا تھا کہ کاش میں بھی یتیم ہوتا تاکہ امیر المومنین علیہ السلام مجھے بھی اسی لطف و محبت سے نوازتے۔[1] (۱۱۷)

سرکاری کارندوں کے نام حکمنامہ

اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین علیہ السلام کو عظیم طاقت، اقتدار اور تسلط سے نوازا تھا۔ اس کے باوجود آپ کو معاشرے کے سب سے کمزور لوگوں کی فکر رہتی تھی۔ آپ علیہ السلام مختلف علاقوں میں جن حاکموں، گورنروں اور مشیروں کو روانہ فرماتے تھے انہیں بھی اس بات کی تلقین فرماتے تھے۔ آپ نے مالک اشتر سے فرمایا:

ایسے لوگوں کو تلاش کرو جن پر تم جیسے حکمرانوں کی نظر نہیں پڑتی۔

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ہمیشہ حکام کے اردگرد چکر لگاتے رہتے ہیں اور ان تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ یہ لوگ بااثر، چرب زبان، چالاک اور باحیثیت ہوتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ لوگ برے ہیں۔ ممکن ہے اچھے ہوں لیکن وہ حکام سے قریب ہونے کا گر جانتے ہیں۔ اس کے برعکس معاشرے میں کچھ لوگ اس کام کے لیے درکار وسائل، طاقت، جرأت، دولت اور معلومات سے عاری ہوتے ہیں۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

ایسے افراد کو تلاش کرو اور ان کی خبر لو۔[2]

امیر المومنین علیہ السلام اپنے والیوں کو یہ حکم دیتے ہیں اور خود بھی یہی طرز عمل اپناتے ہیں۔ آپ ناداروں کے گھر جاتے اور یتیم بچوں کو اپنے ہاتھ سے غذا کھلاتے ہیں۔ (۱۱۸)

---

[1] دیکھئے مناقب ابن شہر آشوب ج۲، ص۷۵ نیز بحار الانوار ج۴۱، ص۲۹

[2] امیر المومنین علیہ السلام نے مالک اشتر کے نام اپنے حکمنامے میں فرمایا: کمزور طبقے کے معاملے میں اللہ سے ڈرو یعنی بے چاروں، حاجتمندوں، ناداروں اور معذوروں کا خیال رکھو۔ ان میں کچھ وہ ہیں جو مانگتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جنہیں بن مانگے دینا چاہیے۔ پس ان کے بارے میں حکم خداوندی کو عملی جامہ پہناؤ۔ بیت المال اور مسلمان علاقوں کی زرعی آمدنی کا کچھ حصہ ہر مقام پر ان کے لیے مختص کرو۔ جان لو کہ دور والوں کا بھی وہی حصہ ہے جو نزدیک ⇐

۔۔

ے رہنے والوں کا ہے۔ ان سب کے حق کی رعایت کرو۔ بنابریں ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ اقتدار کا جنون تمہیں اپنی فکر میں مگن رکھے (اور تم ان لوگوں پر توجہ نہ دو) کیونکہ کاموں کی کثرت اور اہمیت کے بہانے تمہیں چھوٹے کاموں کی انجام دہی سے چھوٹ نہیں مل سکتی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ان لوگوں سے توجہ ہٹا لو اور ان لوگوں سے منہ بسور لو۔ جو لوگ تم تک رسائی نہیں رکھتے اور لوگ انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں ان کے بارے میں تحقیق کرو۔ اس کام کے لیے ایسے فرد کا انتخاب کرو جو قابل اطمینان، خداترس اور متواضع ہو تا کہ وہ تمہیں ان کی حالت سے آگاہ کرے۔ پھر ان (غریب) لوگوں کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرو کہ اللہ سے ملاقات کے وقت تیرا عذر قبول ہو کیونکہ رعایا میں یہ لوگ سب سے زیادہ دادرسی کے محتاج ہیں۔ تمہارے پاس اللہ کی بارگاہ میں تمام لوگوں کی دادرسی کے معاملے میں معقول عذر اور جواب ہونا چاہیے۔ یتیموں اور ان معذور بوڑھوں کے بارے میں تحقیق کرو جو کوئی چارہ کار نہیں رکھتے اور لوگوں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلا سکتے۔ یہ کام حکام کے لیے دشوار ہے۔ البتہ ہر حق دشوار ہے۔ گاہے اللہ اس کام کو بعض قوموں کے لیے آسان بنا دیتا ہے۔ ان قوموں کے لئے جو اچھی عاقبت کے طالب ہوں، استقامت و بردباری کے عادی ہوں اور اللہ کے وعدوں کی سچائی پر یقین رکھتے ہوں۔ (نہج البلاغہ صبحی صالح، مکتوب ۵۳، ص ۴۳۹)

■ امیر المومنینؑ: مقتدر لیکن مظلوم

وہ طاقتور جو سب سے زیادہ مظلوم تھا

طاقت واقتدار اور مظلومیت کی آپس میں نہیں بنتی۔ عام طور پر طاقتور اور مقتدر لوگ مظلوم واقع نہیں ہوتے لیکن امیر المومنین علیہ السلام مقتدر ہونے کے باوجود مظلوم واقع ہوئے۔[1] امیر المومنین علیہ السلام کے دور میں آپ علیہ السلام سے زیادہ طاقتور (حیرت انگیز شجاعت حیدری کے پیش نظر) کون تھا؟ امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کے آخری لمحے تک کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ آپ کی شجاعت کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ لیکن یہی طاقتور انسان اپنے دور کا سب سے مظلوم فرد واقع ہوا بلکہ (جیسا کہ کہا گیا ہے اور درست بھی ہے) آپ تاریخ اسلام کے مظلوم ترین انسان ہیں۔[2] (۱۱۹)

---

[1] ابن ابی الحدید کہتے ہیں: ایک دن علی علیہ السلام نے سنا کہ کوئی دردمند فریاد کر رہا ہے: ''میں مظلوم واقع ہوا ہوں۔'' آپ علیہ السلام نے اس سے فرمایا: هَلُمَّ فَلْنَصْرُخْ مَعاً فَإِنّي مَا زِلْتُ مَظْلُوماً ((آؤ ہم دونوں مل کر فریاد کریں کیونکہ میں بھی پیوستہ مظلوم رہا ہوں۔)) (شرح نہج البلاغہ ج۹، ص۳۰۷، بحار الانوار ج۲۹، ص۶۲۹)

[2] خطبہ شقشقیہ امیر المومنین علیہ السلام کی غیر معمولی مظلومیت کی داستان ہے۔ اس خطبے میں آپ فرماتے ہیں: ''خدا کی قسم! اس نے کھینچ تان کر خلافت کی قمیص پہن لی حالانکہ وہ خوب جانتا تھا کہ خلافت میں میرا وہی مقام ہے جو چکی میں ⟵

وہ دل جو خون کے آنسو روتا تھا

ہمیں چاہیے کہ امیر المومنینؑ کے راستے پر گامزن ہوں۔ آپ تاریخ بشریت میں اللہ کا معجزہ تھے۔ آپؑ کا وجودِ پاک ایک حیرت انگیز گوہر تھا۔ اس سے بھی تعجب خیز بات یہ تھی کہ عصر امیر المومنینؑ کے لوگوں نے آپ کی قدر و قیمت نہیں پہچانی[1] یقیناً یہ بھی

⇐ کیلی کا ہوتا ہے۔ میں وہ (بلند پہاڑ) ہوں جس کی بلندیوں سے سیلاب کا پانی نیچے بہتا ہے اور مجھ تک پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ اس کے باوجود میں نے خلافت کے آگے پردہ لٹکا دیا اور اس سے کنارہ کشی کر لی اور سوچنا شروع کیا کہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کر دوں یا اس سے بھی بھیانک تیرگی پر صبر کر لوں جس میں سن رسیدہ بالکل ضعیف اور بچہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور مومن اس میں ہاتھ پیر مارتا ہوا اپنے رب کے پاس پہنچ جاتا ہے؟ مجھے اس اندھیر پر صبر ہی قرین عقل نظر آیا۔ میں نے صبر کیا حالانکہ میری آنکھوں میں (غم و اندوہ) کی خلش تھی اور حلق میں (رنج کی) ہڈی پھنسی ہوئی تھی۔ (نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۳، نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین، خطبہ ۳، ص ۸۸)

[1] امام باقرؑ ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ امیر المومنینؑ کے دورِ حکومت کے اواخر میں ایک رات میں کوفہ میں آپ کے گھر گیا۔ میں نے قنبر سے آپ کا حال پوچھا۔ جواب ملا کہ آپ سوئے ہوئے ہیں۔ امام نے گویا ہماری بات سن لی کیونکہ آپ نے قنبر کو آواز دی: کس سے بات کر رہے ہو؟ قنبر نے کہا: ابن عباس ہیں۔ فرمایا: آ جاؤ۔ میں اندر داخل ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ اپنے بستر کے کونے میں فکرمند بیٹھے ہیں۔ غم و غصے اور رنجیدگی کے آثار آپ کے چہرے سے ظاہر ہیں۔ میں نے عرض کی: اے امیر المومنین! کیا بات ہے کہ آج رات آپ اس قدر رنجیدہ دکھائی دے رہے ہیں؟ فرمایا: اے ابن عباس! جب دل پریشان ہو تو آنکھیں کیوں کر لگ سکتی ہیں؟ دل اعضاء و جوارح کا مالک ہوتا ہے۔ جب دل کسی اہم مسئلے میں پھنسا ہوا ہو تو نیند بھی آنکھوں سے کوسوں دور رہتی ہے۔ ہاں میں ابتدائے شب سے ہی بیدار ہوں اور اس سوچ میں غرق ہوں کہ اس امت کا کیا بنے گا؟ آپ نے امت کی عہد شکنی، رسول اللہ ﷺ کی وصیت سے امت کی چشم پوشی اور آنحضرت کے ہاں آپؑ کو حاصل خصوصی مقام و مرتبے کے بارے میں ابن عباس سے بہت کچھ کہا۔ اس کے بعد فرمایا: آج نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ جگر خوار ہند کے بیٹے (معاویہ)، عمرو عاص، عقبہ، ولید، مروان اور ان کے پیروکاروں کے ساتھ میرا تذکرہ کیا جاتا ہے اور یہ پوچھا جاتا ہے کہ ہم میں سے کون برحق ہے؟ میں نے ہرگز یہ نہیں سوچا تھا کہ ایک دن معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا اور اس طرح کے لوگ تخت حکومت پر براجمان ہوں گے نیز لوگ بھی انہیں قبول کریں گے اور ان کی اطاعت میں کوشاں ہوں گے۔ یہ لوگ ہمیشہ اولیائے الٰہی کو ختم کرنے اور ان پر کاری ضرب لگانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ وہ تہمت، افتراء اور بغض و حسد کے ہتھیار کے ذریعے انہیں میدان سے باہر نکال دیتے ہیں۔ اس کے بعد ⇐

ان تعجب خیز اور تلخ حقائق میں سے ایک ہے۔ بات یہاں تک پہنچ گئی تھی (جیسا کہ نہج البلاغہ اور امامؑ کی تاریخ میں مذکور ہے) کہ آپ علیہ السلام اپنے دورِ حکومت میں بار بار اللہ کے حضور لوگوں کی شکایت فرمایا کرتے تھے۔[1] آپ علیہ السلام کا دل خون ہو چکا تھا۔ تمام تر وسیع القلبی نیز خدا اور احکامِ خداوندی کی راہ میں بے مثال جذبۂ عفو و درگزر کے باوجود امام علیہ السلام کی زندگی نہایت سختی اور دلفگاری سے لبریز تھی۔ (۱۲۰)

⁽⁾ امام کی گفتگو مفصل ہے۔ (دیکھئے: الیقین ص ۳۲۱، بحار الانوار ج ۲۹، ص ۵۵۲)

[1] ضربت کی رات (انیسویں رمضان) امیر المومنین علیہ السلام نے امام حسن علیہ السلام سے فرمایا: "فجر سے پہلے ایک لحظے کے لیے میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے کہا: اے رسول اللہ! مجھے آپ کی امت کے ہاتھوں کن کن لجاجتوں اور عداوتوں کا سامنا کرنا پڑا؟ میں نے ان کے ہاتھوں کیا کیا دکھ جھیلے؟ فرمایا: ان کے حق میں بددعا کرو۔ میں نے کہا: اے اللہ! مجھے ان کے بدلے بہتر لوگ دے اور انہیں میرے بدلے ایسا شخص دے جو ان کے حق میں برا ہو۔ (نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۷۰)

پچیسویں فصل

امیر المومنینؑ سے ہماری والہانہ عقیدت

والہانہ عقیدت

امیر المومنین علیہ السلام سے ہماری ملت کو جو عقیدت ہے وہ عشق سے لبریز ہے۔

یہ رابطہ آپ علیہ السلام کی ولایت وامامت کی بحث سے بالاتر ہے۔ ولایت وامامت پر ایمان ہمارے وجود کا جزو لاینفک ہے۔ یہ وہ درس ہے جو ہم نے گھوارے میں سیکھا ہے۔ یہ ایمان ہماری قبروں تک ہمارے ساتھ جائے گا لیکن امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ ہماری ملت کا قلبی رابطہ عشق ومحبت پر مبنی رابطہ ہے۔[1]

---

[1] سلمان فارسی سے منقول ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امیر المومنین علیہ السلام سے یہ فرماتے سنا: اے ابوالحسن! آپ کی مثال سورہ قل ھو اللہ کی سی ہے۔ جو کوئی اس سورت کو ایک بار پڑھے گویا اس نے قرآن کا ایک تہائی پڑھ لیا۔ جو اسے دو بار پڑھے گویا اس نے قرآن کا دو تہائی پڑھ لیا اور جو کوئی اسے تین بار پڑھے گویا اس نے پورا قرآن پڑھ لیا۔ اسی طرح جو شخص آپ کو زبان سے چاہے اس کا ایک تہائی ایمان مکمل ہوتا ہے۔ جو شخص آپ کو زبان اور دل سے چاہے اس کا دو تہائی ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔ جو شخص آپ کو زبان اور دل سے چاہے اور اپنے عمل سے آپ کی مدد کرے تو اس کا ایمان کامل ہوتا ہے۔ (معانی الاخبار ص۲۳۵، مناقب ابن شہر آشوب ج۳، ص۲۰۰ نیز بحار الانوار ج۳۹، ص۲۷۰)

محبت کا زینہ

امیر المومنین علیہ السلام کی زیبائیاں، آپ علیہ السلام کے جلوے اور آپ کے دلکش نقوش اس قدر زیادہ ہیں کہ جو دل ان سے آشنا ہو جائے وہ آپ کے بارے میں غیر حساس اور لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ جو شخص احادیث میں ذکر شدہ حد تک بھی آپ کو پہچان گیا وہ آپ علیہ السلام کا دلباختہ ہو گیا یہاں تک کہ جو لوگ ہماری طرح آپ علیہ السلام کی ولایت و امامت کے قائل اور معتقد نہیں وہ بھی جب فریقین کی کتب میں مذکور آپؑ کے فضائل کو دیکھتے ہیں تو وہ آپ کے دلباختہ اور مجذوب ہو جاتے ہیں۔[1] (یاد رہے کہ شیعوں کے علاوہ اہل سنت کے بزرگ علماء نے بھی ان فضائل کو نقل کیا ہے جن سے تمام آفاق پُر ہے) پس ہماری بحث امیر المومنین علیہ السلام کی نورانی و ملکوتی ذات کی شناخت سے نہیں کیونکہ یہ ہمارے فہم، تصور اور ادراک سے بالاتر ہے۔ البتہ جن لوگوں کے دل معرفتِ الٰہی اور نورِ ہدایت سے منور ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام کی محبت ایک اہم موضوع ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ عشق و مودت پر مبنی رابطہ ایک تابندہ حقیقت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس درخشاں حقیقت سے معراج کی طرح استفادہ کرتے ہوئے اپنے عروج کا سامان کریں جو ناممکن نہیں۔ محبت کی سیڑھی کے ذریعے معرفت کے اعلیٰ درجات تک رسائی ممکن ہے۔ اصل چیز محبت ہے۔[2]

---

[1] معروف عیسائی دانشور اور لبنان میں ادبیات عرب کے پروفیسر جارج جرداق کہتے ہیں: علی علیہ السلام کے فرمودات نے مجھے اتنا متاثر اور مسحور کیا کہ میں نے دو سو بار نہج البلاغہ کا مطالعہ کیا۔ (ترجمہ نہج البلاغہ دشتی، ص۱۴)

[2] عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جان لو کہ جو علی کا محبّ ہو وہ میرا محبّ ہے اور جو میرا محبّ ہو خدا اس سے خوش ہوتا ہے اور جس سے اللہ راضی ہوتا ہے اسے بہشت سے نوازتا ہے۔ جان لو کہ علی کا ہر محبّ کوثر کے چشمے سے سیراب ہونے، طوبیٰ کے درخت کا میوہ کھانے اور بہشت میں اپنا مقام دیکھ لینے سے پہلے دنیا سے رحلت نہیں کرتا۔ جان لو کہ جو علی سے محبت کرے اس کی نماز، اس کا روزہ، اس کی شب زندہ داری اور اس کی دعا مقبول ہیں۔ جان لو کہ جو کوئی علی سے محبت کرے اس کے لیے فرشتے طلب مغفرت کرتے ہیں اور بہشت کے آٹھ دروازے اس کے لیے کھولے جاتے ہیں تاکہ وہ ⇐

سنجیدہ محبت

امیر المومنین علیہ السلام کی یہ محبت اکسیر ثابت ہو سکتی ہے، مگر کب؟ اس وقت جب ہم امیر المومنین علیہ السلام اور اولیائے الٰہی کے ساتھ اپنی محبت و مودت کو سنجیدہ لیں۔ مگر کیسے؟ سنجیدہ محبت یہ ہے کہ ہم اس راستے پر چلیں جو ہمیں امیر المومنین علیہ السلام تک پہنچاتی ہے۔ اگر ہم خدانخواستہ اس راہ پر نہ چلیں اور اپنے کسی عمل، اقدام یا گفتگو کے ذریعے آپ سے ایک قدم دوری اختیار کریں تو یہ محبت بھی اسی حساب سے پھیکی، سطحی اور ظاہری ہوتی جائے گی۔[1]

حقیقی محبت اور ظاہری محبت

ہماری محبت یا حقیقی ہوتی ہے یا ظاہری۔ آپ کے بیٹے سے آپ کی محبت حقیقی محبت ہے۔ کوئی پریشانی آپ کو اپنے بیٹے کی بیماری، اسے لاحق خطرے اور اس کے مسائل سے غافل نہیں کر سکتی کیونکہ یہ محبت حقیقی ہے۔ محبت کی دوسری قسم زبانی محبت ہے جو حساس مواقع اور مقامات پر انسان سے جدا ہو جاتی ہے۔ خدانخواستہ اگر ہم امیر المومنین علیہ السلام سے

ے جس دروازے سے چاہے بغیر حساب اندر داخل ہو جائے۔ جان لو کہ جو کوئی علی سے محبت کرتا ہے اس کا نامہ عمل اس کے دائیں ہاتھ میں تھما دیا جاتا ہے اور اس کا حساب انبیاء کے حساب کی طرح لیا جاتا ہے۔ جان لو کہ علی کے محب پر موت کی سختیاں آسان ہوتی ہیں اور اس کی قبر بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جاتی ہے۔ جان لو کہ خدا حکمت کو علی کے محب کے دل میں راسخ اور اس کی زبان پر جاری کرتا ہے اور اس پر رحمت کے دروازے کھولتا ہے۔ یہ حدیث بہت طویل ہے اور اس میں محبان علی کے لیے بہت سی بشارتیں موجود ہیں۔ (دیکھئے فضائل الشیعہ (شیخ صدوق) ص ۳، مأۃ منقبۃ ص ۶۴، بحار الانوار ج ۷، ص ۲۲۱)

[1] ایک شخص نے امیر المومنین علیہ السلام سے نصیحت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا: لَا تَكُنْ مِمَّنْ يَرْجُو الْآخِرَةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ يُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَا يَعْمَلُ عَمَلَهُمْ وَيُبْغِضُ الْمُذْنِبِينَ وَهُوَ أَحَدُهُمْ ((ان لوگوں میں سے نہ بنو جو عمل کے بغیر آخرت میں کامیابی کی امید باندھتے ہیں۔ وہ نیک لوگوں سے محبت کرتے ہیں لیکن ان کی طرح عمل نہیں کرتے۔ وہ گناہگاروں سے نفرت کرتے ہیں لیکن خود بھی ان میں شامل ہوتے ہیں۔)) (نہج البلاغہ صبحی صالح، کلمات قصار نمبر ۱۵۰، ص ۴۹۷)

دوری اختیار کریں تو یہی ہوگا یعنی ہماری محبت زبانی دعویٰ ہوگی اور یہ محبت ضرورت کے موقعے پر ہماری دستگیری نہیں کرے گی لیکن اگر ہم امیر المومنین علیہ السلام کے راستے پر چلیں تو جس قدر آگے بڑھیں گے یہ محبت عمیق تر ہوتی جائے گی۔[1]

محبوب کی اقتداء

ہمیں چاہیئے کہ امیر المومنین علیہ السلام کی ذاتِ والا صفات اور آپ علیہ السلام کی سیرت کے درجنوں کمالات (جن میں سے ہر کمال خورشیدِ عالمتاب کی طرح درخشاں ہے) پر نظر کریں اور ان میں سے بعض کمالات کا انتخاب کریں پھر ان کمالات کے راستے پر چل نکلیں۔ امیر المومنین علیہ السلام کا ایک کمال یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنی زندگی کی ابتداء سے انتہا تک ہمیشہ اللہ کو مدنظر رکھا نیز غیر اللہ اور دشمنان خدا کے راستے کے مقابلے میں ہمیشہ راہ خدا کا

---

[1] امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے دوستدار نوف کے ساتھ گفتگو میں اپنے شیعوں کی یوں توصیف کی: ''میرے شیعہ وہ ہیں جن کے ہونٹ ذکر خدا کی کثرت سے خشک رہتے ہیں۔ وہ کم کھاتے ہیں۔ ان کے چہروں سے ان کی للّٰہیت اور دنیا سے بے رغبتی عیاں ہوتی ہے۔ وہ رات کو عبادت میں مگن رہتے ہیں اور دن کو شیروں کی طرح شجاعت کے جوہر دکھاتے ہیں۔ رات ہوتی ہے تو وہ خدا کے حضور عبادت اور مناجات کے لیے ہمہ تن تیار ہوتے ہیں۔ اللہ کے سامنے اپنے پیروں پر کھڑے ہوتے ہیں اور خاک پر فروتنی کے ساتھ سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ ان کے آنسو رخساروں پر جاری ہوتے ہیں۔ وہ گڑگڑا کر اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ انہیں جہنم کی آگ سے نجات دے لیکن دن کے وقت وہ بردباری، عظمت، نجابت، نیکی اور تقویٰ کے پیکر ہوتے ہیں۔ اے نوف! میرے شیعہ وہ ہیں جو زمین پر اپنی زندگی کی بساط بچھاتے ہیں۔ پانی ان کے لیے بہترین خوشبو ہوتا ہے۔ وہ قرآن سے دائمی لو لگاتے ہیں، گمنام زندگی گزارتے ہیں اور شہرت سے گریزاں رہتے ہیں۔ میرے شیعہ کسی کو اذیت نہیں دیتے اور باولے کتے کی طرح کسی کو نہیں کاٹتے۔ وہ طمع نہیں کرتے، کوے کی طرح خود کو حرص سے آلودہ نہیں کرتے اور لوگوں سے نہیں مانگتے اگرچہ بھوک سے مر جائیں۔ وہ مومنوں کی عزت و تکریم کرتے ہیں اور اہل فسوق و فجور سے دور رہتے ہیں۔ اے نوف! اللہ کی قسم میرے شیعہ وہ ہیں جن کے شر اور آزار سے سب محفوظ ہوں۔ ان کے دل محزون ہوتے ہیں اور ان کی دنیوی خواہشات محدود ہوتی ہیں۔ وہ طہارت و عفت کے پیکر ہوتے ہیں۔ ان کے اجسام لوگوں کے درمیان لیکن ان کے دل صرف اللہ کے پاس ہوتے ہیں۔ کوئی اور ان کے دل کے اندر وارد نہیں ہو سکتا۔ (کنز الفوائد ج۱ص۸۷، اعلام الدین ص۱۳۷، بحار الانوار ج۸۰ص۲۰۷)

انتخاب کیا (اگر چہ سارے لوگ اس کی مخالفت کریں۔)[1]

مکی زندگی کے دوران آپ علیہ السلام نے ایک لحظے کے لیے بھی (مشرکین کے) تشدد آمیز اقدامات، تعصبات، مخالفتوں اور عداوتوں کی پرواہ نہیں کی اور حق کا دفاع کیا۔ پوری مدنی زندگی کے دوران جہاں جہاں خطرہ موجود ہوتا وہاں علی ابن ابی طالب علیہ السلام موجود ہوتے تھے۔ آپ علیہ السلام کسی خطرے کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ خندق کے واقعے میں سب لوگوں نے نظریں جھکالیں تو علی علیہ السلام کھڑے ہوگئے اور اپنی رضا کارانہ خدمات مردانہ وار پیش کیں۔ گویا اسلام اور حق کے دفاع کے علاوہ آپؑ کے وجود کا کوئی مقصد نہ تھا۔ آپؑ کا کام صرف یہ تھا کہ حق کا دفاع کریں۔ اگر اس جذبے کو دیکھ کر کسی کے اندر احساس کی ایک چنگاری بھی سلگ اٹھے تو نتیجہ وہی ہوگا جس کا مشاہدہ آپ جنگی محاذوں، شہیدوں، ہمارے بہادر مجاہدین، دشمن کے ہاں مقید ہمارے جانباز اسیروں، ہمارے صابر جانبازوں نیز شہیدوں کے گھرانوں اور ان کے والدین کو دیکھ کر کر چکے ہیں۔ آپ مشاہدہ کر چکے ہیں کہ ہماری ملت نے انقلابی تحریک اور جنگ کے دوران نیز اس کے بعد سے لے کر اب تک دنیا میں کیا تہلکہ مچا دیا ہے۔ یہ تو ایک معمولی کرشمہ تھا۔ یہ امیر المومنین علیہ السلام کے باطن کے اندر موجزن بحر بیکراں سے اثر پذیری کا ایک قطرہ تھا۔

ہم امیر المومنین علیہ السلام کے محبّ ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے دلوں میں امیر المومنین علیہ السلام کا عشق موجزن ہے۔ یہ ہمارے لیے سرمایۂ امید اور باعثِ فخر ہے۔ لیکن وہ کیا چیز ہے جو اس محبت کی جڑوں کو ہمارے باطن کی گہرائیوں میں راسخ کرتی ہے، اس میں روز افزوں اضافہ کرتی ہے اور اسے ثمر بخش بناتی ہے؟ وہ یہ ہے کہ ہم امیر المومنین علیہ السلام کی اس صفت کی اقتداء کریں۔ (۱۲۲)

---

[1] امیر المومنین علیہ السلام جو خود امام المتقین ہیں، متقین کی توصیف یوں بیان فرماتے ہیں: عَظُمَ الْخَالِقُ فِی اَنْفُسِهِم فَصَغُرَ مَا دُونَهُ فِی اَعْیُنِهِم ((ان کے قلوب و اذہان کے اندر خالق کی عظمت اس قدر گھر کر گئی ہے، جس کے باعث خالق کے سوا ہر چیز ان کی نظروں میں معمولی اور حقیر بن گئی ہے۔)) (نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۱۹۳، نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین، خطبہ ۱۹۱)

■ سیرت علوی: ہماری ضرورت

بہترین نمونہ عمل

امیر المومنین علیہ السلام اور دیگر اولیا کی اجمالی معرفت کے بعد ہمارے لیے اس بات کی طرف توجہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر بعض ہستیوں کو عالم انسانیت کے لیے بہترین نمونہ حیات بنا کر بھیجا ہے تا کہ لوگ یہ سمجھ جائیں کہ نمونہ کیا ہے اور انسان کا مقصدِ حیات کیا ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام کو دیکھ کر ہمیں اس حقیقت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ یہ اہم بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام علیہ السلام جس طرح اپنی زبان اور اپنے فرامین کے ذریعے انسانوں کی راہنمائی فرماتے ہیں اسی طرح یا اس سے زیادہ اپنے کردار، اپنی سیرت اور اپنی شخصیت کے ذریعے انسانوں کو جہت عطا فرماتے اور صراط مستقیم پر گامزن فرماتے ہیں۔ یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام ہمارے امام ہیں، تمام مسلمانوں کے پیشوا ہیں اور سب آپؑ کو امام تسلیم کرتے ہیں۔ امام کیا ہے؟ امام وہ ہے جس کی شخصیت کی مختلف جہات کو ہم مدنظر رکھیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہم کسی نمونے کو سامنے رکھتے ہیں پھر اسی کے مشابہ کوئی چیز بنانے کی کوشش اور مشق کرتے ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ اپنی انفرادی زندگی اور کردار کی اصلاح، اللہ کے ساتھ اپنے رابطے، ذاتی امور، لوگوں کے ساتھ روابط، بیت المال میں تصرف، اختیارات کے استعمال، اپنے اموال میں تصرف، وسائل کے استعمال، ماتحت لوگوں کے ساتھ ہمارے معاشرتی برتاؤ، ذہنی، علمی اور اعتقادی فقر کے شکار محتاجوں کے ساتھ شفقت و مہربانی، دین خدا کی حفاظت، دین شناسی، دشمنوں کے ساتھ سلوک غرض تمام امور زندگی میں سیرت علوی کو نمونہ عمل قرار دیں اور ممکنہ حد تک امیر المومنین علیہ السلام کی سیرت کو اپنانے کی کوشش کریں۔

امیر المومنین علیہ السلام کمالات کی بلند چوٹی ہیں۔ آپ ایک بلند پہاڑ کی چوٹی کا تصور کریں جس کی سمت ہمیں روانہ ہونا ہے اگرچہ ہم ہنوز وادی میں ہی محو سفر کیوں نہ ہوں۔ اہم بات یہ ہے کہ ہم صحیح سمت چل پڑیں اور یہ نہ کہیں کہ ہم تو وہاں نہیں پہنچ سکتے۔ نہیں ہمیں اپنا سفر جاری رکھنا چاہیے۔ (۱۲۳)

شیعہ وہ ہے جو متابعت کرے

مولا علی علیہ السلام کا نام لینے اور آپ کو یاد کرنے کا مقصد کیا ہے؟ پہلا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو امام علیہ السلام کی متابعت اور پیروی کے قابل بنائیں۔ شیعہ وہ ہے جو متابعت کرے۔ امام علیہ السلام کی متابعت کیے بغیر اپنے آپ کو امام کا شیعہ قرار دینا امامؑ کے ساتھ ظلم ہے۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ امامؑ کی سیرت کی ترویج کے ذریعے ہم اسلام کے اصلی ہدف یعنی انسانی معاشروں کو اسلامی نظام حیات کے مطابق ڈھالنے کے سلسلے میں عصر حاضر کے لوگوں کے اذہان و قلوب کو آگاہ اور روشن کر سکتے ہیں۔ تمام چیزوں کا محور امیر المومنین علیہ السلام کی چند سالہ حکومت ہے۔ بنابریں آپ علیہ السلام کے بارے میں ہماری گفتگو کا مقصد آپ علیہ السلام کا اتباع ہونا چاہیے۔ یہاں میں اس بات پر زور دیتا ہوں کہ اب چونکہ اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر اسلامی نظام قائم ہو چکا ہے لہٰذا اسلامی حکومت کے اعلی عہدیداروں اور ارباب حل و عقد کو دوسروں سے زیادہ امیر المومنین علیہ السلام کی متابعت کرنی چاہیے۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے ارباب بست وکشاد کو بھی بعض باتوں کی یاددہانی کی ہے اور عام لوگوں کو بھی۔ آپ علیہ السلام نے عام لوگوں سے جو کچھ فرمایا ہے وہ حکام کے لیے بھی کارگر ہے لیکن حکام کو جو ہدایات دی ہیں وہ خود انہی کے لئے ہیں۔ امیرالمومنین علیہ السلام کے خطوط میں (خواہ مالک اشتر کے نام آپ کا معروف خط ہو یا دیگر والیوں اور عمال کے نام آپؑ کے خطوط) آپ کے فرامین مذکور ہیں۔ آج ہمیں (خواہ ارباب اقتدار ہوں یا عام لوگ) امیرالمومنین علیہ السلام کے ان فرمودات سے آگاہی حاصل کرنے اوران پرعمل کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ اگر ہم ان فرامین پرعمل کریں تو ہم "کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنّاس"[1] کے مصداق ٹھہریں گے یعنی ہم ایک ایسی امت بن جائیں گے جو پوری دنیا کے لیے نمونہ عمل ہو۔ اس صورت میں دنیا کے لوگ ہمیں مشعل راہ سمجھیں گے اور ہماری پیروی کریں گے۔ (۱۲۴)

اسوہ کامل

امیرالمومنین علیہ السلام سب کے لیے اسوۂ کامل ہیں۔ آپ علیہ السلام کی جوانی جو شجاعت و شہامت اور جذبہ وشوق سے لبریز تھی تمام جوانوں کے لیے نمونہ ہے۔ آپ علیہ السلام کا اندازِ حکومت جو عدل وانصاف کا مرقع ہے حکمرانوں کے لیے نمونہ عمل ہے۔ آپ علیہ السلام کی آزادمنشی دنیا کے تمام حریت پسندوں کے لیے خضرِ راہ ہے۔ آپ کے حکمت آمیز فرامین اور تاریخ ساز مواعظ علماء، دانشوروں اور روشن خیال لوگوں کے لیے نمونہ ہیں۔

امیرالمومنین علیہ السلام ایک حکمران کی حیثیت سے عدل وانصاف کے معاملے میں نیز کمزوروں اور بے سہاروں کے حقوق کے معاملے میں بہت حساس تھے اور کسی رورعایت کے قائل نہ تھے۔ ہماری روش بھی یہی ہونی چاہیے۔ آپ علیہ السلام اپنے حق اور اپنے حصے کے

---

[1] كُنتُم خيرَ اُمةٍ اُخرِجَت لِلناسِ تَامُرُونَ بالمعرُوفِ وَتَنهَونَ عَنِ المُنكَرِ وَتُومِنُونَ بِاللّٰہ ((تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کی بہتری کی خاطر خلق کیا گیا ہے کیونکہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)) (آل عمران/۱۱۰)

معاملے میں بہت چشم پوشی فرماتے تھے۔ ہم سب کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ آپؑ کی پوری زندگی خدا پرستی، باطنی پاکیزگی، مجاہدت، کوشش، زندہ دلی اور نشاط کی مظہر تھی۔ آپؑ نے غموں، تلخیوں اور تکالیف کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا اور احساس ذمہ داری کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں نبھائیں۔ یہ ایک نہایت اچھا نمونہ ہے۔

ہم امیر المومنینؑ سے قربت کی بدولت اپنے ملک وملت اور اسلامی حکومت کے عظیم ہدف (یعنی معاشرتی عدل وانصاف) تک رسائی حاصل کرسکیں گے۔ مجھے امید ہے کہ سب سے پہلے ہم یعنی ملک کے صاحبان اقتدار اور اس کے بعد ہمارے عام لوگ کوشش کریں گے تاکہ ہم اس ملک میں سماجی اور معاشرتی عدل وانصاف کی جڑیں مضبوط کرسکیں۔ یہ عصر حاضر اور تاریخ عالم کے انصاف پسندوں، مجاہدوں، شہیدوں اور صالح لوگوں کی سب سے بڑی آرزو رہی ہے اور ہے۔ (۱۲۵)

حیاتِ امام کا ہر پہلو مشعل راہ ہے

ہمیں چاہیے کہ سوچ سمجھ کر نمونوں کا انتخاب کریں۔ دیکھیے کہ امیر المومنینؑ کی شخصیت کے بے شمار پہلو ہیں۔ ان تمام پہلوؤں کا الگ الگ جائزہ لینا چاہیے تاکہ ان کی روشنی میں موجودہ دور کے انسانوں کی شخصیت سازی کو پروان چڑھایا جاسکے۔

آیئے پہلے ہم امیر المومنینؑ کے مختلف خصائل کا جداگانہ جائزہ لیتے ہیں (جیسا کہ ہم تقریر وگفتگو کے دوران عام طور پر ایسا کرتے ہیں۔ مثلاً امیر المومنینؑ کے اخلاص، آپ کے تقویٰ اور آپ کے علم وغیرہ کا الگ الگ تجزیہ کرتے ہیں)۔ یہ ایک طریقہ ہے جو اچھا ہونے کے علاوہ لازمی اور ضروری بھی ہے۔ آپؑ کی شخصیت کو ہم ایک اور لحاظ سے بھی تقسیم کرسکتے ہیں اور وہ یوں کہ پہلے آپؑ کی نوجوانی کے دور کا جائزہ لیا جائے۔ (آپ کی نوجوانی کا دور تاریخ میں مذکور ہے۔) ہمیں چاہیے کہ اس دور کو آپؑ کی شخصیت کے عظیم منظر نامے سے الگ کریں اور اس کی الگ تشریح کریں۔ یہ دور کن لوگوں کے لیے نمونہ ہے؟ نوجوانوں کے لیے۔ پھر آپ کی جوانی جو جہد مسلسل سے

عبارت ہے، کا جائزہ لیا جائے اور اس کی تشریح و تبیین کی جائے۔ یہ دور کن لوگوں کے لیے نمونہ ہے؟ جوانوں کے لیے۔ ایک جوان کسی ساٹھ سالہ عمر رسیدہ شخص (مثلاً امیر المومنین اپنی حکومت کے دوران) کو (بہت سے کاموں میں) اپنے لئے نمونہ عمل قرار نہیں دے سکتا کیونکہ جوانی کے تقاضے، جذبات، خواہشات، پرشور احساسات اور میلانات جداگانہ نوعیت کے ہوتے ہیں۔ ایک جوان کی جولانگاہ جوانی کا میدان ہوتا ہے۔ جی ہاں یہ تاریخ ساز شخصیت جو ہر دور اور ہر عصر کے لیے مایۂ افتخار ہے ایک دورِ جوانی کا بھی حامل رہا ہے۔ تقریباً پندرہ سولہ سال کی عمر سے لے کر تیس چالیس سال کی عمر (جس دوران رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت ہوئی) تک کے عرصے کو امام علیہ السلام کی جوانی کا دور قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس دور کا الگ جائزہ لینا ہوگا۔ یہ دور بجائے خود ایک عظیم اور مصروف دور ہے جس پر کام کی ضرورت ہے تاکہ یہ جوانوں کے لیے نمونہ عمل قرار پائے۔

پھر امام اول علیہ السلام کی حکومت کا دور آتا ہے۔ اس دور کا الگ جائزہ لینا ہوگا۔ اس دور کی باتیں آج بھی دہرائی جاتی ہیں۔ مثلاً مالک اشتر کے نام آپ کا فرمان۔ اس عظیم دینی شخصیت نے معاشرے کے ایک عام فرد کے طور پر بھی (پچیس سالہ) زندگی گزاری ہے۔ اس دور میں آپ علیہ السلام کسی ظاہری منصب پر بھی فائز نہیں تھے۔ یہ دور کن لوگوں کے لیے نمونہ عمل ہے؟ آج یہ دور بہت سے لوگوں کے لیے نمونہ عمل ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام صرف اپنے دورِ حکومت کے زاویے سے ہی نمونہ نہیں۔ نہج البلاغہ کے بیانات زیادہ تر آپ علیہ السلام کے دورِ حکومت سے مربوط ہیں۔ کچھ کا تعلق دیگر ادوار سے ہے (جیسا کہ مذکور ہے کہ ان کا تعلق کس دور سے ہے)

امیر المومنین علیہ السلام ان پچیس سالوں میں کیا کرتے رہے؟ کیا فرماتے رہے اور کس طرح کی معاشرتی زندگی گزارتے رہے؟ ان امور کو باہم مخلوط کیوں کیا جاتا ہے؟ کچھ امور اس دور سے مربوط ہیں۔ جب ہم امام کا ذکر کرتے ہیں تو ''حکمران علی'' کا تصور ذہن میں آتا ہے حالانکہ بہت سے امور کا آپ علیہ السلام کے دورِ حکومت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ

کسی اور دور سے ہے۔ ہمیں ان امور کا الگ جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اب تک کی انسانی زندگی مستقبل کی حقیقی زندگی کی تمہید ہے۔

بنی نوع انسان کی کئی ہزار سالہ دنیوی زندگی جو وہ اب تک گزار رہا ہے ایک تمہید ہے۔ انبیاء، بزرگانِ دین، آسمانی کتب، خدائی نمائندے اور جنگیں، غرض ہر چیز کا تعلق اس تمہیدی مرحلے سے ہے۔ اصل مرحلہ بعد میں آئے گا۔ جب حضرت ولی عصر ارواحنا فداہ تشریف لائیں گے تو انسان ایک نئی زندگی شروع کرے گا۔ انسان کی حقیقی تاریخ کا آغاز اس کے بعد ہوگا جب سارے انسان اللہ کے صراط مستقیم پر گامزن ہوں گے اور حقیقی منزل مقصود پر پہنچ کر دم لیں گے۔ انشاء اللہ یہ منزل ضرور آئے گی لیکن خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ حیات انسانی کے کس دور میں یہ نوبت آئے گی۔ ہم اب تک ان بھول بلیوں، ناہمواریوں اور نشیب و فراز سے پر راستوں کے درمیان محو حرکت ہیں تاکہ اس اصلی راستے تک پہنچ جائیں۔ انبیاء کا کمال یہ ہے کہ وہ ہمیں اس راستے کے قریب لا چکے ہیں۔ انشاء اللہ بشریت اس مقام تک رسائی حاصل کرے گی۔ ہمیں توقع ہے کہ زیادہ وقت نہیں لگے گا لیکن وہاں تک رسائی یقینی ہے۔ (۱۲۶)

امامؑ کی عملی پیروی

فرض کیجیے کہ آپ میدان جنگ میں ہیں۔ آپ وہاں ہزار بار کہیں کہ فلاں شخص ہمارا کمانڈر ہے اور ہزار بار اس سے اظہار ارادت کریں لیکن جب وہ کمانڈر لشکر کی صف بندی کرے تو آپ شرکت نہ کریں یا وہ جنگی مشقوں کے لیے بلائے تو آپ غائب رہیں یا وہ حملے کا حکم دے اور آپ کھسک جائیں تو یہ کیسا کمانڈر ہے؟ یہ تو کمانڈر نہیں ٹھہرا۔ انسان اپنے کسی دشمن یا اجنبی شخص کے ساتھ اس قسم کا سلوک کرتا ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام ہمارے مولا، آقا، امام، پیشوا اور رہبر ہیں۔ ہم علی علیہ السلام کے شیعہ ہیں۔ اس پر ہمیں فخر ہے۔ اگر کوئی امیر المومنین علیہ السلام کا نام خاطر خواہ احترام کے ساتھ نہ لے تو ہمیں اس شخص سے زبردست نفرت ہو جاتی ہے۔ پس لازم ہے کہ اس محبت کا اثر ہماری عملی زندگی پر بھی مرتب

ہو۔ (۱۲۷)

مکمل نمونہ

ہمارے سامنے ایک عظیم نمونہ عمل موجود ہے۔ یہ نمونہ چودہ سو سالوں سے مسلمانوں، مجاہدوں اور جانثاروں خاص کر علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے پیروکاروں کو مقاومت اور استقامت کا مسلسل درس دے رہا ہے۔ یہ درس کتابی اور زبانی درس نہیں ہے۔ اس کا تعلق کہنے سننے سے نہیں بلکہ یہ ایک پریکٹیکل، عملی اور مجسم درس ہے۔ یہ امیر المومنینؑ کی زندگی سے عبارت ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی ہمارے لیے ایک مکمل اور ناقابل فراموش درس ہے۔ اگر ہم اس درس کو سمجھنے میں کامیاب ہوں تو یہ ایک کارنامہ ہوگا۔ اگر ہم اس درس کے ہزارویں حصے پر بھی عمل کر سکیں تو یہ ایک کمال ہوگا۔ امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی، آپ کا اٹھنا بیٹھنا، آپ کا کہنا سننا، آپ کے اقدامات، آپ کا سکوت، آپ کی جنگ و صلح غرض آپ کی زندگی کا ہر پہلو تاریخ اسلام کے ہر دور کے لیے درس ہے۔ (۱۲۸)

عمل، عمل اور عمل

جب ہم شخصیات یا ان کی مجموعی خصوصیات کو دور سے دیکھتے ہیں تو ان کی تعریف کرنے لگتے ہیں لیکن جب ہم ان کے نزدیک جاتے ہیں اور عمل یا پیروی کا مرحلہ آتا ہے تو ہمیں مشکل لگنے لگتا ہے۔ عام لوگوں کی زندگی کی بڑی خامی یہی ہے۔ لوگ امیر المومنین علیہ السلام کے عدل وانصاف، آپ کی شجاعت، آپ کی مظلوم پروری، ظلم ستیزی اور حق پرستی کے جس قدر دلدادہ ہیں اگر اسی حساب سے عمل کے میدان میں بھی امیر المومنین علیہ السلام کی ان خصوصیات کے قریب ہونے کی کوشش کرتے (اگرچہ ایک قدم ہی سہی) تو دنیا گلستان بن جاتی۔ بنابریں ہمیں چاہیے کہ جس طرح ہم امیر المومنین علیہ السلام کے مجموعی کمالات پر گفتگو کرتے ہیں اسی طرح ان کمالات کی جزئیات سے بھی آگاہ ہوں۔ مثلاً یہ جانیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کا عدل کیسا تھا؟ آپ کا عدل جس کی اس قدر تعریف و تمجید ہوتی ہے، عملی نقطہ نظر سے کیسا

تھا؟ دوسرے مرحلے میں ہم یہ کوشش کریں کہ عملی نقطہ نظر سے بھی اپنے آپ کو امیر المومنین علیہ السلام کے قریب کریں۔ درست طریقہ یہی ہے اور یہی تکامل بشری کا نسخہ ہے۔ جیسا کہ آپ سنتے آئے ہیں بعض احادیث میں مروی ہے کہ کچھ لوگ ائمہ علیہم السلام سے عرض کرتے تھے: ہم آپ کے شیعہ ہیں (ایک روایت کی رو سے کچھ لوگوں نے خود امیر المومنینؑ سے بھی یہی کہا) لیکن روایات کی رو سے ائمہ علیہم السلام ان لوگوں کو منفی جواب دیتے تھے: تم لوگوں کی کونسی خصوصیت ہمارے شیعوں اور پیروکاروں سے شباہت رکھتی ہے؟ تمہارے خصائل، تمہاری خصوصیات اور تمہارا قول و فعل تو اور طرح کے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ امیر المومنین علیہ السلام کے کمالات ہم سے عمل کا تقاضا کرتے ہیں کیونکہ عمل اعتقاد کا تابع ہوتا ہے۔ انسان کو اس چیز کا معتقد ہونا چاہیے (جس کا اظہار عمل کے ذریعے ہو۔ مترجم)[1] (۱۲۹)

علیؑ کے نقش قدم پر چلو

ممکن ہے کچھ لوگ یہ کہیں: کہاں تم کہاں امیر المومنین علیہ السلام؟ امیر المومنین علیہ السلام کی طاقت و قوت، آپ کا ایمان، آپ کا صبر اور آپ کا مستحکم روحانی وجود کہاں اور تم کہاں؟ یہ بات درست ہے۔ ہم میں سے کوئی شخص امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ قابل قیاس نہیں ہے۔

یہ کہنا غلط ہے کہ وہ ہم سے بہتر و بالاتر ہے اور ہم کمتر ہیں۔ یہ مقایسہ اور موازنہ ہی غلط

---

(۱) کسی شخص نے امام حسین علیہ السلام سے عرض کی: اے فرزند رسول! میں آپ کا شیعہ ہوں۔ فرمایا: ''خدا سے ڈر اور ایسا دعویٰ مت کر کہ خدا تجھ سے کہے: ''تیرا دعویٰ جھوٹ اور گناہ کا پلندہ ہے۔'' ہمارا شیعہ وہ ہے جس کا دل ہر طرح کے دھوکہ و فریب سے پاک ہو۔ ہمارا شیعہ ہونے کا دعویٰ کرنے کی بجائے یوں کہہ: میں آپ لوگوں کا دوستدار اور محب ہوں۔ ایک شخص نے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے عرض کی: میں آپ کا شیعہ ہوں۔ آپ نے فرمایا: بندۂ خدا! اگر تو ہمارے اوامر و نواہی کا پابند ہے تو پھر تیرا دعویٰ سچا ہے۔ بصورت دیگر ایک ایسے عظیم مرتبے کا جس کا تو اہل نہیں دعویٰ کر کے اپنے گناہوں میں اضافہ نہ کر۔ یہ نہ کہنا: میں آپ کا شیعہ ہوں بلکہ یوں کہنا: میں آپ کا دوستدار، آپ کا چاہنے والا اور آپ کے دشمنوں سے عداوت برتنے والا ہوں۔ یہ تیرے لیے اچھا ہے اور اچھائی تک رسائی کا موجب بھی۔

(دیکھئے مجموعۂ ورام ج ۲ص ۱۰۶، بحار الانوار ج ۶۵، ص ۱۵۶)

ہے۔ وہ ملتہائے فلک ہیں اور ہم خاکِ سیاہ میں اپنے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ فاصلے بہت زیادہ ہیں۔ البتہ ہم جہت اور سمت کا انتخاب کر سکتے ہیں یعنی ہم اپنے آپ کو اس سمت اور اس مقصد کے نزدیک کر سکتے ہیں جس کی نشاندہی آپ علیہ السلام نے فرمائی ہے۔ (ہر شخص اپنی طاقت و بساط اور وقت کے تقاضوں کے مطابق ایسا کر سکتا ہے) کیونکہ راستہ ایک ہے اور ہدف بھی ایک۔ یہ ایک بہت اہم نکتہ ہے۔ (۱۳۰)

نعرہ: عمل کی تمہید

ہمیں چاہیے کہ صرف دعوؤں اور نعروں پر اکتفا نہ کریں۔ علی علیہ السلام کا نعرہ ہمیں جان سے عزیز ہے لیکن نعرے کو عمل کا پیش خیمہ اور تمہید قرار دینا چاہیے۔ اگر گزشتہ سال ہم نے علی علیہ السلام کا نعرہ لگایا تھا تو آیئے امسال علی علیہ السلام کا کردار اپنائیں۔ علی ابن ابی طالب علیہ السلام ایک مسلمان اور ایک انسان ہونے کے لحاظ سے انفرادی حیثیت کا مالک ہونے کے علاوہ اسلامی معاشرے کا شہری، حاکم اعلیٰ، اسلامی ریاست کا محور، امور حکومت کا منتظم اعلیٰ اور راہِ خدا کا سپاہی ہونے کی حیثیت سے اجتماعی حیثیت کے بھی حامل ہیں۔ آپؑ ان تمام زاویوں سے نمونہ عمل ہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام کی پیروی یعنی آپؑ کے نقش قدم پر چلنا ہماری ضرورت ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت جن خصوصیات کی حامل ہے انہیں آج اگر ہم یعنی ہمارے عوام اور ارباب اختیار، اپنے قول و فعل میں اجاگر کریں تو ہمارا اسلامی معاشرہ ترقی اور عروج کی منزل پر فائز ہوگا۔ کسی قوم کی دنیوی و اخروی ترقی، پیشرفت اور اصلاح کا راستہ وہ ہے جس پر چلنا ممکن ہو۔ جو انسان خدا پر ایمان رکھتا ہو اور اپنی انسانی ذمہ داریوں کا معتقد ہو اس کا راستہ کبھی مسدود نہیں ہوتا۔[1]

کوئی بھی قوم اپنے تکامل کے راستے میں حائل تمام مشکلات، موانع، پتھروں اور کانٹوں کو ہٹا سکتی بشرطیکہ وہ اس عظیم اور ہمہ پہلو حرکت کے لیے مطلوب خصوصیات سے

---

[1] وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا (طلاق ۲/) جو کوئی اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نجات پیدا کرتا ہے۔

متصف ہو۔ امیر المومنین علیہ السلام ان خصوصیات کے مظہر تھے۔ (۱۳۱)

امامؑ کا اندازِ حکمرانی: ایک نمونہ

امیر المومنین علیہ السلام کے وہ معنوی مقامات اور وہ بے مثال عملی کمالات جن کا تعلق صرف آپ علیہ السلام کی ذات سے ہے اپنی جگہ درست ہیں (چنانچہ اگر ہم کتابوں کی طرف رجوع کریں تو امیر المومنین علیہ السلام کی خصوصیات مثلاً آپ کے علم وتقویٰ، آپ کی شجاعت اور اسلام میں سبقت نیز آپ کے زہد وغیرہ کے بارے میں بہت سے ابواب وفصول کا مشاہدہ کریں گے جنہیں شمار کرنا عام طریقے سے ممکن نہیں۔ یہ سب خصوصیات عظیم اور حیرت انگیز ہیں نیز ان میں سے ہر خصوصیت خورشیدِ عالمتاب کی طرح درخشندہ وتابان ہے) لیکن میرے خیال میں ان تمام خصوصیات میں سب سے اہم آپ علیہ السلام کا اندازِ حکمرانی ہے۔

ہر قسم کے حالات میں عدل وانصاف کا قیام، مظلوم پروری، ظالم ستیزی اور حق پرستی امیر المومنین علیہ السلام کی حکومت کی وہ امتیازی خصوصیات ہیں جو نمونہ عمل ہیں۔ اس عملی نمونے کی تقلید اور پیروی ضروری ہے۔

یہ وہ نمونہ عمل ہے جو ہرگز کہنہ وفرسودہ نہیں ہوسکتا بلکہ یہ ہر قسم کے علمی اور معاشرتی حالات میں انسانیت کی فلاح وکامیابی کے لیے نمونہ بن سکتا ہے۔ ہم امیر المومنین کے دور کے انتظامی طریقہ کار کی تقلید کی بات نہیں کر رہے ہیں کیونکہ طریقہ کار میں تحولاتِ زمانہ کے پیش نظر تبدیلیاں آتی رہتی ہیں اور ہر روز نت نئے انداز آتے رہتے ہیں بلکہ ہم آپ علیہ السلام کی حکومت کے ان مقاصد واہداف اور اقدار کی پیروی کی بات کر رہے ہیں جو ابد تک زندہ وپائندہ اور ثابت واستوار رہیں گے۔ مظلوم کی حمایت ہمیشہ ایک درخشندہ حقیقت ہے۔ ظالم ستیزی، طاقتوروں اور دولتمندوں سے باج نہ لینا اور حق پر ڈٹ جانا وہ اقدار ہیں جو دنیا میں ہرگز کہنہ وفرسودہ نہیں ہوسکتیں ہر قسم کے حالات واوضاع میں ان اقدار وخصوصیات کی قدر وقیمت ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔ (۱۳۲)

سیرت علوی: ایک دائمی ضرورت

اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے کسی بھی نظام حکومت مثلاً ہمارے نظام حکومت کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ لوگ اس بات کو فراموش کر بیٹھیں کہ ان کی حکومت کے لیے نمونہ عمل امیر المومنین علیہ السلام کی سیرت ہے۔

یہ درست نہیں کہ ہم ان حکومتوں کو مد نظر رکھیں جو دنیا اور تاریخ میں عام طور پر رائج رہی ہیں اور ان کے ساتھ اپنا موازنہ کریں (ان کو نمونہ قرار دیں) یا ان منحرف حکومتوں کی روش کو اپنا مطمح نظر قرار دیں جن کے ہاتھوں بشریت نے ہمیشہ زخم کھائے ہیں۔ ان نظاموں نے اگر انسانی زندگی کو کسی زاویے سے فائدہ پہنچایا ہو تو دوسری طرف سے اسے ناقابل تلافی نقصانات سے بھی دوچار کیا ہے۔

اسلامی جمہوریہ (ایران) کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اپنے آپ کو اس نمونے کے قریب کرے جس کا تعارف غدیر میں پیش کیا گیا اور امیر المومنین علیہ السلام کے پانچسالہ دور حکومت میں جس کی عملی تصویر پیش کی گئی۔ (۱۳۳)

■ ضمائم

ضمیمہ ۱
معاویہ اور فضائل علی

سید رضی اپنی کتاب خصائص الائمۃ میں ضرار اور معاویہ کی ملاقات کا واقعہ یوں نقل کرتے ہیں: ضرار بن ضمرہ علی علیہ السلام کے وفادار اور فصیح و بلیغ ساتھیوں میں سے ایک تھے۔ امام کی شہادت کے بعد ضرار نے حج کے ایام میں معاویہ سے ملاقات کی۔ معاویہ نے ضرار سے کہا:

میرے پاس علی علیہ السلام کی توصیف کرو۔

ضرار نے کہا:

کیا مجھے اس کام سے معاف نہیں رکھو گے؟

معاویہ نے کہا:

نہیں۔ تمہیں ایسا کرنا ہی پڑے گا۔

تب امیر المومنین علیہ السلام کی توصیف بیان کرتے ہوئے ضرار نے کہا:

اللہ کی قسم! امیر المومنین علیہ السلام بہت طاقتور اور گہری فکر کے مالک تھے۔ آپ ہمیشہ غور و فکر میں مصروف رہتے تھے۔ آپ کے

آنسو رواں رہتے تھے۔ آپ حق کے مطابق گفتگو اور عدل کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ آپ کے ہر پہلو سے علم و دانش ٹپکتا تھا۔ آپ کے سارے اعضاء سے حکمت عیاں تھی۔ آپ دنیا اور اس کی پرفریب رنگینیوں سے خائف تھے جبکہ رات اور رات کی تنہائی کے دلدادہ تھے۔ ہمارے درمیان ہماری طرح رہتے تھے۔ جب ہم آپ کو آواز دیتے تو آپ جواب دیتے تھے اور جب ہم سوال کرتے تو جواب دیتے تھے۔ اللہ کی قسم! ہمارے ساتھ آپ کی تمام تر قربت کے باوجود اور ہمیں اپنے قریب رکھنے کے باوجود آپ کی ہیبت اتنی تھی کہ ہمیں آپ سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

آپ کا خندہ مسکراہٹ سے عبارت تھا۔ آپ کبھی غفلت یا خواہشات کی بنا پر نہیں مسکرائے۔ آپ کی گفتگو حکیمانہ ہوتی تھی۔ آپ آخری اور فیصلہ کن بات کہتے تھے جو حق کو باطل سے جدا کرتی تھی۔ آپ دیندار کی تعظیم و تکریم فرماتے اور بے نواؤں کو اپنے قریب رکھتے تھے۔ کوئی طاقتور اپنے باطل مقصد کے لیے آپ سے امید نہیں باندھتا تھا اور کوئی کمزور شخص آپ کے عدل سے ناامید نہیں ہوتا تھا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپ کو اس وقت حالت عبادت میں دیکھا ہے جب رات نے تاریکی کے پردے گرا دیے تھے۔ اس وقت آپ محراب عبادت میں اپنی داڑھی ہاتھوں میں لیے کھڑے تھے اور مار گزیدہ انسان کی بل کھا رہے اور بے چین تھے۔ آپ ایک محزون اور غمزدہ کی طرح گریہ کناں تھے اور فرماتے تھے:

اے دنیا! مجھ سے دور رہ۔ کیا تو میرے آگے جلوہ نمائی کرنا چاہتی ہے؟ کیا مجھے اپنا فریفتہ بنانا چاہتی ہے؟ وہ وقت

ہرگز نہ آئے گا جب تو میرے اوپر اثر انداز ہو۔ مجھ سے دور ہو جا اور کسی دوسرے کو فریب دے۔ مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے تمہیں تین طلاقیں دی ہیں جن کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں۔ تیری زندگی کی مدت کوتاہ ہے، تیری حیثیت حقیر ہے اور تیری آرزو بہت پست ہے۔ آہ! زادِ راہ کتنا کم ہے، سفر کتنا طویل ہے اور منزل مقصود کتنا عظیم ہے۔

جب ضرار نے معاویہ سے یہ جذباتی باتیں بیان کیں تو معاویہ کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ وہ اپنے آنسو ضبط نہ کر سکے اور کہنے لگے: ہاں اللہ کی قسم علی ایسے ہی تھے۔ بتاؤ اب اس کے فراق میں تیرا غم واندوہ کیسا ہے؟ ضرار نے کہا: اس ماں کی طرح جس کے سامنے اس کے بیٹے کا سر کاٹا گیا ہو، جس کے آنسو نہیں تھمتے اور جس کا سوز دل ختم نہیں ہوتا۔[1]

ضمیمہ ۲

عبداللہ بن زبیر

عبداللہ بن زبیر، حضرت زبیر بن عوام کے بیٹے ہیں۔ زبیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد اور آپؐ کے صحابی تھے۔ زبیر نے پہلے حبشہ اور بعد میں مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام جنگوں میں آپ کے ہمرکاب رہے۔

زبیر نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی اور علی علیہ السلام کے گھر پر ہونے والے حملے میں آپ علیہ السلام کی حمایت کی۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں وہ ایک لشکر کے سردار کے طور پر عمرو بن عاص کی مدد کے لئے بھیجے گئے۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف لوگوں کو اکسانے میں دوسروں سے زیادہ جناب زبیر کا ہاتھ تھا۔ وہ سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کرنے والوں میں شامل تھے لیکن بعد میں بوجوہ جنگ جمل کے اصلی کرداروں میں سے ایک قرار پائے۔

جنگ جمل میں شرکت کے بعد زبیر نے جنگ سے کنارہ کشی کا ارادہ کیا لیکن ان کے بیٹے

---

[1] خصائص الائمۃ ص ۷۰

عبداللہ نے ان کی سرزنش کی جس پر زبیر نے امام علیہ السلام کے لشکر پر ایک سخت حملہ کر دیا پھر میدان سے ہٹ گئے۔ اسی دوران عمرو بن جرموز نے زبیر کو قتل کر دیا۔ عبداللہ بن زبیر نے اپنے باپ زبیر کو امیر المومنین علیہ السلام سے برگشتہ کرنے میں بڑا کردار ادا کیا یہاں تک کہ امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے:

مَا زَالَ الزُّبیرُ مِنَّا اَهلِ البَیت حتّیٰ نَشَأَ اِبنُهُ عَبدُ اللّٰهِ فَاَفسَدَهُ

زبیر ہمیشہ ہم اہلبیت کے ساتھ تھا یہاں تک کہ اس کا بیٹا عبداللہ بڑا ہو گیا جس نے زبیر کو خراب کر دیا۔[1]

آل علی کے ساتھ عبداللہ کی عداوت اس قدر سخت تھی کہ مکہ پر اپنی حکومت کے دوران وہ نماز جمعہ کے خطبے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لینے سے احتراز کرتے تھے۔ جب وہ مسلمانوں کے ردعمل اور اعتراض سے روبرو ہوئے تو جواب دینے لگے:

مسلمانوں کے درمیان پیغمبر کے ناصالح رشتہ دار موجود ہیں جو آنحضرت کا نام لے کر فخر ومباہات کرتے ہیں۔ میں ان کا غرور توڑنے کے لیے رسول کا نام لینے سے احتراز کرتا ہوں۔[2]

عبداللہ بن زبیر نے یزید کی بیعت نہیں کی اور بطور اعتراض مکہ میں مستقر ہو گئے۔ چونکہ عبداللہ کو علم تھا کہ امام حسین علیہ السلام کی موجودگی میں مکہ والے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دیں گے اس لیے ان کی دلی خواہش تھی امام حسین علیہ السلام مکہ سے نکل جائیں تا کہ ان کا راستہ ہموار ہو سکے چنانچہ امام حسین علیہ السلام سے اپنی ملاقات میں انہوں نے کہا:

اگر عراق میں میرے اتنے طرفدار ہوتے جتنے آپ کے

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۷۹۔

[2] مروج الذهب ج ۳، ص ۸۸۔

پاس ہیں تو میں عراق کو ہر جگہ سے زیادہ ترجیح دیتا۔ البتہ اگر آپ مکہ میں رہیں تو ہم بھی آپ کی بیعت کریں گے۔

امام حسین علیہ السلام نے جواب دیا:

میرے باپ نے مجھے خبر دی ہے کہ مکہ میں ایک بھیڑو کی موجودگی کے باعث اس شہر کا احترام پامال ہوگا اور میں وہ بھیڑو نہیں بننا چاہتا۔ اللہ کی قسم اگر میں ایک بالشت بھی مکہ سے باہر قتل ہو جاؤں تو یہ مکہ کے اندر قتل ہونے سے بہتر ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

اے فرزند زبیر! اگر میں فرات کے کنارے دفن ہو جاؤں تو یہ میرے لئے کعبہ کے احاطے میں دفن ہونے سے زیادہ عزیز ہے۔

عبداللہ کے قیام کے بعد امام حسین علیہ السلام نے اپنے طرفداروں سے فرمایا

عبداللہ کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ میں مکہ سے نکل جاؤں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میری موجودگی میں کوئی اسے اہمیت نہیں دے گا۔

امام علیہ السلام کی پیشگوئی درست ثابت ہوئی اور عبداللہ بن زبیر کی وجہ سے کعبے پر دو بار سنگباری ہوئی۔ پہلی سنگباری امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے تین سال بعد ہوئی جب یزید کے لشکریوں نے جنگ حرہ میں اہل مدینہ کا قتل عام کرنے اور انہیں لوٹنے کے بعد زبیر کی سرکوبی کے لیے مکہ کا محاصرہ کیا۔ چونکہ ابن زبیر نے اپنی جان بچانے کے لیے کعبہ کے اندر پناہ لی تھی اس لئے حملہ آوروں نے محاصرے کا دائرہ زیادہ تنگ کر دیا۔ وہ ابوقبیس کی پہاڑی سے مسجد الحرام میں داخل ہوئے۔ علاوہ ازیں انہوں نے منجنیق سے کعبے پر پتھر

برسائے اور جلتے ہوئے کپڑے بھی کعبے کی طرف پھینکے۔ اس سنگباری کے نتیجے میں کعبے کا ایک حصہ تباہ ہوگیا۔ علاوہ ازیں کعبے کا پردہ، کعبے کی چھت اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے قربانی کے لیے بہشت سے نازل شدہ مینڈھے کی سینگیں جل کر ختم ہوگئیں۔ اس حملے کی عین گرما گرمی میں یزید کی موت کی خبر مکہ پہنچی۔ یوں یزیدی لشکر متفرق ہوگیا اور عبد اللہ ابن زبیر نے خانہ کعبہ کی مرمت اور نئے سرے سے تعمیر کا کام انجام دیا۔

دوسری سنگباری یزید کی موت کے بعد ہوئی جب ابن زبیر نے لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی۔ لوگوں کی ایک جماعت نے بتدریج بیعت کی یہاں تک کہ ۷۳ ہجری میں عبدالملک بن مروان کی خلافت کے دوران حجاج بن یوسف عبداللہ بن زبیر کی سرکوبی کے لیے مامور ہوا۔ حجاج نے کئی ہزار سپاہیوں کے ساتھ مکہ کا محاصرہ کیا جو کئی ماہ تک جاری رہا۔ اس دفعہ بھی ابن زبیر نے کعبے میں پناہ لی۔ آخرکار حجاج کے حکم سے شہر کے پانچ مقامات سے منجنیق کے ذریعے مسجد الحرام پر سنگباری کی گئی اور خانہ کعبہ کو نقصانات پہنچے۔ بعض مورخین نے نقل کیا ہے کہ کعبہ مکمل طور پر تباہ ہوگیا۔ اس جنگ میں ابن زبیر قتل ہوئے اور حجاج بن یوسف نے نئے سرے سے کعبے کو تعمیر کیا۔[1]

ضمیمہ ۳

عبداللہ بن عمر کی سرگزشت

خلیفہ دوم کے فرزند عبداللہ بن عمر ہجرت سے دس سال قبل پیدا ہوئے۔ اپنی پوری زندگی میں عبداللہ نے کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دیا۔ مجموعی طور پر وہ ایک کمزور شخصیت کے حامل رہے۔ وہ ہر حاکم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ عبداللہ کا یہ نعرہ تھا:

> میں فتنوں کے دوران ہاتھ میں شمشیر نہیں پکڑوں گا لیکن ہر کامیاب حاکم کے پیچھے نماز پڑھوں گا۔

اسی لیے عبداللہ نے حجاج بن یوسف جیسے ظالم کے پیچھے بھی نماز پڑھی۔

---

[1] الاخبار الطوال ص ۳۱۴، الامامۃ و السیاسۃ ج ۲، ص ۳۷۔

عبداللہ کے معروف دعوؤں میں سے ایک یہ تھا:

میں کسی سے کوئی چیز نہیں مانگوں گا لیکن اگر کوئی مجھے کچھ دے تو قبول کروں گا اور عطیۂ الٰہی کو رد نہیں کروں گا۔

اسی لیے عبداللہ نے معاویہ اور یزید وغیرہ سے بھی ہدایا وصول کیے اور اس سلسلے میں کوئی پس و پیش نہ کیا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ اسی عبداللہ نے امیرالمومنین علی علیہ السلام کی بیعت نہیں کی۔ عبداللہ کی دلیل یہ تھی:

میں سب سے آخر میں بیعت کروں گا۔

بعد میں امام علی علیہ السلام کو خبر ملی کہ عبداللہ مکہ گیا ہے اور وہاں حکومت کے خلاف شورش بپا کرنا چاہتا ہے۔ چونکہ امام علیہ السلام کو عبداللہ کی کمزور شخصیت کا مکمل علم تھا اس لیے آپ نے اس خبر کو کوئی اہمیت نہیں دی۔[1] دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد اسی عبداللہ بن عمر نے خندہ پیشانی کے ساتھ امیر معاویہ کی بیعت کر لی اور ان کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔

جب امیر معاویہ اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کی بیعت لے رہے تھے تو عبداللہ مخالفین کی صف میں شامل ہو گئے لیکن امیر معاویہ نے یزید کو وصیت کی کہ وہ عبداللہ کے ساتھ نرمی کرے کیونکہ ضرورت پڑنے پر اس کی حمایت کارساز ہو سکتی ہے۔

جب امام حسین علیہ السلام نے یزید کے خلاف قیام فرمایا تو عبداللہ بن عمر جو ابتدا میں یزید کے مخالف تھے مکہ میں امام حسین علیہ السلام کے پاس آئے۔ عبداللہ نے امام علیہ السلام کو یزید کی بیعت کرنے اور اس کے ساتھ نباہ کرنے کی دعوت دی، یہاں تک کہ امام علیہ السلام کو مسلمانوں کا خون بہائے جانے کے عواقب سے ڈرایا۔ عبداللہ نے امام حسین علیہ السلام سے کہا:

یا ابا عبداللہ! چونکہ لوگوں نے اس شخص کی بیعت کر لی ہے اور درہم و دینار بھی اس کے قبضے میں ہیں اس لئے لوگ یقیناً اس کی حمایت کریں گے۔ آپ کے ساتھ اس خاندان کی دشمنی کے

---

[1] شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید) جلد۴، ص۱۱۔

پیش نظر مجھے خوف ہے کہ یزید کی مخالفت کی صورت میں آپ قتل ہو جائیں گے اور کچھ مسلمان بھی مارے جائیں گے۔ میں نے رسول خدا سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: حسین قتل کیا جائے گا اور اگر لوگ حسین کی مدد سے دست بردار ہو جائیں تو ذلیل و خوار ہوں گے۔

بنابریں میری تجویز، ہے کہ تمام لوگوں کی طرح آپ بھی صلح اور بیعت کا راستہ اپنائیں اور مسلمانوں کا خون بہائے جانے سے ڈریں۔[1]

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اللہ سے ڈرو اور ہماری نصرت سے اجتناب نہ کرو۔

عبداللہ نے جواب دیا:

آپ سے جدا ہونے سے پہلے میری خواہش ہے کہ آپ مجھے اپنے بدن کے اس حصے کو چومنے کی اجازت دیں جسے رسول اللہ بار بار بوسہ دیتے تھے۔

پھر امامؑ کے سینے کو چومتے ہوئے کہنے لگے:

اے ابا عبداللہ! میں آپ کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں کیونکہ آپ اس سفر میں قتل ہو جائیں گے۔[2]

مدینہ واپسی کے بعد عبداللہ نے یزید کے نام ایک خط لکھا جس میں یزید کی خلافت کو دل و جان سے قبول کیا۔

عبداللہ اس بیعت پر اس قدر ثابت قدم اور پابرجا رہے کہ جب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد مدینہ والوں نے یزید کے خلاف بغاوت کی اور یزید کے گورنر کو شہر سے نکال دیا تو عبداللہ بن عمر نے اپنے رشتہ داروں، اپنی قوم اور اپنی اولاد کو اپنے ساتھ جمع کیا

---

[1] مقتل خوارزمی جلد ۱، ص ۲۷۸۔

[2] امالی صدوق مجلس ۳۰، ص ۲۱۷۔

اور یزید کی حکومت کے حق میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

> میں نے رسول خدا کو یہ فرماتے سنا ہے: قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا جو اس کی عہد شکنی کی علامت ہو گا۔ میری نظر میں کوئی خیانت اور عہد شکنی اس سے زیادہ سخت نہیں کہ کسی کی بیعت کرنے کے بعد اس سے جنگ کی جائے۔ بنا بریں تم میں سے جس جس کے بارے میں مجھے یہ علم ہو کہ وہ یزید کی بیعت سے دست بردار ہوا ہے اور یزید کے مخالفین کا حامی بن گیا ہے اس کے ساتھ میرا رابطہ ختم ہے۔[1]

یزید کے بعد عبدالملک بن مروان خلیفہ بنا۔ اس نے عبداللہ بن زبیر کی سرکوبی کے لئے حجاج بن یوسف کو مکہ بھیجا۔ حجاج مدینہ آیا تو عبداللہ بن عمر رات کو بیعت کی خاطر حجاج کے پاس گئے اور بولے:

> اے امیر! اپنا ہاتھ بڑھایئے تا کہ میں خلیفہ کے نام پر بیعت کروں۔

حجاج نے سوال کیا:

> اس عجلت کی وجہ کیا ہے؟ تُو کل بیعت کر سکتا ہے۔

عبداللہ نے کہا:

> میں نے رسول اللہ سے سنا ہے: جو کوئی اس حالت میں مر جائے کہ اس کا کوئی امام نہ ہو وہ زمانہ جاہلیت کی موت مرے گا۔
> پس مجھے خوف ہوا کہ کہیں رات کو ہی میری موت واقع نہ ہو جائے اور نتیجتاً امام کا حامل نہ ہونے کی وجہ سے رسول اکرمؐ کے فرمان کی بنا پر میں عہدِ جاہلیت کے مُردوں کی طرح (کافر) نہ ہو جاؤں۔

---

[1] دیکھئے فتح الباری، جلد ۱۳، ص ۷۰۔

جب عبداللہ بن عمر کی گفتگو یہاں پہنچی تو حجاج نے اپنا پاؤں لحاف سے باہر نکالا

اور کہا:

آؤ میرے ہاتھ کی بجائے میرے پیر پر بیعت کرو۔[1]

عبداللہ بن عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو حدیث نقل کی تھی یہ ذلت آمیز بیعت اسی کی مصداق بنی یعنی امام حسین علیہ السلام کی نصرت سے اجتناب ذلت وخواری کا موجب بنا۔

ضمیمہ ۴

فضائل علی کتب اہل سنت کے آئینے میں

علمائے اہل سنت نے امیر المومنین علیہ السلام کے فضائل میں جو کتابیں لکھی ہیں ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ امام مالک بن انس (۱۷۹ق) کی کتاب الموطا

۲۔ سنن سعید ابن منصور (۲۲۷ق)

۳۔ مسند احمد ابن حنبل (۲۴۱ق)

۴۔ امام محمد داری (۲۵۵ق) کی سنن دارمی

۵۔ مسلم بن حجاج نیشاپوری (۲۶۱ق) کی صحیح مسلم

۶۔ محمد بن یزید قزوینی (۲۷۵ق) کی سنن ابن ماجہ

۷۔ امام ابوداؤد سجستانی (۲۷۵ق) کی سنن ابو داود

۸۔ بلاذری (۲۷۹ق) کی انساب الاشراف

۹۔ امام نسائی شافعی (۳۰۳ق) کی خصائص امیر المومنین

۱۰۔ امام نسائی (۳۰۳ق) کی السنن الکبری

۱۱۔ سلیمان ابن داود (۲۰۳ق) کی مسند ابی داود

۱۲۔ احمد بن علی بن مثنی موصلی (۳۰۷ق) کی مسند ابی یعلی

---

[1] شرح ابن ابی الحدید، جلد ۱۳، ص ۲۴۲۔

۱۳۔حاکم نیشاپوری (۴۰۵ھ ق) کی المستدرك علی الصحیحین

۱۴۔امام بیہقی (۴۵۸ھ ق) کی السنن الکبریٰ

۱۵۔حاکم حسکانی حنفی (پانچویں صدی) کی شواھد التنزیل

۱۶۔ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ ق) کی الاستیعاب

۱۷۔خطیب بغدادی (۴۶۳ھ ق) کی تاریخ بغداد

۱۸۔ابن مغازلی شافعی (۴۸۳ھ ق) کی المناقب

۱۹۔خوارزمی (۵۶۸ھ ق) کی مناقبِ خوارزمی

۲۰۔ابن عساکر شافعی (۵۷۱ھ ق) کی تاریخ دمشق

۲۱۔ابن اثیر جزری (۶۳۰ھ ق) کی اسد الغابة

۲۲۔ابن جوزی (۶۵۴ھ ق) کی تذکرة الخواص

۲۳۔جوینی خراسانی (۷۳۰ھ ق) کی فرائد السمطین

۲۴۔علامہ ذہبی (۷۴۸ھ ق) کی میزان الاعتدال

۲۵۔ابن کثیر دمشقی (۷۷۴ھ ق) کی البدایة والنھایة

۲۶۔علی بن ابی بکر ہیثمی (۸۰۷ھ ق) کی مجمع الزوائد

۲۷۔شمس الدین جزری شافعی (۸۳۳ھ ق) کی اسنی المطالب

۲۸۔ابن صباغ مالکی (۸۵۵ھ ق) کی فصول المھمة

۲۹۔متقی ہندی (۹۷۵ھ ق) کی کنز العمال

۳۰۔قندوزی حنفی (۱۲۹۴ھ ق) کی ینابیع المودة

ضمیمہ ۵

شب ہجرت کا واقعہ

لیلۃ المبیت سے مراد شب ہجرت ہے۔اس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی۔دشمن کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے غافل رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ کوئی شخص آپ کے بستر پر سوئے اور موت کو خوش آمدید کہے جو بظاہر یقینی تھی۔یہ ذمہ داری امیر المومنین علیہ السلام کے حصے میں آئی جسے آپؑ نے کمال شوق سے قبول

فرمایا۔ امیر المومنین علیہ السلام اس رات کی آپ بیتی یوں نقل کرتے ہیں: قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ختم کرنے کے لئے بہت سے منصوبے بناتے اور ہر ممکن اقدامات کرتے رہتے تھے۔ وہ ہمیشہ آنحضرت کو قتل کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔ وہ ہر اس طریقے کو آزماتے تھے جو ان کے ذہن میں آتا تھا۔ (لیکن ان کا کوئی اقدام کامیاب نہ ہوا۔)

آخر کار وہ ''دارالندوہ'' میں جمع ہوئے اور مشورہ کرنے لگے۔ اس اجلاس میں ابلیس کے ساتھ دیگر شیاطین نے قتل پیغمبر کی تمام ممکنہ راہوں کا جائزہ لیا۔ انہوں نے سازش کے تمام جوانب کا جائزہ لیا اور اس کے ممکنہ نتائج کا اندازہ لگایا یہاں تک کہ سب نے یہ فیصلہ کیا کہ قریش کا ہر قبیلہ ایک جنگجو پیش کرے تا کہ وہ سب ایک ساتھ اپنی تلواروں سے رسول پر حملہ آور ہوں اور فرد واحد کی طرح متحد و متفق ہو کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیں۔ قتل رسول کے بعد قریش کا ہر قبیلہ اپنے جنگجو سپاہی کی حمایت پر کمر بستہ ہو جائے اور اس کے قصاص کا راستہ روکے جس کے نتیجے میں رسول اللہ کا خون رائیگاں جائے۔ (یعنی بنی ہاشم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون کا بدلہ لینے کے لیے قریش کے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں۔) ادھر جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔

جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش کے خفیہ اجلاس، ان کی منحوس سازش اور ان کے فیصلوں سے آگاہ کیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے حملے کی رات یہاں تک کہ حملے کی گھڑی (جو پیغمبر کے سونے کے وقت سے عبارت تھی) کی بھی خبر دی اور ساتھ ہی اللہ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ سے ہجرت فرمانے اور غار میں پناہ لینے کا حکم بھی پہنچایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے قریش کی سازش اور ان کے اجلاس کی خبر دی اور مجھے اس (ہجرت کی) رات اپنے بستر پر سونے اور آپ کی خاطر اپنی جان نچھاور کرنے کی دعوت دی۔ (تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کی لاعلمی میں مکہ سے نکل کر غار میں پناہ لیں۔) میں فوراً تیار ہو گیا۔ میں نے اس عظیم خطرے کو خوشی سے قبول کر لیا۔ میں اپنی جان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ قتل ہونے کے خیال سے فرحان و

شاداں تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے خارج ہوئے اور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر میں سو گیا۔ قریش کے جنگجو سپاہی اس اطمینان کے ساتھ کہ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا سکیں گے وہاں پہنچ گئے اور گھر میں داخل ہو گئے لیکن وہ پیغمبر کی جگہ مجھ سے روبرو ہوئے۔ میں نے اپنی تلوار سونت لی اور اپنا بھرپور دفاع کیا۔ ایسا دفاع جس کے بارے میں اللہ اور لوگوں کو خوب علم ہے۔

ضمیمہ ۶

محمد بن ابی بکر کا مقام

محمد خلیفہ اول حضرت ابوبکر کے فرزند تھے۔ وہ حجۃ الوداع کے دوران سنہ ۱۰ ہجری میں متولد ہوئے۔ محمد کی ماں اسماء بنت عمیس پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب کی زوجہ اور حبشہ ہجرت کرنے والوں میں شامل تھیں۔ حضرت جعفر کی شہادت کے بعد اسماء نے حضرت ابوبکر سے شادی کی اور محمد پیدا ہوئے۔ حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد اسماء نے امیرالمومنین علیہ السلام سے نکاح کیا۔ یوں محمد تین سال کی عمر سے ہی علی علیہ السلام کے گھر میں آپ کے بچوں کے ساتھ پلے بڑھے۔ امیرالمومنین علیہ السلام محمد کو چاہتے تھے یہاں تک کہ فرماتے تھے: محمد میرا بیٹا ہے جو ابوبکر کے صلب سے پیدا ہوا ہے۔

حضرت عثمان کے خلاف چلنے والی انقلابی تحریک میں محمد نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ وہ مصر کے انقلابیوں کی رہنمائی اور نہایت جوش و خروش کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

امیرالمومنین علیہ السلام کی خلافت کے دوران محمد آپ کے ہمرکاب تھے۔ وہ آپ کے مخلص اور انتھک ساتھیوں میں شامل تھے۔ کوفیوں کے نام امیرالمومنین علیہ السلام کا ایک خط محمد کے ذریعے بھیجا گیا جس میں انہیں بصرہ کے عہد شکنوں کے ساتھ جنگ میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ جنگ جمل میں امیرالمومنین علیہ السلام کے پیدل دستے کی کمان محمد کے پاس تھی۔ لشکر جمل کی شکست کے بعد حضرت عائشہ کی خبرگیری اور انہیں بصرہ منتقل کرنے کی ذمہ داری محمد

کے سپرد کی گئی جوان کے بھائی تھے۔

محمد جہاد اور عبادت سے نہیں تھکتے تھے۔ کثرت عبادت کی وجہ سے وہ "عابد قریش" کے نام سے معروف ہوئے۔ وہ امام جعفر صادق کے جد مادری بھی ہیں۔

۳۶ ہجری میں مصر کی گورنری سے قیس بن سعد کو معزول کرنے کے بعد امیر المومنین علیہ السلام نے محمد کو مصر کا گورنر بنایا۔ اس کے کئی سال بعد امیر معاویہ اور عمرو عاص کی سازش سے ان کے گماشتوں کے ہاتھوں محمدؔ نے مصر میں شہادت پائی۔ محمد کی شہادت کی خبر سے امیر المومنین علیہ السلام بہت محزون ہوئے۔ آپ علیہ السلام کے چہرے سے غم واندوہ کے آثار نمایاں تھے۔ امام علیہ السلام نے محمد کی شہادت کی مناسبت سے فرمایا: وہ میرے نزدیک محبوب تھا۔ وہ میرے ہاں پلا تھا۔ ہم اللہ سے اس کا اجر مانگیں گے۔ وہ ایک مخلص فرزند، محنتی عامل، شمشیر بزاں اور دشمن کے مقابلے میں مضبوط محافظ تھا۔[1]

ضمیمہ ۷

محمد بن ابی بکر اور امام کا اصولی موقف

قیس ابن سعد مصر میں امیر المومنین علیہ السلام کے گورنر تھے۔ شام کی اموی حکومت کی سازشوں اور قیس پر لگنے والے بے بنیاد الزامات کے باعث وہ مصر کی گورنری سے معزول ہوئے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے قیس کی جگہ محمد بن ابی بکر کو مصر کا گورنر بنایا۔ جنگ صفین کے بعد امیر معاویہ کے حامیوں میں محمد کی مخالفت کی جرأت اور جسارت پیدا ہوگئی اور مصر میں شورشوں کا آغاز ہوگیا۔ ان شورشوں کو دبانے میں محمد کی تدبیر مضبوط ثابت نہ ہوئی بلکہ گاہے کمزوری ظاہر ہوئی۔

مصر کے حالات سے آگاہ ہونے کے بعد امیر المومنین علیہ السلام نے محمد بن ابی بکر کو معزول کر دیا اور مالک اشتر کو محمد کی جگہ گورنر منصوب کیا لیکن مالک مصر پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں شہید ہوگئے۔ محمد کو اپنی معزولی کی خبر سے دکھ ہوا۔ امام علی علیہ السلام نے محمد کو ایک خط

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۶۷ اور مکتوب ۳۵۔

لکھا جس میں انہیں تسلی دینے کے ساتھ ان کی معزولی کی وجہ بیان فرمائی۔ امام کے خط کا مضمون یہ ہے:

اما بعد مجھے خبر ملی ہے کہ تمہاری جگہ اشتر کو گورنر بنانے پر تم ناراض ہوئے ہو۔ میرا یہ اقدام اس لیے نہ تھا کہ تم نے اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں سستی سے کام لیا ہے اور نہ اس لیے کہ تم مزید جدوجہد سے کام لو گے۔ اگر میں نے تمہارے ہاتھوں سے اختیار سلب کیا ہے تو اب میں تمہیں ایسی جگہ کا گورنر بناؤں گا جس کا کام تیرے لیے آسان تر اور جس پر حکومت تیرے لیے پسندیدہ تر ہو۔

جس شخص کو میں نے مصر کا گورنر بنایا تھا وہ ہمارا خیر خواہ جب کہ ہمارے دشمنوں کے معاملے میں سخت گیر اور ان کی سرکوبی کرنے والا تھا۔ خدا اس پر رحمت کرے کہ اس کے دن پورے ہو گئے اور وہ موت سے ہمکنار ہو گیا جبکہ ہم اس سے راضی تھے۔ اللہ اسے اپنی خوشنودی سے نوازے اور اس کے اجر کو کئی گنا کرے۔ پس (اب) تم اپنے دشمن سے جنگ کے لیے لشکر کو باہر نکالو اور اپنی فہم وفراست کے مطابق دشمن کے مقابلے کے لیے نکل پڑو۔ تمہارے ساتھ لڑنے والے دشمن کے ساتھ لڑنے کے لیے کمر ہمت باندھ لو اور لوگوں کو اپنے رب کے راستے (میں جہاد) کی طرف دعوت دو۔ اللہ سے زیادہ سے زیادہ مدد طلب کرو کہ انشاء اللہ وہ تیری مشکلات کو حل کرے گا اور تمہارے اوپر نازل ہونے والے شدائد میں تمہاری مدد

فرمائے گا۔[1]

ضمیمہ ۸

نجاشی کی سفارش نامنظور

نجاشی ایک معروف یمنی شاعر تھا۔ جنگ صفین میں وہ لشکر امام کا شاعر محسوب ہوتا تھا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ شامی شاعروں کا جواب دے۔ جنگ صفین کے خاتمے اور امام علیہ السلام کے لشکر کی کوفہ واپسی کے بعد پہلی رمضان کو نجاشی اپنے گھر سے نکلا تو ابو سمال اسدی سے ملاقات ہوگئی۔ ابو سمال نے اسے کھانے کی دعوت دی۔ نجاشی نے کہا: وائے ہو تم پر آج رمضان کی پہلی تاریخ ہے۔ اس نے جواب دیا: ہم جس چیز کا علم نہیں رکھتے اس سے ہمیں رہا کر۔ نجاشی نے کہا: کھانے کے بعد کیا ہے؟ بولا: ارغوانی شراب جو نفس کو معطر کرے، رگوں میں دوڑے، طاقت میں اضافہ کرے اور کھانے کو ہضم کرے۔ نجاشی ابو سمال کے ساتھ کھانے میں مشغول ہوگیا۔ اس کے بعد انہوں نے شراب نوشی کی اور نشے کی حالت میں گھر سے باہر نکل کر غل غپاڑہ کرنے لگے۔ امام علیہ السلام کو اس کی خبر ملی۔ آپ نے ایک گروہ ان دونوں کی گرفتاری کے لیے بھیجا۔ ابو سمال بھاگ گیا لیکن نجاشی گرفتار ہوگیا۔ اس پر شراب نوشی کے جرم میں اَسّی تازیانوں کی حد جاری کی گئی۔ اس کے بعد مزید بیس تازیانے مارے گئے۔ نجاشی نے اس پر اعتراض کیا تو امام نے فرمایا: یہ اضافی تازیانے اللہ کے حضور گستاخی اور ماہ رمضان کی حرمت پامال کرنے کی سزا ہیں۔ الغارات کے مؤلف لکھتے ہیں: جب علی نے نجاشی پر یہ حد جاری فرمائی تو یمنی لوگ ناراض ہوگئے۔ یمنیوں میں نجاشی کا قریب ترین فرد طارق بن عبد اللہ تھا۔ وہ علی علیہ السلام کی خدمت میں گیا اور بولا:

> اے امیر المومنین! ہم نہیں سمجھتے تھے کہ عدل پرور اور صاحب کمال حکمرانوں کے نزدیک اطاعت گزاروں اور

---

[1] نہج البلاغہ صبحی صالح، مکتوب ۳۴، ص ۴۰۸

نافرمانوں نیز اتحاد کے حامیوں اور افتراق ڈالنے والوں کا صلہ برابر ہوگا یہاں تک کہ میں نے اپنے بھائی نجاشی کے ساتھ آپ کا رویہ دیکھ لیا۔ آپ نے ہمارے دلوں میں آگ لگادی ہے اور ہمارے کاموں کا شیرازہ بکھیر دیا ہے اور ہمیں ایسے راستے پر ڈال دیا ہے جس کے بارے میں ہمارا گمان ہے کہ جو کوئی اس پر چلے گا وہ آگ کے اندر گر جائے گا۔

علی علیہ السلام نے فرمایا:

''بے شک یہ بہت گراں ہے مگر اللہ سے ڈرنے والوں پر''۔

اے نہدی! کیا یہ درست نہیں کہ نجاشی ایک مسلمان ہے جس نے حکم خدا کو پامال کیا اور ہم نے اس پر حد جاری کردی جو اس کی سزا تھی؟ ارشاد خداوندی ہے:

''کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی قسم کی دشمنی کے باعث تم عدل و انصاف کا دامن چھوڑ دو۔ عدل و انصاف سے کام لو کہ یہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔'' (مائدہ/۸)

جب طارق امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت سے باہر نکلا تو مالک اشتر نے اسے دیکھا اور کہا:

اے طارق! تو نے امیر المومنین علیہ السلام سے کہا ہے: آپ نے ہمارے دلوں میں آگ لگادی ہے اور ہمارے کاموں کا شیرازہ بکھیر دیا ہے؟

طارق نے کہا: ہاں میں نے کہا ہے۔ اشتر نے کہا:

خدا کی قسم تمہاری بات درست نہیں ہے۔ ہمارے دل آپ علیہ السلام کے فرمان کے آگے ہمہ تن گوش ہیں اور ہمارے

سارے کام آپ کے ساتھ ہماہنگ ہیں۔

طارق نے خشمگین ہو کر کہا:

اے اشتر تجھے جلد ہی معلوم ہو گا کہ تیری بات درست نہیں۔

چنانچہ جب رات ہوئی تو طارق اور نجاشی معاویہ کی جانب رہسپار ہوئے۔[1]

ضمیمہ ۹

دعوت ذوالعشیرہ

''یوم الدار'' یا ''یوم الانذار'' اس دن کا نام ہے جس کے بارے میں آیت کریمہ وَاَنذِر عَشیرَتَكَ الاَقرَبِین[2] نازل ہوئی۔ اس آیت میں آنحضرتﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنی اعلانیہ دعوت کا آغاز اپنے قریبی رشتہ داروں سے کریں۔ تین سال تک خفیہ تبلیغ کرنے کے بعد اب رسول کریمﷺ کو یہ حکم ہو رہا ہے کہ آپ اعلانیہ دعوت دیں اور اپنے قریبی رشتہ داروں سے اس دعوت کی ابتدا کریں۔

اکثر مسلمان مورخین نے اپنی کتابوں میں اس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ محدثین نے بھی کتب حدیث میں اس دن کی سرگزشت بیان کی ہے۔ بنابریں یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ یہ اسلامی تاریخ کا مسلمہ واقعہ ہے۔ اس دن کے اجتماع کا بندوبست کرنے میں امیر المومنینؑ کا کردار اور رسولﷺ کی دعوت پر آپ کا لبیک کہنا اور سب سے بڑھ کر آنحضرتﷺ کا امیر المومنینؑ کی جانشینی کا اعلان وہ موضوعات ہیں جو بہت ساری شیعہ و سنی کتابوں میں مذکور ہیں۔

یہاں ہم خود امیر المومنینؑ کی زبانی اس دن کی سرگزشت سنتے ہیں۔ فرماتے ہیں:
جب آیت شریفہ '' وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الاَقْرَبِیْنَ '' نازل ہوئی تو پیغمبر اکرمﷺ نے

---

[1] الغارات، ج ۲، ص ۵۳۹، نیز ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ ج ۴، ص ۸۸۔

[2] سورہ شعراء، آیت ۲۱۴۔

مجھے بلایا اور فرمایا: اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو توحید کی کھلی دعوت دوں لیکن چونکہ اس بارے میں میرے ساتھ ان کا رویہ منفی رہا ہے اس لیے میں نے خاموشی اختیار کی یہاں تک کہ جبرئیل آئے اور بولے: اے محمد! اگر آپ اللہ کے حکم پر عمل نہ کریں تو اللہ آپ کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اس کے بعد پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: پس اٹھو اور ایک گوسفند کی ران، کچھ شوربے اور دودھ کا بندوبست کرو اور عبدالمطلب کی اولاد کو دعوت دو تاکہ میں انہیں اللہ کا پیغام پہنچا سکوں۔ میں نے آنحضرت ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بنی عبدالمطلب کے کم و بیش چالیس افراد کو دعوت دی۔ ان میں ابو طالب، حمزہ، عباس اور ابولہب (پیغمبر کے چچا) شامل تھے۔

جب وہ جمع ہوئے تو پیغمبر اکرم ﷺ نے تھوڑا گوشت لے کر ایک بڑے برتن میں رکھا اور فرمایا: بسم اللہ! وہ لوگ کھانے میں مشغول ہو گئے۔ سب نے سیر ہو کر کھایا۔ پھر ان سب نے دودھ کا مشروب پیا جس کا بندوبست کیا گیا تھا۔ سب معجزانہ طور پر سیر ہو گئے۔ اللہ کی قسم جتنا کھانا اور مشروب ان سب کے لئے تیار کیا گیا تھا اتنا ان میں سے ایک شخص کھا پی سکتا تھا۔ لیکن وہ سب اس سے کھا پی کر سیر ہو گئے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنی گفتگو کا آغاز کرنا چاہتے تھے لیکن ابولہب نے پیشدستی کی۔ اس نے غل غپاڑہ کرتے ہوئے اور آنحضرت ﷺ پر جادوگری کا الزام لگایا اور محفل میں بدنظمی اور گڑبڑ پیدا کر دی۔ یوں سب متفرق ہو گئے۔

اس کے دوسرے دن رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے علی! اس شخص نے مجھ سے پہلے بولنا شروع کر دیا اور میری گفتگو سے پہلے ہی وہ چلے گئے۔ اب دوبارہ کھانے کا بندوبست کرو اور انہیں دعوت دو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی اور دوسری بار انہیں جمع کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بذات خود ان کی آؤ بھگت کی اور پہلے دن کی طرح معجزے کے ذریعے کم کھانے سے ان سب کو سیر کیا۔ اس کے بعد فرمایا: انہیں دودھ کا مشروب پلاؤ۔ میں نے ان سب کو دودھ پلا کر سیر کیا۔ اس کے بعد رسول خدا ﷺ نے اپنی گفتگو کا آغاز

یوں کیا:

عربوں کے درمیان آج تک کوئی ایسا شخص نہیں آیا جو مجھ سے زیادہ لوگوں کا خیر خواہ ہو۔ میں آپ لوگوں کے لئے بہترین اور مفید ترین پیغام لے آیا ہوں۔ میں آپ کی دنیوی اور اخروی کامیابی کی ضمانت دیتا ہوں۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ لوگوں کو حق کی دعوت دوں۔ اب آپ لوگوں میں سے کون حاضر ہے جو اس اہم مشن اور عظیم کام میں میرا مددگار بنے؟ جو کوئی میرا مددگار بننا قبول کرے وہ میرا وزیر، میرا وصی، میرا بھائی اور میرا جانشین ہوگا۔

اس پورے مجمع میں سے صرف میں نے اس دعوت کو قبول کیا حالانکہ میں ان سب سے کم سن تھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا:

یہ میرا بھائی، میرا وصی اور میرا جانشین ہے۔ پس اس کی باتوں پر کان دھرو اور اس کی اطاعت کرو۔

بنی عبدالمطلب ہنستے اور مذاق اڑاتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور ابوطالب سے بولے: لو! محمد تجھے حکم دے رہا ہے کہ تو اپنے بیٹے کی اطاعت کرے۔[1]

---

[1] تفسیر فرات ص ۳۰۱، مسند احمد بن حنبل جلد ۱، ص ۱۱۱، تاریخ طبری جلد ۲، ص ۶۲، علل الشرائع جلد ۱، ص ۱۷۰، شیخ مفید کی الارشاد جلد ۱، ص ۴۹، حسکانی کی شواہد التنزیل نمبر ۵۱۴، تاریخ دمشق جلد ۱، نمبر ۱۳۳ تا ۱۳۸، کامل ابن اثیر جلد ۱، ص ۵۸۵، ابن ابی حدید کی شرح نہج البلاغہ جلد ۱۳، ص ۲۱۰، تفسیر ابن کثیر جلد ۳، ص ۳۶۳، کنز العمال جلد ۱۳، ص ۱۱۴، نمبر ۳۶۳۷۱، ص ۱۳۱، سیرت حلبیہ جلد ۱، صفحہ ۲۸۶، بحار الانوار جلد ۳۸، ص ۲۲۳ نیز جلد ۳۵، ص ۱۴۴ اور الغدیر جلد ۲، ص ۲۸۹،۲۷۸)

ضمیمہ ۱۰

جنگ خندق

جنگ احد میں بعض کامیابیاں حاصل کرنے کے بعد مشرکین عرب کے حوصلے بہت بلند ہوئے اور انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ٹھانی۔ انہوں نے اپنی تمام منتشر قوتوں کو جمع کیا نیز بہت سارے عرب قبائل اور گروہوں کو متحد کیا پھر اسلام اور مسلمانوں کا صفایا کرنے کی غرض سے کمر ہمت باندھ کر مدینہ کی طرف چل پڑے۔

اس جنگ میں جو جنگ احزاب کے نام سے معروف ہے قریش نے اپنے تمام مہرے پتے اور وسائل جھونک دیے۔ (کیونکہ وہ تمام عرب قبائل اور گروہوں کے علاوہ یہودیوں کی ایک جماعت کو بھی صف واحد میں پرو کر میدان جنگ میں لانے میں کامیاب ہوئے تھے) وہ اپنے سب سے بڑے پہلوان کو بھی اس تقدیر ساز جنگ میں اپنے ساتھ لے آئے۔ عمرو بن عبدود جیسے جنگجو کی موجودگی میں انہیں اپنی کامیابی اور مسلمانوں کی شکست میں کوئی شک نہیں تھا۔ مسلمانوں نے اس جنگ میں ایک خوبصورت اور نرالی جنگی چال چلی۔ سلمان فارسی نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ عربوں کے لیے شہر کے گرد خندق کھودنے کا تجربہ نیا تھا۔ وہ اس طریقے سے ناآشنا تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس نئی تجویز کے بارے میں مشورہ کیا۔ جب آپ کے اصحاب نے اس تجویز سے اتفاق کیا تو آپ نے خندق کھودنے کا حکم صادر کیا۔

دشمن پہلی بار خندق سے روبرو ہوئے تھے۔ وہ ایک ماہ تک خندق کے باہر پڑاؤ ڈالے رہے۔ آخر کار کفار کا سب سے بڑا پہلوان عمرو بن عبدود خندق پار کرنے میں کامیاب ہوا۔ وہ مسلمانوں کے لشکر کے سامنے نعرہ زن تھا اور غرور و مستی میں غرق مبارز طلب کر رہا تھا۔ مسلمانوں میں سے کوئی رضا کارانہ طور پر اس کے مقابلے میں نہیں آیا۔ صرف علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے جو بار بار رسول اکرم ﷺ سے عمرو بن عبدود کے ساتھ مقابلے کی اجازت طلب کر رہے تھے۔ رسول خدا ﷺ نے کئی بار علی علیہ السلام کو اپنی جگہ بیٹھ

جانے کا حکم دیا تا کہ دوسرے بھی اس مقابلے کے لیے رضا کار بنیں اور بعد میں لوگ اس بات کا دعوئی نہ کریں کہ موقع ملتا تو ہم بھی عمرو کے مقابلے پر جا سکتے تھے۔

بہر حال کوئی صحابی رضا کار نہیں بنا۔ ادھر حضرت علی علیہ السلام بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اذن جہاد طلب کرتے رہے۔ عمرو بن عبدود رجزیہ اشعار پڑھ رہا تھا اور تمسخر آمیز انداز میں کہہ رہا تھا:

میں مبارز طلب کرتے کرتے تھک گیا۔ کیا کوئی نہیں جو میرا جواب دے؟ کیا تمہارا یہ عقیدہ نہیں کہ اگر میں مر جاؤں تو جہنم رسید ہو جاؤں گا اور اگر تم مارے جاؤ تو بہشت چلے جاؤ گے؟ پس ایک شخص کھڑا ہو جائے تا کہ وہ مجھے جہنم بھیج دے یا خود راہی جنت ہو جائے۔

ان حالات میں حضرت علی علیہ السلام میدان میں اترے۔

آپ نے اپنے رجزیہ اشعار کے ذریعے عمرو کا جواب دیا۔ جب عمرو نے آپ کو پہچانا تو کہا:

ابو طالب کے ساتھ میری رفاقت کے باعث میرا دل نہیں چاہتا کہ اپنے قدیم دوست کے بیٹے کو قتل کر دوں۔ اس لئے بہتر ہے کہ لوٹ جاؤ۔

اس کے جواب میں علی علیہ السلام نے فیصلہ کن انداز میں کہا:

لیکن میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تجھے قتل کر دوں۔ (لوٹنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)

امیر المومنین علیہ السلام نے عمرو کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور اسے رسول اللہؐ کی دعوت قبول کرنے کی تجویز دی لیکن عمرو نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا۔ امیر المومنین علیہ السلام کی دوسری تجویز یہ تھی کہ عمرو مکہ لوٹ جائے اور خونریزی سے اجتناب کرے۔ عمرو نے اس

تجویز کی قبولیت کو اپنے لیے باعث ننگ و عار سمجھا۔ چنانچہ اس نے غرور ونخوت کے ساتھ جواب دیا:

اس صورت میں لوگ کہیں گے کہ ایک بچے نے عمرو کو
فریب دیا۔

امیر المومنینؑ کی تیسری تجویز یہ تھی کہ عمرو گھوڑے سے اتر کر پیادہ جنگ لڑے جسے اس نے قبول کر لیا۔

دونوں میں تن بہ تن لڑائی شروع ہوئی۔ لڑائی اس قدر شدید تھی کہ گرد و غبار کے بادل کے اندر کسی کو علم نہیں ہو رہا تھا کہ غالب کون ہے اور مغلوب کون۔ یہاں تک کہ گرد و غبار کے اندر سے امیر المومنینؑ کی صدائے ''اللہ اکبر'' کا مژدہ جانفزا کامیابی کی نوید بن کر مسلمانوں کی سماعت سے ٹکرائی۔ یوں آپؑ اس جنگ سے بھی کامیاب و کامران لوٹے۔

ضمیمہ ۱۱

علیؑ کی عبادت

شیخ صدوق اپنی کتاب امالی میں لکھتے ہیں: مسجد النبی میں ایک محفل جمی تھی۔ اصحاب رسول جنگ بدر اور بیعت رضوان میں شرکت کرنے والوں کے فضائل پر گفتگو کر رہے تھے۔ ابو دردا کہنے لگے:

کیا میں اس شخص کے بارے میں گفتگو نہ کروں جس کے
پاس سب لوگوں سے کم مال و دولت ہے لیکن تقویٰ،
پرہیزگاری اور عبادت میں وہ سب سے آگے ہے؟

حاضرین نے پوچھا: وہ کون ہے؟ ابو درداء نے کہا: علی ابن ابی طالبؑ
ابو درداء کی گفتگو حاضرین کو پسند نہیں آئی۔ ان کے چہروں سے ناپسندیدگی کے آثار نمایاں تھے۔ ایک انصاری نے ابو درداء سے کہا: کسی نے تیری بات کی تائید نہیں کی اور اس

محفل میں تمھیں کوئی موافق نہیں ملا۔ ابو درداء نے جواب دیا: میں اپنا عینی مشاہدہ بیان کر رہا ہوں۔ آپ لوگ بھی اپنے عینی مشاہدات نقل کریں۔ میں نے بچشم خود علی ابن ابی طالب کو محلہ نجار کے نخلستانوں میں دیکھا ہے۔ آپ وہاں ایک گوشۂ خلوت میں اکیلے ہی مشغول عبادت تھے۔ میں نے آپ کی سوزناک اور حزین آواز سنی۔ آپ اللہ کے حضور مناجات میں مشغول تھے اور فرما رہے تھے:

اے میرے معبود! تو نے میرے بہت سارے جرائم اور گناہوں کا مشاہدہ کیا ہے لیکن ان کے مقابلے میں (سزا کی بجائے) مجھے نعمتوں سے نوازا ہے۔ میرے کتنے ہی گناہوں کو تو نے اپنے لطف و کرم کے سائے میں چھپایا ہے۔ اے میرے معبود! اگرچہ تیری نافرمانی میں طویل عمر بیت گئی اور بڑے بڑے جرائم نامۂ اعمال میں ثبت ہو گئے لیکن میری واحد آسرا تیری مغفرت اور میری امید تیری رضا ہے۔

میں ایک گوشے میں چھپ کر علی کی مناجات سن رہا تھا۔ آپ نے نماز کی چند رکعتیں ادا کیں اور ایک بار پھر رات کی تاریکی اور نخلستان کی تنہائی میں دعا کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ گریہ وزاری کے ساتھ مناجات میں مصروف تھے اور کہہ رہے تھے:

اے میرے معبود! جب میں تیرے عفو و درگزر پر غور کرتا ہوں تو مجھے اپنی خطائیں ہلکی معلوم ہوتی ہیں اور جب تیرے عقاب کا تصور کرتا ہوں تو مجھے اپنے جرائم سنگین محسوس ہوتے ہیں۔ وائے ہو مجھ پر اگر میرے نامۂ اعمال میں کوئی ایسا گناہ نظر آئے جسے میں نے بھلا دیا ہو لیکن تو نے یاد رکھا ہو اور اس جرم میں تو مجھے پکڑنے کا حکم صادر

فرمائے۔ ہائے اس مصیبت کے۔ نہ کوئی عشیرہ اسے نجات
دے سکتا ہے اور نہ کوئی قبیلہ اسے فائدہ دے سکتا ہے۔
لوگوں کا دل اس پر کڑھتا ہے کہ اسے یوں حاضر کیا گیا
ہے۔ ہائے اس آگ کے جو جگر کو شعلہ ور کرتی ہے۔ ہائے
اس آگ کے جس کے شرارے سوزان ہیں۔

علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا گریہ آپ پر اس قدر غالب آ گیا کہ زیادہ رونے کی وجہ سے آپ کی سانس بند ہو گئی اور آپ بے حس و حرکت ہو گئے۔ میں نے سوچا: رات کو زیادہ جاگنے کی وجہ سے آپ کو نیند آ گئی ہے۔ میں آپ کو نماز فجر کے لیے جگانے کی خاطر آپ کے قریب گیا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ آپ خشک لکڑی کی طرح زمین پر پڑے ہوئے ہیں۔ میں نے آپ کو ہلایا لیکن بے سود۔ میں نے آپ کو بٹھانا چاہا لیکن ناممکن۔ میں نے کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن ۔ اللہ کی قسم علی ابن ابی طالب دنیا سے رحلت فرما چکے ہیں۔ میں جلدی سے فاطمہ زہرا کے گھر پہنچا اور انہیں علی کی موت کی خبر دے دی۔ فاطمہ نے پوچھا:

کیا معاملہ ہے اور تو نے کیا دیکھا ہے؟

میں نے جو کچھ دیکھا اسے نقل کیا۔ فرمایا:

اے ابودرداء! اللہ کی قسم، یہ وہی بے خودی کی کیفیت ہے
جو خوف خداوندی کی وجہ سے آپ پر طاری ہوتی ہے۔

اس کے بعد پانی لایا گیا اور آپ کے چہرے پر چھڑکا یا گیا۔ تب آپ ہوش میں آ گئے۔ آپ نے میری طرف نظر فرمائی۔ مجھے روتے دیکھ کر فرمایا: اے ابودرداء کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کی: آپ کا حال دیکھ کر اور آپ اپنا جو حشر کرتے ہیں اسے دیکھ کر روتا ہوں۔ فرمایا:

اے ابودرداء! اس وقت کیا حال ہو گا جب تو دیکھے گا کہ

مجھے اللہ کے حضور حساب کے لیے بلایا گیا ہے، مجرم لوگ
اپنی آنکھوں سے عذاب الٰہی کا مشاہدہ کر رہے ہیں، سخت
گیر فرشتے اور جہنم کے داروغے ہمیں گھیرے ہوئے ہیں
اور میں خداوند جبار کے آگے کھڑا ہوں جبکہ میرے
دوست مجھ سے کنارہ کش ہو چکے ہیں اور اہل دنیا میری
حالت پر ترس کھا رہے ہیں۔ اس وقت تجھے میری حالت
پر زیادہ ترس کھانا چاہئے جبکہ میں اس خدا کے آگے کھڑا
ہوں گا جس سے کوئی شے پوشیدہ نہیں ہوگی۔

ابو درداء نے کہا: اللہ کی قسم میں نے رسول کے کسی صحابی میں اس قسم کی حالت کا مشاہدہ نہیں کیا ہے۔[1]

ضمیمہ ۱۲

نبی کا زہد وصی کی زبانی

امیر المومنین علیہ السلام کے الفاظ یہ ہیں:

تم اپنے پاک و پاکیزہ نبی کی پیروی کرو کیونکہ آپ کی
ذات پیروکاروں کے لیے نمونہ اور صبر کرنے والوں کے
لیے ڈھارس ہے۔ اللہ کے نزدیک سب سے محبوب بندہ وہ
ہے جو نبی کی پیروی کرے اور آپ کے نقش قدم پر چلے۔

آپ نے دنیا کو (صرف ضرورت بھر) چکھا لیکن اسے نظر بھر کر نہیں دیکھا۔ آپ دنیا میں سب سے زیادہ گرسنگی میں زندگی بسر کرنے والے اور خالی پیٹ رہنے والے تھے۔ آپ کے سامنے دنیا پیش کی گئی لیکن آپ نے اسے ٹھکرا دیا۔ (جب) آپ کو یہ علم ہوتا کہ اللہ کی نظر میں ایک چیز مبغوض ہے تو آپ بھی اسے برا جانتے تھے اور جب یہ جانتے

---

[1] امالی صدوق مجلس ۱۸، حدیث ۹، ص ۷۷۔

کہ اللہ نے کسی چیز کو حقیر سمجھا ہے تو آپ بھی اسے حقیر قرار دیتے تھے اور جب یہ جانتے کہ اللہ نے ایک چیز کو پست سمجھا ہے تو آپ بھی اسے پست گردانتے تھے۔ اگر ہم میں صرف یہی خصلت موجود ہو کہ ہم اس چیز کو چاہنے لگیں جسے اللہ اور رسول برا سمجھتے ہیں اور اس چیز کو بڑا سمجھنے لگیں جسے وہ حقیر سمجھتے ہیں تو اللہ کی نافرمانی اور اس کے حکم سے سرتابی کے لیے یہی بہت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر بیٹھ کر کھاتے تھے، غلاموں کی طرح بیٹھتے تھے، اپنے ہاتھ سے جوتی ٹانکتے تھے، اپنے ہاتھوں سے کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے، گدھے کی ننگی پیٹ پر سوار ہوتے تھے اور اپنے پیچھے سواری بٹھا بھی لیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کے گھر کے دروازے پر (ایک ایسا) پردہ (لٹک رہا) تھا جس میں تصویریں تھیں تو آپ نے اپنے ازواج میں سے ایک سے فرمایا:

> اسے میری نگاہوں سے ہٹا دو کیونکہ میری نظریں اس پر پڑتی ہیں تو مجھے دنیا اور اس کی رنگینیاں یاد آتی ہیں۔

آپ نے دنیا سے دل ہٹا لیا تھا اور اس کی یاد تک اپنے باطن سے مٹا ڈالی تھی۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ دنیا کی سج دھج آپ کی نگاہ سے پوشیدہ رہے تاکہ نہ اس سے عمدہ لباس حاصل کریں، نہ اسے اپنی منزل خیال کریں اور نہ اس میں زیادہ رہنے کی آس لگائیں۔ پس آپ نے اسے اپنے باطن سے نکال باہر کیا تھا اور اپنے دل سے محو کر دیا تھا جس طرح کوئی شخص کسی شے سے نفرت کرتا ہے تو اسے دیکھنا اور اس کا ذکر سننا بھی پسند نہیں کرتا۔

رسول اللہ کی زندگی میں وہ چیزیں ہیں جو تمہیں دنیا کے عیوب و قبائح کا پتہ دیتی ہیں۔ آپ اپنے خاص افراد سمیت اس دنیا میں بھوک سہتے رہتے تھے۔ (اللہ کے نزدیک) آپ کی انتہائی قربت کے باوجود دنیا کی آرائشیں آپ سے دور رکھی گئیں۔ صاحب نظر کو عقل کی آنکھ سے دیکھنا چاہیے کہ اللہ نے محمد کو دنیا نہ دے کر آپ کی عزت

بڑھائی ہے یا آپ کی اہانت کی ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اہانت کی ہے تو اس نے جھوٹ کہا ہے اور بہت بڑا بہتان باندھا ہے لیکن اگر یہ کہے کہ عزت بڑھائی ہے تو اسے یہ جان لینا ہوگا کہ اللہ نے (دنیوی زیبائیں دے کر) دوسروں کی عزت افزائی نہیں کی ہے کیونکہ اللہ نے ان کے سامنے دنیا کی بساط وسیع کی ہے لیکن اپنے مقرب ترین بندوں سے دنیا کو دور رکھا ہے۔ بنا بریں (حقیقی خوش بختی کے طلبگاروں کو) چاہیے کہ اس رسول کی پیروی کریں، آپ کے نقش قدم پر چلیں اور ہر اس دروازے سے داخل ہوں جس سے آپ داخل ہوئے تھے ورنہ وہ ہلاکت سے محفوظ نہیں رہ سکتے کیونکہ اللہ نے آنحضرت کو قیامت کی نشانی، جنت کی خوشخبری سنانے والا اور عذاب سے ڈرانے والا قرار دیا ہے۔ آپ بھوک کی حالت میں دنیا سے نکلے جبکہ آخرت میں سلامتی کے ساتھ پہنچ گئے۔ آپ نے (تعمیر دنیا کے لیے) پتھر پر پتھر نہیں رکھا یہاں تک کہ راہی آخرت ہوئے اور اپنے رب کی آواز پر لبیک کہی۔ یہ ہمارے اوپر اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں آنحضرت جیسا پیشوا عطا کیا ہے تا کہ ہم آپ کے نقش قدم پر چلیں۔[1]

ضمیمہ ۱۴

جنگ تبوک

جنگ تبوک یعنی رومیوں کے ساتھ مسلمانوں کا ٹکراؤ ان حالات میں پیش آ رہا تھا جب فصلیں پک کر تیار ہو چکی تھیں اور زرعی محصولات جمع کرنے کا وقت آ گیا تھا نیز موسم بھی سخت گرم تھا۔ اسی لیے منافقین اور ضعیف الایمان لوگ اس جنگ میں شرکت سے پہلوتہی کے لیے بہانے کی تلاش میں تھے۔ ادھر مدینہ کے حالات بھی حساس ہو گئے تھے اور منافقین یہ امید باندھے ہوئے تھے کہ رسول اکرم ﷺ اور آپ کے وفادار اصحاب کی عدم موجودگی میں (اسلام پر) کاری ضرب لگائیں۔ ان حالات میں رسول اللہ ﷺ نے

---

[1] نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۱۶۰، ص ۲۲۸، نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین خطبہ ۱۵۸۔

پہلی بار امیر المومنین علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین کے طور پر مدینہ میں رہیں اور جہاد میں شرکت نہ کریں۔ منافقین اپنے تمام منصوبوں کو نقش بر آب ہوتے دیکھ رہے تھے اور جانتے تھے کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی موجودگی میں ان کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوگی۔ بنابریں انہوں نے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امیر المومنین علیہ السلام کو اپنے ساتھ نہ لے جانا امیر المومنین علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کا نتیجہ ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام تمام جنگوں میں لشکر اسلام کے پرچم دار رہے تھے۔ آپ کی تلوار کی ضربت لشکر اسلام کو سخت ترین مشکلات سے نجات دیتی تھی۔ بنابریں آپ کے لیے جنگ میں شرکت سے محرومی پریشان کن تھی۔ دوسری طرف سے منافقین کے پروپیگنڈوں نے بھی آپ علیہ السلام کے خلاف ماحول کو سخت مکدر کر دیا تھا۔ اسی لیے آپ نے اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی۔

یہاں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تاریخی فرمان تاریخ کی پیشانی پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو گیا۔ فرمایا:

اِنَّ الْمَدِینَةَ لَا تَصلُحُ اِلَّا بِی اَوبِكَ اَنتَ مِنِّی بِمَنزِلَةِ
هارُونَ مِن مُوسیٰ اِلَّا اَنَّهُ لَا نَبِیَّ بَعدِی

شہر مدینہ میرے یا آپ کے بغیر درست نہیں رہ سکتا۔ میرے
ساتھ آپ کی وہی نسبت ہے جو موسیٰ کے ساتھ ہارون کی ہے،
اس فرق کے ساتھ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کلام امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں آپؑ کے مشہور ترین فرامین میں سے ایک ہے۔ فریقین نے اسے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور اس کی درستی کی تائید کی ہے۔[1]

---

[1] الاستیعاب ج ۳، ص ۱۰۹۷، انساب الاشراف ج ۲، ص ۹۵ اور البدایۃ والنہایۃ ج ۵، ص ۷۔

ضمیمہ ۱۴

شعب ابی طالب میں ابوطالب علیہ السلام اور علی علیہ السلام کی فداکاری

مسلمانوں کی مکی زندگی کا سب سے مشکل مرحلہ وہ تین سالہ دور ہے جو مسلمانوں نے قریش کی مکمل ناکہ بندی میں شعب ابی طالب میں گزارا۔ عرب قبائل نے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ کسی کو مسلمانوں کے ساتھ روابط رکھنے اور معاملہ کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ امن کے فقدان نیز خوراک اور وسائل کی کمی کے باعث مسلمانوں کی طاقت سلب ہو چکی تھی۔ طویل بحران کے باعث مشکلات میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ان حالات میں امیر المومنین علیہ السلام مشکل ترین ذمہ داریاں نبھا رہے تھے۔ آپ علیہ السلام ایک سربکف مجاہد کی طرح شب و روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کی خدمت میں مصروف تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فداکار چچا یعنی امیر المومنین علیہ السلام کے والد حضرت ابوطالب علیہ السلام نے اپنی آبرو، اپنی حیثیت غرض اپنا سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر داؤ پر لگا رکھا تھا۔ انہوں نے اس سنگین امتحان میں کسی قسم کی مدد سے دریغ نہیں کیا۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلامتی کے بارے میں سخت تشویش تھی۔ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کے بارے میں کفار قریش کی منحوس سازشوں سے خائف تھے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام راتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استراحت گاہ بدلتے رہتے تھے اور اپنے نور چشم علی علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ سلاتے تھے تاکہ کسی کو پیغمبر کی نقل مکانی کا علم نہ ہو سکے۔

ایک رات علی علیہ السلام نے اپنے پدر گرامی سے کہا:

آپ ان اقدامات کے ذریعے مجھے موت کے حوالے کر رہے ہیں؟

ابوطالب علیہ السلام نے اپنے نور چشم کے جواب میں کچھ خوبصورت اشعار کہے جن میں سے ایک یہ ہے:

اِصبِرَنْ یَا بُنَیَّ فَالصَّبرُ اَحجیٰ

كُـلُّ حَـيٍّ مَـصِيـرُهُ لِشـعُـوب

میرے بیٹے! خوب صبر کرنا کیونکہ صبر زیادہ عاقلانہ

روش ہے۔ ہر زندہ چیز کی آخری منزل موت ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے بھی اپنے پدر بزرگوار کے جواب میں کچھ اشعار کہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ علیہ السلام کے والہانہ عشق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر ہر قسم کی جانفشانی کے لیے آپ علیہ السلام کی آمادگی کے آئینہ دار ہیں۔

أتَامُرُنِي بِالصَّبرِ فِي نَصرِ أحمَدَ ۔۔۔ وَوَاللهِ مَا قُلتُ الَّذِي قُلتُ جَازِعاً

وَلٰكِنَّنِي أحبَبتُ أن تَرىٰ نُصرَتِي ۔۔۔ وَتَعلَمَ أنِّي لَم أزَل لَكَ طَائِعاً

سَأسعىٰ لِوَجهِ اللهِ فِي نَصرِ أحمَدَ ۔۔۔ نَبِيِّ الهُدىٰ المَحمُودِ طِفلاً وَيَافِعا

کیا آپ مجھے صبر و تحمل کے ساتھ احمد کی مدد کرنے کی تلقین کرتے ہیں؟ اللہ کی قسم میں نے جو بات کہی ہے وہ نادانی کی وجہ سے نہیں کہی بلکہ میں تو یہ چاہتا تھا کہ آپ میری نصرت کا مشاہدہ کریں اور یہ دیکھ لیں کہ میں ہمیشہ آپ کا فرمانبردار ہوں۔ میں لڑکپن اور جوانی دونوں میں اللہ کی خاطر احمد کی مدد کی کوشش کروں گا۔ اسی احمد کی جو ہدایت کرنے والا اور تعریف شدہ نبی ہے۔[1]

ضمیمہ ۱۵

والیٔ بصرہ کے نام امام کا خط

امیر المومنین علیہ السلام نے بصرہ میں متعین اپنے گورنر عثمان ابن حنیف کے نام اپنے خط میں لکھا: اگر میں چاہتا تو خالص شہد، مغز گندم اور ریشمی کپڑوں سے اپنے لئے خوراک اور لباس کا اہتمام کرتا لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہوا و ہوس میرے اوپر غلبہ پاسکیں نیز حرص و لالچ مجھے لذیذ کھانوں کا اسیر بنا سکے جبکہ ممکن ہے کہ سرزمین ''حجاز'' یا ''یمامہ'' میں کوئی شخص ایسا ہو جسے ایک وقت کی روٹی بھی میسر نہ ہو اور اس نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا

---

[1] دیکھیے: شیخ مفید کی الفصول المختارہ ج۱، ص۳۱، مناقب ابن شہر آشوب ج۱، ص۵۸، ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ ج۱۴، ص۶۴۔

ہو۔ کیا میں اس حالت میں سیر ہو کر سو جاؤں جبکہ میرے اطراف و اکناف میں بھوکے پیاسے اور جگر سوختہ لوگ موجود ہوں؟ کیا میں اس شاعر کے کلام کا مصداق بن جاؤں جس نے کہا تھا:

تیرے یہی مصیبت کافی ہے کہ تو رات کو سیر ہو کر سو جائے جبکہ
تیرے آس پاس ایسے لوگ موجود ہوں جن کے پیٹ بھوک کی
وجہ سے ان کی پشت کے ساتھ چپکے ہوئے ہوں۔

کیا میں صرف اسی بات پر اکتفا کرلوں کہ لوگ مجھے امیر المومنین کہیں لیکن ان کی مشکلات میں ان کا ساتھ نہ دوں اور زندگی کی تلخیوں میں ان کی پیشوائی کا کردار ادا نہ کروں؟ میں اس لیے خلق نہیں ہوا ہوں کہ پر لطف اور مزیدار کھانوں کا لطف اڑانے میں اس طرح مصروف رہوں جس طرح وہ حیوان جس کا مقصدِ حیات ہی کھانا ہے یا وہ حیوان جو چرنے، کھانے اور پیٹ بھرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہو اور اپنے مستقبل سے بے خبر ہو۔ کیا میں فضول اور بے مقصد خلق کیا گیا ہوں؟ کیا میں گمراہی کی رسی تھام لوں یا سرگردانی کے راستے کا راہی بنوں؟

گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے کوئی کہہ رہا ہے:

اگر ابو طالب کے بیٹے کی خوراک یہی دو روٹیاں ہیں تو اسے
جسمانی طور پر کمزور ہونا چاہئے اور اسے اپنے ہم پلہ پہلوانوں
اور سورماؤں کے مقابلے میں شکست کھانی چاہئے۔

یاد رکھو کہ صحرائی درختوں کی لکڑی سخت ہوتی ہے لیکن پانی کے کنارے ہمیشہ سرسبز و شاداب درختوں کا چھلکا نازک تر (کمزور تر) ہوتا ہے۔ جو درخت صحراؤں میں اگتے ہیں اور صرف بارش کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں ان کی آگ زیادہ شعلہ ور ہوتی ہے اور زیادہ دیر تک باقی رہتی ہے۔[1]

---

[1] نہج البلاغہ صبحی صالح، مکتوب ۴۵، ص ۴۱۷۔

ضمیمہ ۱۶

حضرت عثمان کو نصیحت

نہج البلاغہ میں مذکور ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے حضرت عثمان کے طرز عمل پر تنقید اور انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: لوگ میرے پیچھے (منتظر) ہیں۔ وہ اپنے اور آپ کے درمیان مجھے رابطے کا ذریعہ قرار دے رہے ہیں۔ آگاہ رہیں کہ اللہ کے نزدیک سب سے افضل بندہ وہ عادل پیشوا ہے جو خود ہدایت یافتہ ہو اور دوسروں کو ہدایت سے نوازے، معروف رسم اور سنت کو قائم کرے اور انجانی بدعت کا قلع قمع کرے۔ سنتوں کے نشانات جگمگا رہے ہیں اور بدعتوں کی علامات بھی آشکار ہیں۔ اللہ کے نزدیک بدترین آدمی وہ پیشوا ہے جو خود گمراہی میں پڑا رہے اور اس کی وجہ سے دوسرے بھی گمراہ ہوں۔ وہ مقبول سنتوں کو ختم کرتا ہے اور متروک بدعتوں کو زندہ کرتا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے:

> ظالم پیشوا کو قیامت کے دن اس طرح حاضر کیا جائے گا کہ نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ اس کے پاس کوئی عذر ہوگا۔ اسے دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ وہ چکی کی طرح اس میں گھومتا رہے گا۔ پھر وہ جہنم کی تہہ میں زنجیروں سے جکڑ دیا جائے گا۔

میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اس امت کا وہ پیشوا نہ بنیں جسے قتل ہونا ہے کیونکہ رسول اللہ فرمایا کرتے تھے:

> اس امت میں ایک پیشوا مارا جائے گا جو قیامت تک کے لیے قتل وخون کا دروازہ کھول دے گا اور امت کے امور کو مشتبہ بنا دے گا اور اس میں فتنوں کو پھیلا دے گا جس کے نتیجے میں لوگ حق و باطل میں تمیز نہ کر سکیں گے۔ وہ فتنوں کے طوفان میں غوطے کھائیں گے اور ان میں تہہ و بالا ہوتے رہیں گے۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اس بڑھاپے میں اپنی زمام مروان کے حوالے کر دیں اور وہ آپ کو جہاں چاہے لے جائے۔[1]

ضمیمہ ۱۷

بیعت رضوان

ہجرت کے چھٹے سال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے ہمراہ مکہ مکرمہ جا کر حج کرنے کا ارادہ فرمایا۔ یہ ایک بڑا فیصلہ تھا کیونکہ بہت سے خطرات منڈلا رہے تھے۔ مسلمان سفر کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ یہ واضح کرنے کے لیے کہ مسلمان صرف حج کا اراہ رکھتے ہیں انہیں ہر قسم کا جنگی ساز و سامان ساتھ لے جانے سے منع کیا گیا۔ انہوں نے عام مسافروں کی طرح صرف ایک ایک تلوار ساتھ رکھی۔ قریش کے رؤسا نے اس خبر سے آگاہ ہونے کے بعد لشکر اسلام کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے اپنے لشکریوں کو تیار کیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سنا کہ قریش مسلمانوں کو مکہ آنے سے روکنے کے لیے تیار ہیں تو آپ نے حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔ آپ نے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ آپ قریش کے ساتھ پر امن رویہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ قریش بھی اس سے باخبر ہوئے۔ انہوں نے مسلمانوں کے ارادے کو جانچنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے نمائندے روانہ کئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام نمائندوں کو بتایا کہ آپ جنگ کی خاطر نہیں آئے بلکہ اس سفر کا مقصد صرف اور صرف خانۂ خدا کی زیارت ہے۔

قریش یہ دیکھ رہے تھے کہ مکہ میں مسلمانوں کے دخول کا راستہ روکنے میں ہی ان کی عزت ہے یعنی اگر مسلمان مکہ میں داخل ہو جائیں تو ان کا سارا وقار خاک میں مل جائے گا۔ اسی لیے وہ مسلمانوں کو شہر مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ خزاعہ کے ایک فرد ''خراش'' کو بطور نمائندہ مکہ بھیجا تا کہ وہ مکہ کے لوگوں کو مسلمانوں کے حقیقی ارادے سے آگاہ کرے کہ وہ صرف

---

[1] نہج البلاغہ صبحی صالح، خطبہ ۱۶۴، ص ۲۳۴۔

اور صرف خانہ خدا کی زیارت کرنا چاہتے ہیں لیکن قریش کے سرداروں نے نمائندہ رسول کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا۔ انہوں نے ''خراش'' کے اونٹ کو قتل کرنے کے علاوہ خود اسے بھی قتل کرنا چاہا لیکن چند بااثر لوگوں کی مداخلت سے وہ اپنی جان بچا کر مسلمانوں کے لشکر میں واپس آنے میں کامیاب ہوا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری بار نمائندہ بھیجنے کا فیصلہ کیا تاکہ بحران کو مذاکرات کے ذریعے حل فرمائے۔ اس مقصد کے لیے آپ کو ایسے شخص کی تلاش تھی جس نے جنگوں میں کسی کا خون نہ کیا ہو تاکہ قریش اور عرب سرداروں کے ساتھ رابطہ برقرار کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا کہ وہ اس مہم کو اپنے ذمے لیں لیکن حضرت عمر نے یہ کہہ کر اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے احتراز کیا کہ مکہ والوں کے درمیان ان کا کوئی حامی نہیں ہے۔ حضرت عمر نے تجویز دی کہ اس کام کے لیے حضرت عثمان زیادہ مناسب ہیں کیونکہ وہ ابوسفیان کے رشتہ دار ہیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان کو اپنا پیغام دے کر بھیجا۔ قریش نے مسلمانوں کے ساتھ موثر طریقے سے نمٹنے کے لیے حضرت عثمان کو واپسی سے روک دیا۔

حضرت عثمان کی واپسی میں تاخیر سے مسلمانوں میں عجیب اضطراب و ہیجان پھیل گیا۔ پھر جب حضرت عثمان کے قتل کیے جانے کی افواہ اڑی تو مسلمانوں کے جذبات سخت مجروح ہوئے اور وہ قریش سے انتقام لینے پر آمادہ ہو گئے۔ ان مخصوص حالات میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے نئی بیعت لینے اور انہیں ہر قسم کے ممکنہ حالات سے نمٹنے کے لیے تیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور آپ کے تمام اصحاب نے آپ سے وفاداری کی بیعت کی اور قسم کھائی کہ وہ آخری دم تک اسلام اور رسول اللہ کی حمایت کرتے رہیں گے۔

تاریخی روایات کے مطابق سب سے پہلے علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے رسولؐ کی بیعت کی پھر دوسرے مسلمانوں نے بیعت کی۔ یہ وہی بیعت رضوان ہے جس کا ذکر قرآن

میں آیا ہے:

لَقَد رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ المُومِنِینَ اِذ یُبایِعُونَکَ تَحتَ الشَّجرَۃِ فَعلِمَ مَا فِی قُلوبِھِم فَاَنزَلَ السَّکینۃَ عَلیھِم وَاَثَابَھُم فَتحاً قَرِیباً [1]

تحقیق اللہ مومنین سے راضی ہوا جب وہ درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے تھے۔ اللہ کو ان کے دل کا حال معلوم ہوا۔ (ان کے قلبی ایمان و اخلاص کا علم ہوا)۔ پس اس نے ان کے اوپر سکون نازل فرمایا اور بطور انعام انہیں قریب الوقوع فتح سے نوازا۔

اس بیعت کے بعد صلح حدیبیہ عمل میں آئی اور مسلمان مدینہ لوٹ آئے۔ اس کے اگلے سال مسلمان ایک خاص شان وشوکت سے مکہ میں داخل ہوئے اور کشت وخون کے بغیر ہی انہوں نے مکہ فتح کر لیا۔ [2]

ضمیمہ ۱۸

طلحہ وزبیر کو امام کا جواب

طلحہ وزبیر کو امیر المومنین علیہ السلام نے جو جواب دیا، اس کا مکمل متن یہ ہے: تم دونوں معمولی چیزوں کی خاطر ناراض ہوئے ہو اور (میری) بہت سی خوبیوں سے چشم پوشی کر رہے ہو۔ کیا مجھے بتا سکتے ہو کہ میں نے تم دونوں کے کس حق کو روک لیا ہے یا تمہارے کس حق کو دبا لیا ہے؟ کیا ایسا ہوا ہے کہ کسی مسلمان نے میرے سامنے کوئی دعویٰ پیش کیا ہو لیکن میں نے اس کا فیصلہ کرنے میں کمزوری دکھائی ہو یا میں اس کے حکم سے جاہل رہا ہوں یا میں نے اس کے صحیح طریقہ کار میں خطا کی ہو؟

---

[1] سورہ فتح/۱۸

[2] تاریخ یعقوبی ج۲،ص۵۴، تاریخ طبری ج۲،ص۶۲۰، انساب الاشراف ج۱،ص۳۴۹، البدایۃ والنہایۃ ج۴،ص۱۷۳۔

اللہ کی قسم مجھے خلافت سے کوئی رغبت نہ تھی اور حکومت کی کوئی تمنا نہیں تھی۔ تم لوگوں نے خود ہی مجھے اس کی دعوت دی تھی اور اس پر آمادہ کیا تھا۔ پس جب وہ مجھے مل گئی تو میں نے اللہ کی کتاب کو مدنظر رکھا اور اس نے ہمارے لیے جو لائحہ عمل طے کیا اور جس طرح فیصلہ کرنے کا حکم دیا تھا میں نے اسی کا اتباع کیا۔ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پیروی کی۔ پس مجھے تم دونوں یا دیگر لوگوں سے رائے لینے کی ضرورت نہ رہی۔ ابھی تک کوئی حکم ایسا سامنے نہیں آیا جس کا مجھے علم نہ ہو، تاکہ مجھے تم دونوں یا دوسرے مسلمان بھائیوں سے مشورہ لینے کی ضرورت پیش آئے۔ اگر یہ نوبت آتی تو میں تم دونوں اور دوسروں سے روگردانی نہ کرتا۔

رہا تم دونوں کا یہ سوال کہ میں نے (تم دونوں اور دیگر مسلمانوں کے درمیان) مساوات کیوں برتی تو یہ میری ذاتی رائے پر مبنی حکم اور میری خواہشات نفسانی کا فیصلہ نہیں بلکہ یہ وہی طے شدہ چیز ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے لے آئے تھے۔ وہ میرے سامنے بھی ہے اور تمہارے سامنے بھی۔ جس چیز کی درجہ بندی اور تقسیم بندی خدا نے کر دی ہے اور اس کا قطعی حکم وہی صادر کر چکا ہے اس میں تم دونوں کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

پس اللہ کی قسم نہ تم دونوں کو مجھ پر اعتراض کا حق ہے نہ دوسروں کو۔ اللہ ہمارے اور تمہارے دلوں کو حق پر ٹھہرائے نیز ہمیں اور تمہیں صبر عنایت کرے۔[1]

ضمیمہ ۱۹

جنگ جمل میں علیؑ اور زبیر کی گفتگو

جنگ جمل کے دن علی علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر سوار ہوئے۔ آپ علیہ السلام کسی قسم کا اسلحہ ہاتھ میں اٹھائے بغیر میدان میں آئے اور بلند آواز سے زبیر کو ملاقات کے لئے بلانے لگے۔ زبیر لوہے میں غرق امامؑ سے ملاقات کے لئے آئے۔ امام علیہ السلام نے پوچھا:

کس مقصد کے تحت یہاں جمع ہوئے ہو؟

---

[1] دیکھئے نہج البلاغہ صبحی صالح خطبہ ۲۰۵ نیز نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین خطبہ ۲۰۳۔

زبیر نے جواب دیا:

ہم نے عثمان کے خون کا حساب چکانے کے لئے قیام کیا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

عثمان کے خون میں ہم میں سے جس کا زیادہ حصہ ہو اسے خدا ہلاک کر دے۔ کیا تجھے یاد ہے کہ ایک دن جب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا تو میں بھی حضور کی خدمت میں پہنچا تھا؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا تو میں بھی ہنس دیا۔ تب تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: یا رسول اللہ! علی غرور سے دست بردار نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھے جواب دیا: علی مغرور نہیں ہے۔ کیا تو علی کو دوست رکھتا ہے؟ تو نے کہا تھا: اللہ کی قسم میں اسے دوست رکھتا ہوں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم ایک دن آئے گا جب تم علی سے جنگ کرو گے۔ اس وقت تو ظالم اور وہ مظلوم ہو گا۔

اس واقعے کو سن کر زبیر نے حیرانی سے کہا:

اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ ۔ اللہ کی قسم اگر مجھے رسول کی یہ بات یاد ہوتی تو میں ہرگز یہ اقدام نہ کرتا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

اے زبیر! تو اب بھی لوٹ سکتا ہے۔

زبیر نے کہا:

اب میں کیسے لوٹوں جب دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کے گرد گھیرا تنگ کر رکھا ہے اور دونوں جنگ کے لئے تیار ہو چکے ہیں؟ اللہ کی قسم اس وقت میرا میدان چھوڑ کر چلا جانا باعث ننگ و عار ہے جس کا داغ دھونا ممکن نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اے زبیر! اس دنیوی ننگ و عار کی پروانہ کر اور واپس لوٹ جا، قبل اس کے کہ (اخروی) ننگ و عار اور آتش جہنم دونوں ہی تیرا مقدر بنیں۔

زبیر اپنے لشکر کی طرف لوٹ گئے جبکہ ان کی زبان پر کچھ اشعار جاری تھے۔ یہ اشعار زبیر کی ندامت اور دنیوی ننگ و عار قبول کرنے کے بارے میں تھے۔ جب زبیر کے فرزند عبداللہ نے باپ کی پشیمانی کا مشاہدہ کیا تو وہ سرگرم عمل ہو گیا اور پوری طاقت سے باپ کو جنگ پر اکسانے لگا۔ عبداللہ نے باپ سے پوچھا:

آپ ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟

زبیر نے کہا:

ابوالحسن نے مجھے ایک بات یاد دلائی ہے جسے میں بھول چکا تھا۔

زبیر کے بیٹے (عبداللہ) نے جواب دیا:

ایسا نہیں بلکہ اللہ کی قسم آپ بنی عبدالمطلب کے سورماؤں کی لمبی اور تیز دھار تلواروں کے خوف سے بھاگنا چاہتے ہیں۔

زبیر نے کہا:

اللہ کی قسم میں نہیں ڈرا بلکہ آج مجھے ایک ایسی بات یاد آگئی جو گردشِ زمانہ کے باعث میرے ذہن سے محو ہو گئی تھی۔ بنابرایں میں ننگ و عار کو آتش جہنم پر ترجیح دیتا ہوں۔ کیا تو مجھ پر ڈرپوک ہونے کا الزام لگاتا ہے اور اس طریقے سے میری سرزنش کرتا ہے؟

زبیر نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ ڈرپوک نہیں ہاتھ میں اپنا نیزہ لیا اور امیرالمومنین علیہ السلام کے میمنہ پر ایک سخت حملہ کر دیا۔ امام علیہ السلام نے اپنے سپاہیوں سے فرمایا:

اس کا ذرا لحاظ کرو کیونکہ اسے اکسایا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ ہیجان زدہ ہو گیا ہے۔

اس کے بعد زبیر نے لشکر امام کے میسرہ پر پھر قلبِ لشکر پر حملہ کیا۔ اس کے بعد لوٹے اور اپنے بیٹے سے کہنے لگے:

کیا ڈرپوک آدمی اس طرح جنگ کر سکتا ہے؟

اس گفتگو کے بعد زبیر آہستہ آہستہ لشکر سے دور ہوتے گئے۔[1]

ضمیمہ ۲۰

مروان بن حکم

مروان بن حکم امیر المومنین علیہ السلام کے سخت ترین دشمنوں میں سے ایک تھا۔ مروان کے باپ حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بار بار نامناسب طرز عمل اختیار کرنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہر بدر کر کے طائف بھیج دیا تھا۔ حضورؐ نے "حکم" کے بارے میں یوں بددعا کی تھی:

لَعنَكَ اللّٰهُ وَلَعنَ مَا فِي صُلبِكَ

خدا تجھ پر اور تیرے صلب میں موجود فرزند پر لعنت کرے۔ (یہ مروان کی پیدائش سے پہلے کا واقعہ ہے)۔

اس دور کے اسلامی معاشرے میں حکم اتنا بدنام زمانہ اور لوگوں کے ہاں اتنا منفور تھا کہ حکم کے بھتیجے حضرت عثمان کی بار بار سفارش کے باوجود نہ خلیفہ اول حکم کی واپسی کی اجازت دینے کی جرأت کر سکے اور نہ خلیفہ دوم۔ جب حضرت عثمان خلیفہ بنے تو انہوں نے اپنے چچا یعنی مروان کے باپ حکم سے پابندی اٹھالی۔ یہ فیصلہ خلیفہ کے اولین منفی اقدامات میں سے ایک تھا۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ خلیفہ نے اسے اپنے مقرب لوگوں میں شامل کیا اور بیت المال سے اس پر عنایات کی بارش کر دی۔ یہ حضرت عثمان کے دور حکومت کے منفی پہلوؤں میں سے ایک ہے جو بعد میں ان کے خلاف ہونے والی بغاوت کا ایک محرک محسوب ہوتا ہے۔ اسی اقدام کے باعث کئی اصحاب رسول حضرت عثمان کے

---

[1] مروج الذہب جلد ۲، صفحہ ۴۰۱۔

پیچھے نماز پڑھنے سے اجتناب کرتے تھے۔[1]

قتل عثمان کے بعد ''مروان'' نے علی علیہ السلام کی بیعت کر لی لیکن جلد ہی مروان جنگ جمل کی آگ بھڑکانے والوں کا اتحادی بن کر بصرہ آ گیا۔ لشکر جمل کی شکست اور طلحہ و زبیر کے قتل ہونے کے بعد مروان قیدی بن گیا مگر امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی سفارش سے آزاد ہوا۔[2]

اس کے بعد بھی مروان نے اپنا منفی طرز عمل جاری رکھا چنانچہ وہ امیر معاویہ اور شامی لشکر سے جا ملا۔ جنگ صفین میں اس نے فعال کردار ادا کیا۔ تعجب کی بات ہے کہ تاریخ کی رو سے امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو جو وصیتیں کیں ان میں سے ایک یہ تھا:

میں تمہارے معاملے میں چار افراد سے ڈرتا ہوں۔

ان میں سے ایک مروان تھا۔ ساتھ یوں نصیحت کی:

جب میں مر جاؤں اور تم میری نماز جنازہ کا ارادہ کر لو تو کہو: میرے باپ نے وصیت کی ہے کہ بنی امیہ کا ایک بزرگ جو میرا چچا مروان بن حکم ہے نماز جنازہ پڑھائے۔ یوں اسے آگے رکھو۔ ادھر کچھ لوگوں کو حکم دو کہ وہ لباس کے اندر اسلحہ چھپا کر آئیں اور نماز کے آخر میں اس پر حملہ کر کے اس کا خون بہائیں تاکہ تجھے اس کے شر سے نجات مل جائے۔

لیکن شاید مروان کو اس کی بھنک پڑ گئی تھی یا حالات و قرائن کو دیکھتے ہوئے اسے حاضرین پر شک ہوا تھا چنانچہ وہ نماز ختم ہونے سے پہلے ہی وہاں سے بھاگ گیا۔

یزید کے بیٹے معاویہ نے اپنی موت کے وقت کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا۔ اس لیے اس کی جانشینی کے معاملے میں اختلاف ہو گیا۔ معاویہ بن یزید کے بعض قریبی لوگوں کی خواہش تھی کہ معاویہ کا بھائی خالد بن یزید اس کی جگہ لے لیکن چونکہ وہ کمسن تھا اس لیے

---

[1] الاستیعاب ج ۱، ص ۳۵۹، اسد الغابہ ج ۱، ص ۵۱۳، انساب الاشراف ج ۱، ص ۱۵۱، الفتوح ج ۲، ص ۳۷۱۔
[2] نہج البلاغہ کلام ۷۳، ص ۱۰۲، اعلام الوری ص ۱۷۲، بحار الانوار ج ۳۲، ص ۲۳۳۔

مروان بن حکم کی بیعت عمل میں آئی لیکن اس شرط پر کہ مروان کے بعد خالد اس کی جگہ لے۔ کچھ مدت کے بعد مروان اس شرط سے پشیمان ہوا۔ اس نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اپنے بعد اپنے بیٹے عبدالملک کو پھر عبدالعزیز کو خلافت کا وارث بنائے۔

خالد کی ماں نے مروان سے شادی کی تھی۔ خالد نے اپنی ماں سے مروان کی عہد شکنی کی شکایت کی۔ ماں نے وعدہ کیا کہ وہ مروان کا کام تمام کردے گی۔ اس نے بیٹے سے کہا: غم نہ کر میں مروان کو ٹھکانے لگا دوں گی۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کردکھایا۔ رات کو جب مروان سویا ہوا تھا تو اس نے مروان کے منہ پر ایک تکیہ رکھا اور اسے دبا کر مروان کا خاتمہ کردیا۔

مروان کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ اس کی ماں "حکم" سے شادی سے پہلے عہد جاہلیت کی مشہور فاحشہ عورتوں میں سے ایک تھی۔ ان عورتوں کو صاحبة الرایة (جھنڈے والیاں) کہا جاتا تھا کیونکہ یہ عورتیں اپنے گھروں کے دروازے پر کھلے عام جھنڈے نصب رکھتی اور بدکار لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیتی تھیں۔

مروان جنگ جمل میں اسیر ہوا لیکن امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی سفارش پر آزاد ہو گیا۔ اس کی آزادی کے بعد امیر المومنینؑ سے کہا گیا: کیا آپ مروان سے بیعت نہیں چاہیں گے؟ امام نے فرمایا:

> کیا اس نے قتل عثمان کے بعد میری بیعت نہیں کی تھی؟ مجھے اس کی بیعت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کا ہاتھ یہودی ہاتھ ہے۔ اگر وہ اپنی ہتھیلی کے ساتھ میری بیعت کرے تو اس کی پشت کے ساتھ بیعت شکنی کرے گا۔ آگاہ رہو کہ اسے مختصر مدت کی حکومت ملے گی۔ اتنی مختصر جس میں ایک کتا اپنی زبان سے اپنی ناک چاٹتا ہے۔ وہ چار مینڈھوں کا باپ ہے۔ امت مسلمہ اس کے اور اس کی اولاد کے ہاتھوں خونین دور سے روبرو ہوگی۔[1]

---

[1] نہج البلاغہ صبحی صالح، کلام ۷۳، ص ۱۰۲۔

ضمیمہ ۲۱

جنگ صفین کا تلخ انجام

کتاب وقعة الصفین میں مذکور ہے: جب شامی سپاہیوں نے نیزوں پر قرآن کے نسخوں کو بلند کیا اور امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر کو قرآن کے مطابق صلح کی دعوت دی تو امامؑ کے طرفداروں میں اختلاف پڑ گیا۔ کچھ لوگوں نے چلا کر کہا:

ہم جنگ جاری رکھیں گے۔

لیکن اکثر لوگوں نے شور مچایا:

ہم قرآن کے فیصلے کو قبول کریں گے اور ہمارے لئے جنگ جائز نہیں کیونکہ ہمیں قرآن کو ثالث بنانے کی دعوت دی گئی ہے۔

ہر طرف سے آواز آنے لگی:

ہم جنگ بندی کرتے ہیں اور صلح قبول کرتے ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام نے یہ صورتحال دیکھی تو اپنے لشکر سے یوں خطاب فرمایا:

لوگو! قرآن کا حکم تم سب سے زیادہ مجھے عزیز ہے لیکن جان لو کہ معاویہ، عمرو عاص اور ابو معیط کا بیٹا دین کے حامی اور قرآن کے حمایتی نہیں ہیں۔

میں تم سے زیادہ انہیں پہچانتا ہوں۔ میں بچپن سے لے کر بڑی عمر تک ان کے ساتھ رہا ہوں۔ یہ لوگ بچپن سے لے کر عمر رسیدہ ہونے تک بدترین افراد میں شامل رہے ہیں۔ ان کی طرف سے قرآن کے حکم کو تسلیم کرنے کا مطالبہ بذاتِ خود ایک برحق بات ہے لیکن ان کا ارادہ غلط ہے۔

نیزوں پر قرآن کو بلند کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ قرآن کو پہچانتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں بلکہ وہ اس بہانے لوگوں کو دھوکہ دینا، اپنی جال میں پھنسانا اور تمہارے ارادوں کو کمزور بنانا چاہتے ہیں۔ اگر تم گھڑی بھر کے لئے

اپنے بازو اور اپنی کھوپڑیاں عاریۃً میرے حوالے کر دو تو حق
اپنی جگہ مستقر ہوگا اور ظالموں کا قطعی خاتمہ ہوگا۔

اس موقع پر بیس ہزار سپاہیوں نے امیر المومنین علیہ السلام کو گھیر لیا۔ انہوں نے آپ کو امیر المومنین کے نام سے پکارنے کی بجائے نہایت گستاخی کے ساتھ بلند آواز میں کہا:

اے علی! ان لوگوں نے تمہیں کتاب خدا کو ثالث بنانے کی
دعوت دی ہے۔ اسے قبول کر و ورنہ ہم تمہیں اس طرح قتل کر
دیں گے جس طرح ہم نے عثمان کو قتل کیا تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

وائے ہو تم پر! کیا مجھے قرآن کی ثالثی منظور نہیں؟ میں وہ ہوں
جو سب سے پہلے قرآن پر ایمان لایا تھا۔ سب سے پہلے میں
نے ہی لوگوں کو قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی تھی۔ پھر
اب میں قرآن کو کیوں قبول نہ کروں؟ میں معاویہ اور اہل شام
کے ساتھ جنگ کر رہا ہوں تاکہ وہ کتاب خداوندی پر ایمان
لے آئیں۔ میں نے تمہیں آگاہ کیا ہے کہ ان کی اس تجویز کا
مقصد تمہیں دھوکہ دینا ہے، قرآن پر عمل کرنا نہیں۔

سپاہیوں نے امام علیہ السلام کے فرمان کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا بلکہ یہ مطالبہ کیا کہ امامؑ مالک اشتر کو جنگ سے روکنے کے لئے کسی شخص کو روانہ کریں۔ یہ مطالبہ اس وقت کیا گیا جب مالک اشتر لیلۃ الہریر کے دن شامی لشکر پر غالب آچکے تھے اور تھوڑی دیر میں امیر معاویہ کے خیمے میں داخل ہونے والے ہی تھے یعنی فتح سامنے نظر آرہی تھی۔

امام علیہ السلام نے مجبوراً مالک اشتر کو واپسی کا حکم دیا۔ مالک خونِ دل پیتے ہوئے واپس لوٹے۔ امام علیہ السلام کو قرآن کی ثالثی قبول کرنے کی دعوت دینے والوں اور مالک کے درمیان نزاع ہوا لیکن جب ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں تو امام نے حکمیت (ثالثی) قبول کر لی۔[1]

---

[1] وقعۃ الصفین ص ۴۸۹۔

ضمیمہ ۲۲

امیرالمومنینؑ اور بیت المال کی تقسیم

ابن ابی الحدید امیرالمومنین علیہ السلام کی حکومت کے آغاز میں بیت المال کی تقسیم کا واقعہ یوں لکھتے ہیں:

بیعت کے دوسرے دن امیرالمومنین نے ایک خطبہ دیا جس کے آخر میں لوگوں کو اطلاع دی کہ بیت المال میں کچھ اموال جمع ہوئے ہیں جنہیں تقسیم کیا جائے گا۔ اس لیے لوگ دوسرے دن آئیں اور اپنا اپنا حصہ حاصل کریں۔

دوسرے دن امام نے اپنے کاتب عبیداللہ بن ابی رافع سے فرمایا:

پہلے مہاجرین سے شروع کرنا۔ انہیں بلا کر ہر حاضر ہونے والے مرد کو تین دینار دینا۔ پھر انصار کا کام شروع کرنا اور ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کرنا۔ تمام حاضر ہونے والے سرخ وسیاہ کو بلا امتیاز اتنا ہی دے دینا۔

سہل بن حنیف نے کہا:

اے امیرالمومنین! یہ مرد کل میرا غلام تھا۔ آج میں نے اسے آزاد کیا ہے۔

فرمایا:

ہم اسے بھی اتنا ہی دیں گے جتنا تجھے۔

آپ نے ان دونوں کو تین تین دینار دیے اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی۔ اس دن طلحہ، زبیر، عبداللہ بن عمر، سعید بن عاص، مروان بن حکم، بعض قریشی حضرات اور کچھ دیگر تقسیم کے وقت حاضر نہیں ہوئے۔ عبیداللہ بن ابی رافع نے سنا کہ عبداللہ بن زبیر اپنے باپ زبیر نیز طلحہ، مروان اور سعید بن عاص سے کہہ رہا ہے:

کل علی نے جو گفتگو کی اس کا مقصد ہم سے پوشیدہ نہیں رہا۔

سعید بن عاص نے زید بن ثابت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

ہاں وہ دروازے سے خطاب کرتا ہے تاکہ دیوار کو سنائے۔

عبیداللہ بن ابی رافع نے سعید اور عبداللہ بن زبیر سے کہا:

اللہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: ''لیکن ان میں سے اکثر حق کو پسند نہیں کرتے۔''

پھر عبیداللہ بن ابی رافع نے علی علیہ السلام کو اس کی خبر دی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اللہ کی قسم اگر میں زندہ رہا تو میں انہیں درست اور روشن راستے پر چلاؤں گا۔ خدا سعید بن عاص کو ہلاک کرے۔ اس نے میری کل کی گفتگو سے اور اس کی طرف میری نگاہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ میری مراد وہ اور اس کے ساتھی ہیں۔ جو ہلاکت میں جا پڑے ہیں۔[1]

ضمیمہ ۲۳

ابن عباس کے نام امامؑ کا خط

ابن عباس کے نام امام کے مکتوب کا متن یہ ہے: ''اما بعد میں نے تجھے اپنی امانت (حکومت و اقتدار) میں شریک کیا اور تجھے اپنا ہمراز قرار دیا۔ تیری ہمدردی، تعاون اور امانتداری کے پیش نظر میں نے اپنے خاندان اور اپنے رشتہ داروں میں تجھ سے زیادہ قابل اطمینان کسی کو نہ پایا لیکن جونہی تو نے دیکھا کہ تیرے ابن عم پر کڑا وقت آیا ہے، دشمن مقابلے پر ڈٹ چکا ہے، لوگوں کے ہاں امانتداری اپنا مقام کھو چکی ہے، امت مسلمہ کا اختیار اس کے ہاتھوں سے نکل چکا ہے اور اس کی دادرسی کرنے والا موجود نہیں ہے تو اب تُو نے اپنے ابن عم کے ساتھ اپنے عہد و پیمان کی کایا پلٹ دی ہے، دوسروں کے ہمراہ اس سے دوری اختیار کی ہے، اس کی مدد سے ہاتھ کھینچنے والوں کی ہاں میں ہاں ملائی ہے اور خیانت کاروں کے ہمراہ اس سے خیانت برتی ہے۔

---

[1] دیکھئے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ ج ۷، ص ۳۷۔

تو نے نہ اپنے ابن عم کی مدد کی اور نہ امانت کا حق ادا کیا۔ گویا تیرا جہاد اللہ کی خاطر نہ تھا، گویا تو نے اپنے رب کی کسی حجت یا دلیل کا ملاحظہ نہیں کیا، گویا تو اس امت کے دنیوی حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے فریب کاری سے کام لیتا رہا ہے اور تیرا مقصد یہ تھا کہ انہیں فریب دے کر ان کے غنائم کو ہتھیا لے۔ پس جب امت مسلمہ کے ساتھ خیانت کا موقع میسر آیا تو تُو نے اس میں جلدی کی ہے اور فوراً ان کے بیت المال پر حملہ کیا ہے نیز امت مسلمہ کی بیوہ عورتوں اور یتیموں کے ان اموال کو چھین لیا ہے جو تیرے اختیار میں تھے، اس بھوکے بھیڑیے کی طرح جو ایک ایسے گوسفند کو اچک لیتا ہے جو زخمی ہوا اور اس کی ہڈیاں ٹوٹ چکی ہوں۔ پھر تو نے دل کھول کر ان اموال کو حجاز روانہ کیا ہے اور اس سلسلے میں گناہ کی پرواہ بھی نہیں کی ہے۔

تیرا دشمن یتیم ہو جائے، گویا تو اپنے ماں باپ کی میراث تیزی سے اپنے گھر منتقل کر رہا تھا۔ سبحان اللہ! کیا معاد پر تیرا ایمان نہیں؟ کیا تجھے قیامت کے کڑے حساب کا خوف نہیں؟ ہم تجھے خردمندوں میں شمار کرتے تھے لیکن تو جانتے بوجھتے حرام کھانے اور پینے پر کیونکر راضی ہے؟ تجھے یتیموں، ناداروں، مومنوں اور راہ خدا کے مجاہدوں کے اموال سے کنیزیں خریدنے اور عورتوں سے شادی رچانے کا کیا حق پہنچتا ہے (جبکہ تجھے علم ہے کہ) اللہ نے ان اموال کو ان لوگوں کا حق قرار دیا ہے اور انہی اموال کی مدد سے یہ مجاہدین اسلامی سرزمین کی حفاظت کرتے ہیں؟ خدا کا خوف کر اور ان لوگوں کے اموال انہیں واپس کر۔ اگر تو ایسا نہ کرے اور خدا نے مجھے موقع دیا تو میں اللہ کے حضور تیرے بارے میں اپنی ذمہ داری ادا کروں گا اور تجھے اپنی اس تلوار سے ضرب لگاؤں گا جس سے میں نے کسی کو نہیں مارا مگر یہ کہ وہ واصل جہنم ہو گیا۔ اللہ کی قسم اگر حسن اور حسین بھی یہ کام انجام دیتے تو میں ان کی بھی کوئی مدد اور حمایت نہ کرتا اور وہ میرے ارادے پر اثر انداز نہ ہو سکتے بلکہ میں ان سے حق لے لیتا اور ان کے ظلم کا قلع قمع کرتا۔

قسم ہے عالمین کے رب کی اگر وہ مال جو تو نے ہتھیا لیا ہے میرے لیے حلال

ہوتا تب بھی میں اسے اپنے وارثوں کے لئے بطور میراث چھوڑنا پسند نہ کرتا۔ پس اپنا ہاتھ روک لے، غور کر لے اور یہ خیال کر کہ گویا تیری زندگی کا آخری مرحلہ آ پہنچا ہے، تو خاک کے نیچے پنہاں ہو چکا ہے اور تیرے اعمال تیرے آگے رکھ دیئے گئے ہیں۔ اس مقام پر ستمگر بلند آواز سے حسرت کا اظہار کرے گا اور اپنی عمر ضائع کرنے والے واپسی کی درخواست کریں گے لیکن فرار اور چارہ گری کا راستہ مسدود ہو چکا ہوگا۔[1]

---

[1] نہج البلاغہ صبحی صالح، مکتوب ۴۱، ص ۴۱۳۔

■ مآخذ

۱۔الاحتجاج: احمد بن علی طبرسی (ق ۶) نشر مرتضی، مشہد، ایران، ۱۴۰۶ھ ق

۲۔الاخبار الطوال: دینوری (۲۸۲) منشورات شریف رضی، ط ۱

۳۔الاختصاص: شیخ مفید (۴۱۳) جامعہ مدرسین قم

۴۔الارشاد: شیخ مفید (۴۱۳) موسسہ آل البیت قم

۵۔ارشاد القلوب: ابومحمد حسن دیلمی (۷۷۱) منشورات شریف رضی

۶۔ الاستبصار: شیخ طوسی (۴۶۰) دارالکتب الاسلامیہ تہران

۷۔ الاستیعاب: ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳) دارالکتب العلمیہ بیروت ط ۱، ۱۴۱۵ق

۸۔اسد الغابہ: ابن اثیر جزری (۶۳۰) ارالکتب العلمیہ بیروت ط ۲، ۱۴۲۴ق

۹۔الاصابہ: ابن حجر عسقلانی (۸۵۲) دارالکتب العلمیہ بیروت ط ۱، ۱۴۱۵ق

۱۰۔اعلام الوری: امین الاسلام طبرسی (۵۴۸) دارالکتب الاسلامیہ، قم، ط ۳

۱۱۔اعیان الشیعہ: سید محسن امین، دارالتعارف، بیروت، ۱۴۰۶ق

۱۲۔اقبال الاعمال: سید ابن طاووس (۶۶۴) دارالکتب الاسلامیہ تہران

۱۳۔امالی: شیخ مفید (۴۱۳) جامعہ مدرسین قم

۱۴۔امالی: شیخ صدوق (۳۸۱) کتابخانہ اسلامیہ ط۴، ۱۳۶۲
۱۵۔امالی: شیخ طوسی (۴۶۰) دارالثقافہ قم، ۱۴۱۴ق
۱۶۔الامامة والسیاسة: ابن قتیبہ دینوری (۲۷۶) منشورات شریف رضی
۱۷۔صوت العدالة الانسانیة: جارج جرداق
۱۸۔انساب الاشراف: بلاذری (۲۷۹) دارالفکر، بیروت، ط۱، موسسۃ الاعلمی، بیروت
۱۹۔بحار الانوار: علامہ مجلسی (۱۱۱۰) موسسۃ الوفاء بیروت، ۱۴۰۴ق
۲۰۔بشارۃ المصطفی: محمد بن علی طبری (ق۶) المکتبۃ الحیدریۃ نجف، ط۲، ۱۳۸۳ق
۲۱۔البلد الامین: کفعمی (۹۰۵)
۲۲۔بہج الصباغہ: محمد تقی شوستری، انتشارات امیر کبیر تہران ط۱
۲۳۔پیام امام: ناصر مکارم شیرازی، دارالکتب الاسلامیہ، ط۱، ۱۳۷۵ق
۲۴۔تاریخ دمشق: ابن عساکر شافعی (۵۷۱) موسسۃ المحمودی بیروت، ط۲، ۱۳۹۸ق، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ق
۲۵۔تاریخ طبری: محمد بن جریر طبری (۳۱۰) موسسۃ الاعلمی بیروت
۲۶۔تاریخ المدینة: عمر بن شبہ النمیری (۲۶۲) دارالفکر قم
۲۷۔تاریخ یعقوبی: احمد بن جعفر یعقوبی (۲۸۴) منشورات شریف رضی
۲۸۔تاویل الآیات الظاهرہ: استرآبادی غروی (۱۰) جامعہ مدرسین قم
۲۹۔تذکرة الخواص: ابن جوزی (۶۵۴) مکتبہ نینوی الحدیثہ، تہران
۳۰۔تفسیر ابن کثیر: ابن کثیر دمشقی (۷۷۴) دارالمعرفہ بیروت ط۲، ۱۴۰۷ق
۳۱۔تفسیر کبیر: فخر رازی، ۶۰۶
۳۲۔تفسیر فرات: فرات کوفی، وزارت ارشاد اسلامی تہران، ۱۴۱۰ق
۳۳۔تفسیر قمی: علی بن ابراہیم قمی (۳۰۷) دارالکتاب قم، ط۳
۳۴۔تفسیر نہج البلاغہ: علامہ تقی جعفری، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، ط۵، ۱۳۷۵ش

۳۵۔تنبیہ الغافلین: فتح اللہ کاشانی (ق ۱۰) پیام حق تہران، ط ۱، ۱۳۷۸ش

۳۶۔التوحید: شیخ صدوق (۳۸۱) جامعہ مدرسین قم، ط۴

۳۷۔تہذیب الاحکام: شیخ طوسی (۴۶۰) دارالکتب الاسلامیہ، تہران، ط۴

۳۸۔جامع الاخبار: تاج الدین شعیری (ق ۶) منشورات شریف رضی، قم، ط۲

۳۹۔الجمل: شیخ مفید (۴۱۳) مکتب الاعلام الاسلامی، ط۲، ۱۴۱۶ق

۴۰۔جہاد اکبر: امام خمینی، دفتر نشر آثار امام خمینی

۴۱۔چہل حدیث: امام خمینی، مرکز نشر فرہنگی رجا

۴۲۔حیاۃ امیر المومنین عن لسانہ: محمد محمدیان، جامعہ مدرسین قم، ط۱

۴۳۔الخرائج والجرائح: قطب الدین راوندی (۵۷۳) موسسہ الامام المہدی قم، ط۱

۴۴۔خصائص الائمہ: سید رضی (۴۰۶) بنیاد پژوہشہای آستان قدس رضوی مشہد، ۱۴۰۶ق

۴۵۔الخصال: شیخ صدوق (۳۸۱) جامعہ مدرسین قم، ط۴

۴۶۔دعائم الاسلام: قاضی ابی حنیفہ النعمان (۳۶۳) دار المعارف مصر، ط۲، ۱۳۸۵ق

۴۷۔رجال کشی: شیخ طوسی (۴۶۰) دانشگاہ مشہد، ۱۳۴۸ش

۴۸۔روائع نہج البلاغہ: جارج جرداق، مرکز الغدیر للدراسات، ۱۳۷۵

۴۹۔روضۃ الواعظین: فتال نیشاپور (ق ۵، ۶) منشورات شریف رضی قم

۵۰۔سلیم بن قیس: تحقیق انصاری زنجانی، نشر الہادی قم، ۱۴۱۶ق

۵۱۔السیرۃ الحلبیۃ: حلبی شافعی (۱۰۴۴) دار احیاء التراث العربی بیروت

۵۲۔سیری در سیرہ ائمہ اطہار: شہید مطہری

۵۳۔سیمای کار گزاران علی: علی اکبر ذاکری، دفتر تبلیغات اسلامی قم، ط۲، ۱۳۷۵ش

۵۴۔شرح نہج البلاغہ: ابن ابی الحدید معتزلی (۶۵۵) دار الجیل بیروت، ۱۳۹۳ق

۵۵۔شرح نہج البلاغہ: میثم بن علی بن میثم بحرانی (ق ۷) دفتر نشر الکتاب، ط۲، ۱۳۶۲ش

۵۶۔شواہد التنزیل: حاکم حسکانی حنفی (ق ۵) وزارت ارشاد تہران، ۱۴۱۱ق

۵۷۔صحیفة الرضا : احمد بن عامر الطائی، کنگرہ جہانی امام رضا، ط۱
۵۸۔صحیفه علویه : عبداللہ بن صالح سماہیجی، انتشارات اسلامی، ط۳، ۱۳۶۹
۵۹۔الصراط المستقیم: علی بن یونس نباطی (۸۷۷) مکتبۃ الحیدریۃ نجف، ط۱
۶۰۔الطبقات الکبری: محمد بن سعد واقدی (۲۳۰) دار الکتب العلمیہ، بیروت، ط۱
۶۱۔الطرائف: سید ابن طاووس (۶۶۴) مطبعۃ الخیام قم، ۱۴۰۰ق
۶۲۔علل الشرائع: شیخ صدوق (۳۸۱) انتشارات داوری قم
۶۳۔العمده: ابن بطریق حلی (۶۰۰) جامعہ مدرسین قم، ۱۴۰۷ق
۶۴۔عوالی اللآلی: ابن ابی جمہور احسائی (۱۰) انتشارات سید الشہداء قم، ط۱
۶۵۔عیون اخبار الرضا: شیخ صدوق (۳۸۱) دار العلم قم، ۱۳۷۷
۶۶۔الغارات: الثقفی (۲۸۳) دار الکتاب الاسلامی، ط۱، ۱۴۱۰ق
۶۷۔الغدیر: علامہ امینی (۱۳۹۰) دار الکتاب العربی بیروت، ط۴، ۱۳۹۷ق
۶۸۔غرر الحکم: عبد الواحد تمیمی آمدی، ترجمہ انصاری، ط۸
۶۹۔فتح الباری: ابن حجر عسقلانی (۸۵۲) دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر بیروت، ط۳
۷۰۔الفتوح: ابن اعثم کوفی (۳۱۴) دار الفکر بیروت، ط۱، ۱۴۱۲ق
۷۱۔فرحة الغری: سید عبد الکریم بن طاووس (۶۹۳) انتشارات رضی قم
۷۲۔الفضائل: شاذان بن جبرئیل قمی (ق۵،۴) منشورات شریف رضی، قم، ط۲
۷۳۔فضائل الشیعة: شیخ صدوق (۳۸۱) انتشارات اعلمی تہران
۷۴۔فهرست نسخه های خطی کتابخانه آیت الله گلپائگانی: چاپخانہ خیام قم، ۱۳۵۷ش
۷۵۔الکافی: شیخ کلینی (۳۲۹) دار الکتب الاسلامیہ تہران، ۱۳۸۸ق
۷۶۔الکامل فی التاریخ: ابن اثیر (۶۳۰) دار صادر بیروت، ط۱، ۱۳۹۹ق
۷۷۔کشف الغمة: علی بن عیسی اربلی (۶۹۳) سوق المسجد الجامع تبریز
۷۸۔کشف الیقین: علامہ حلی (۷۲۶) وزارت ارشاد اسلامی، ط۱، ۱۴۱۱ق

۷۹۔ کفایة الاثر :علی بن محمد رازی (ق۴) انتشارات بیدار، قم
۸۰۔ کنز العمال :متقی ہندی (۹۷۵) موسسۃ الرسالۃ بیروت، ط۵، ۱۴۰۵ق
۸۱۔ کنز الفوائد :محمد بن علی الکراجکی (۴۹۹) دار الاضواء بیروت، ۱۴۰۵ق
۸۲۔ مأة منقبة :ابن شاذان (قرن۴،۵) موسسہ انصاریان قم
۸۳۔ مثنوی معنوی :مولانا روم نسخہ نکلسن، انتشارات مولی تہران
۸۴۔ مجمع الزوائد :علی بن ابی بکر ہیثمی (۸۰۷) دار الفکر بیروت، ۱۴۰۸ق
۸۵۔ مجموعه مقالات :جبران خلیل جبران
۸۶۔ مجموعه ورام :ابن ابی فراس (۶۰۵) انتشارات مکتبۃ الفقیہ قم
۸۷۔ المحاسن :البرقی (۲۸۰) دار الکتب الاسلامیہ قم، ط۲
۸۸۔ معجم البلدان :الحموی (۶۲۶) دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۹۹ق
۸۹۔ مروج الذهب :مسعودی (۳۴۶) دار الکتب العلمیہ بیروت، ط۱
۹۰۔ المسترشد :محمد بن جریر طبری (قرن۴) المکتبۃ الحیدریۃ نجف
۹۱۔ مسند احمد :احمد بن حنبل (۲۴۱) دار الحدیث قاہرہ، ط۱، ۱۴۱۱ق
۹۲۔ مشکاة الانوار :علی بن حسن طبرسی (قرن۶) مکتبۃ الحیدریہ، نجف، ط۲
۹۳۔ مصباح المتهجد :شیخ طوسی (۴۶۰) موسسہ فقہ الشیعہ بیروت ط۱، ۱۴۱۱ق
۹۴۔ معانی الاخبار :شیخ صدوق (۳۸۱) جامعہ مدرسین قم
۹۵۔ مقتل خوارزمی :موفق بن احمد خوارزمی (۵۶۳) انتشارات انوار الہدی قم، ط۲، ۱۴۲۳ق
۹۶۔ مکارم الاخلاق :حسن بن فضل طبرسی، منشورات الشریف الرضی قم، ط۴
۹۷۔ المناقب :ابن مغازلی شافعی (۴۸۳) المکتبۃ الاسلامیہ تہران
۹۸۔ مناقب آل ابی طالب :ابن شہر آشوب (۵۸۸) موسسہ انتشارات علامہ قم، ۱۳۷۹ق
۹۹۔ مناقب خوارزمی :موفق بن احمد خوارزمی (۵۶۳) جامعہ مدرسین قم
۱۰۰۔ المناقب المرتضویه :کشفی حنفی

۱۰۱۔منہاج البراعة: حبیب اللہ ہاشمی خوئی، مکتبہ اسلامیہ تہران، ط۴، ۱۳۸۵ش
۱۰۲۔نہج البلاغہ صبحی صالح: سید رضی (۴۰۶) دار الہجرہ قم
۱۰۳۔نہج البلاغہ: محمد مقیمی، انتشارات مہتاب تہران، ط۱
۱۰۴۔وسائل الشیعہ: شیخ حر عاملی (۱۱۰۴) موسسہ آل البیت قم، ط۱، ۱۴۰۹ق
۱۰۵۔وقعة الصفین: نصر بن مزاحم (۲۱۲) منشورات مکتبہ آیۃ اللہ مرعشی، قم
۱۰۶۔الیقین: سید بن طاووس (۶۶۴) موسسہ دار الکتاب قم، ط۱، ۱۴۱۳ق

حوالہ جات

۱۔ ولادت علوی کے موقع پر خطاب (۶_۱۰_۱۳۷۲)

۲۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۲۱ رمضان بمطابق ۱۴_۱۱_۱۳۷۵)

۳۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱_۴_۱۳۶۳)

۴۔ ولادت علوی کے موقع پر مختلف لوگوں سے خطاب (۳۰_۶_۱۳۸۱)

۵۔ ولادت علوی کے موقع پر خطاب (۱۷_۱۰_۱۳۷۱)

۶۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۸_۴_۱۳۶۸)

۷۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱۰_۱۰_۱۳۷۸)

۸۔ نماز جمعہ (تہران) کے خطبات سے ماخوذ (۱۶_۱_۱۳۷۰)

۹۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۲۵_۴_۱۳۶۰)

۱۰۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱۶_۱_۱۳۷۰)

۱۱۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱۹ رمضان ۱۴۱۶ بمطابق ۲۰_۱۱_۱۳۷۴)

۱۲۔ ولادت حضرت علیؑ کی مناسبت سے گفتگو (۱۰_۱۱_۱۳۶۹)

۱۳۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۲۱ رمضان بمطابق ۱۴_۱۱_۱۳۷۵)

۱۴۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۷_۱_۱۳۷۱)

۱۵۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۲۱ رمضان بمطابق ۱۴_۱۱_۱۳۷۵)

۱۶۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۲۱ رمضان بمطابق ۱۴_۱۱_۱۳۷۵)

۱۷۔ ولادت حضرت علی علیہ السلام کی مناسبت سے گفتگو (۲۹_۱۰_۱۳۷۰)

۱۸۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱۹ رمضان ۱۴۱۶ھ ق بمطابق ۲۰_۱۱_۱۳۷۴)

۱۹۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۹_۳_۱۳۵۹)

۲۰۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۲۵_۴_۱۳۶۰)

۲۱۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱۹ رمضان ۱۴۱۶ھ ق مطابق ۲۰_۱۱_۱۳۷۴)

۲۲۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ۔ تہران (۱۶_۱_۱۳۷۰)

۲۳۔ ولادت زہراء کی مناسبت سے گفتگو (۳_۹_۱۳۷۳)

۲۴۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ خطبہ (۷_۱_۱۳۷۱)

۲۵۔میلادِ امام علیؑ کی مناسبت سے گفتگو (۳۰۔۶۔۱۳۸۱)
۲۶۔مشہد میں عظیم عوامی اجتماع سے خطاب (۱۔۱۔۱۳۸۰)
۲۷۔فوجی آفیسروں سے خطاب (۲۸۔۱۔۱۳۸۰)
۲۸۔سال امام علیؑ کمیٹی کے اراکین سے خطاب (۱۸۔۸۔۱۳۷۹)
۲۹۔میلاد حضرت علیؑ کی مناسبت سے خطاب (۲۹۔۱۰۔۱۳۷۰)
۳۰۔نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۹۔۳۔۱۳۶۵)
۳۱۔نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۹۔۳۔۱۳۶۵)
۳۲۔نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۹۔۳۔۱۳۶۵)
۳۳۔نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۹۔۳۔۱۳۶۵)
۳۴۔نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۹۔۳۔۱۳۶۵)
۳۵۔نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۹۔۳۔۱۳۶۵)
۳۶۔۱۳ آبان کی مناسبت سے طلباء سے خطاب (۸۔۲۔۱۳۶۸)
۳۷۔نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ۔۱۳ آبان (۱۲۔۸۔۱۳۷۷)
۳۸۔نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱۷۔۳۔۱۳۶۴)
۳۹۔نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱۹ رمضان ۱۴۱۶ بمطابق ۲۰۔۱۱۔۱۳۷۴)
۴۰۔نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۲۲ رمضان بمطابق ۱۰۔۱۰۔۱۳۷۸ھ ش)
۴۱۔شہدائے ۷ تیر کے لواحقین سے خطاب (۱۲۔۴۔۱۳۶۲)
۴۲۔نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۲۱ رمضان بمطابق ۱۲۔۱۱۔۱۳۷۵)
۴۳۔میلاد حضرت علیؑ کی مناسبت سے خطاب (۶۔۱۰۔۱۳۷۲)
۴۴۔نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۲۱ رمضان بمطابق ۱۲۔۱۱۔۱۳۷۵)
۴۵۔شہدائے ۷ تیر کے لواحقین سے خطاب (۱۲۔۴۔۱۳۶۲)
۴۶۔"علی اور قرآن" کے موضوع پر خطاب (۲۱ رمضان بمطابق ۳۰۔۲۔۱۳۶۶)
۴۷۔محرم کی آمد کی مناسبت سے علماء سے خطاب (۲۶۔۴۔۱۳۷۵)
۴۸۔تہران کے بعض اساتید، بابل کے ایجوکیشن کالج کے طلبا اور "انجمن اسلامی کارخانہ جات" سے خطاب (۱۱۔۴۔۱۳۶۲)
۴۹۔نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱۰۔۱۰۔۱۳۷۸)
۵۰۔نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۷۔۱۔۱۳۷۱)
۵۱۔ولادت علیؑ کے دن سرکاری اہلکاروں اور لوگوں سے خطاب (۱۷۔۱۰۔۱۳۷۱)
۵۲۔نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۷۔۱۔۱۳۷۱)
۵۳۔۲۹ رمضان کو عوام سے ملاقات کے دوران خطاب (۲۶۔۱۔۱۳۷۰)
۵۴۔خطبہ نماز جمعہ ۲۲ رمضان یوم القدس سے خطاب (۱۰۔۱۰۔۱۳۷۸)
۵۵۔میلاد حضرت علیؑ کے موقع پر خطاب (۱۰۔۱۱۔۱۳۶۹)
۵۶۔مجلس شورای اسلامی (پارلیمنٹ) کے اراکین سے خطاب (۸۔۳۔۱۳۷۲)
۵۷۔ولادت حضرت زہراؑ کی مناسبت سے ذاکروں سے خطاب (۲۸۔۱۰۔۱۳۶۸)
۵۸۔۲۹ رمضان کو لوگوں کے مختلف طبقات سے خطاب (۲۶۔۱۔۱۳۷۰)
۵۹۔نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ۔تہران (۱۲۔۱۔۱۳۷۰)

۶۰۔ میلاد امام علیؑ کے موقع پر خطاب (۵_۹_۱۳۷۵)

۶۱۔ تفسیر قرآن کی محفل سے خطاب (۷_۱۱_۱۳۶۲)

۶۲۔ "علی در قرآن" کے موضوع پر خطاب۔ (۲۱ رمضان بمطابق ۳۰_۲_۱۳۶۶)

۶۳۔ لوگوں کے مختلف طبقات سے ملاقات میں خطاب (۲۹ رمضان بمطابق ۲۶_۱_۱۳۷۰)

۶۴۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۹_۳_۱۳۵۹)

۶۵۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۹_۳_۱۳۵۹)

۶۶۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۹_۳_۱۳۵۹)

۶۷۔ امام حسین علیہ السلام چھاونی کے جانبازوں سے خطاب (۳۰_۳_۱۳۶۳)

۶۸۔ ۲۱ رمضان کی رات نماز جمعہ کے منتظمین سے خطاب (۹_۳_۱۳۶۵)

۶۹۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱۰_۱۰_۱۳۷۸)

۷۰۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۷_۱_۱۳۷۱)

۷۱۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۹_۳_۱۳۵۹)

۷۲۔ ۷ تیر کے شہداء کے لواحقین کے ساتھ افطار پر خطاب (۳۱_۳_۱۳۶۳)

۷۳۔ ۲۰ رمضان کے دن صدارتی ایوان میں خطاب (۱۷_۲_۱۳۶۷)

۷۴۔ میلاد علوی پر عوام، حکام اور اہلکاروں سے خطاب (۱۰_۱۱_۱۳۶۹)

۷۵۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱_۴_۱۳۶۳)

۷۶۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱_۴_۱۳۶۳)

۷۷۔ ۲۰ رمضان کے دن ایوان صدر میں خطاب (۱۷_۲_۱۳۶۷)

۷۸۔ ولادت علوی کے دن لوگوں اور سرکاری اہلکاروں سے خطاب (۱۷_۱۰_۱۳۷۱)

۷۹۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۸_۲_۱۳۶۸)

۸۰۔ شب ۲۱ رمضان کی مناسبت سے خطاب (۳۰_۲_۱۳۶۶)

۸۱۔ میلاد علی علیہ السلام کے موقع پر ملاقاتوں سے خطاب (۵_۹_۱۳۷۵)

۸۲۔ خطبہ نماز جمعہ (۱۹ رمضان ۱۴۱۶_۲۰_۱۱_۱۳۷۴)

۸۳۔ خطبہ نماز جمعہ (۲۴_۱_۱۳۶۳)

۸۴۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱۹ رمضان ۱۴۱۶ق بمطابق ۲۰_۱۱_۱۳۷۴)

۸۵۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱۹ رمضان ۱۴۱۶ق بمطابق ۲۰_۱۱_۱۳۷۴)

۸۶۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱۹ رمضان ۱۴۱۶ق_۲۰_۱۱_۱۳۷۴)

۸۷۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱۹ رمضان ۱۴۱۶ق بمطابق ۲۰_۱۱_۱۳۷۴)

۸۸۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱۹ رمضان ۱۴۱۶ق بمطابق ۲۰_۱۱_۱۳۷۴)

۸۹۔ شہادت امام صادق علیہ السلام کی مناسبت سے قم کے طلاب سے خطاب (۱۹_۳_۱۳۶۷)

۹۰۔ اواخر رمضان کی مناسبت سے ایوان صدارت میں خطاب (۲۶_۲_۱۳۶۷)

۹۱۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۹_۳_۱۳۶۵)

۹۲۔ میلاد حضرت علیؑ کی مناسبت سے خطاب (۶_۱۰_۱۳۷۲)

۹۳۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۲۵_۲_۱۳۶۰)

۹۴۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۲۶_۱_۱۳۷۹)

۹۵۔ ۲۰ رمضان المبارک کی مناسبت سے خطاب (۷_۲_۱۳۶۸)

۹۶۔ نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۲۴_۱_۱۳۶۳)

۹۷_۲۱ رمضان کو "علی در قرآن" کے موضوع پر خطاب (۳۰_۲_۱۳۶۶)
۹۸_نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱_۴_۱۳۶۳)
۹۹_نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱_۴_۱۳۶۳)
۱۰۰_نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۲۴_۱_۱۳۶۳)
۱۰۱_نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۷_۱_۱۳۷۱)
۱۰۲_نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۲۵_۲_۱۳۶۰)
۱۰۳_نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱_۴_۱۳۶۳)
۱۰۴_شب ۲۱ رمضان_نماز جمعہ (۹_۳_۱۳۶۵)
۱۰۵_نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۲۴_۱_۱۳۶۳)
۱۰۶_امام رضا علیہ السلام کے حرم میں خطاب (۱_۱_۱۳۸۰)
۱۰۷_خطبہ نماز جمعہ (۲۴_۱_۱۳۶۳)
۱۰۸_خطبہ نماز جمعہ (۲۱ رمضان بمطابق ۱۲_۱۱_۱۳۷۵)
۱۰۹_خطبہ نماز جمعہ (۷_۱_۱۳۷۱)
۱۱۰_میلاد علی کی مناسبت سے خطاب (۶_۱۰_۱۳۷۲)
۱۱۱_خطبہ نماز جمعہ (۸_۲_۱۳۶۸)
۱۱۲_نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۱۹ رمضان ۱۴۱۶ بمطابق ۲۰_۱۱_۱۳۷۴)
۱۱۳_میلاد علی کی مناسبت سے خطاب (۵_۹_۱۳۷۵)
۱۱۴_خطبہ نماز جمعہ (۸_۲_۱۳۶۸)
۱۱۵_خطبہ نماز جمعہ (۱۹ رمضان ۱۴۱۶ بمطابق ۲۰_۱۱_۱۳۷۴)
۱۱۶_خطبہ نماز جمعہ (۷_۱_۱۳۷۱)
۱۱۷_میلاد علی کی مناسبت سے خطاب (۶_۱۰_۱۳۷۲)
۱۱۸_خطبہ نماز جمعہ (۹_۳_۱۳۵۶)
۱۱۹_نماز جمعہ ۲۲ رمضان اور یوم القدس کی مناسبت سے خطاب (۱۰_۱۰_۱۳۷۸)
۱۲۰_نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۷_۱_۱۳۷۱)
۱۲۱_میلاد حضرت علیؑ پر عوام کے مختلف طبقات سے خطاب (۲۹_۱۰_۱۳۷۰)
۱۲۲_میلاد حضرت علیؑ پر عوام کے مختلف طبقات سے خطاب (۲۹_۱۰_۱۳۷۰)
۱۲۳_میلاد حضرت علیؑ کے موقع پر عام ملاقاتیوں سے خطاب (۶_۱۰_۱۳۷۲)
۱۲۴_خطبہ نماز جمعہ (۲۵_۹_۱۳۷۹)
۱۲۵_نئے سال (۱۳۷۹) کی آمد کی مناسبت سے خطاب (۱_۱_۱۳۷۹)
۱۲۶_سال امام علی علیہ السلام کمیٹی کے اراکین سے خطاب (۱۸_۸_۱۳۷۹)
۱۲۷_میلاد علی علیہ السلام کے موقع پر لوگوں کے مختلف طبقات سے خطاب (۵_۹_۱۳۷۵)
۱۲۸_جنگی محاذوں پر جانے والوں سے خطاب (۳۰_۳_۱۳۶۳)
۱۲۹_نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (تہران ۲۲ رمضان بمطابق ۱۰_۱۰_۱۳۷۸)
۱۳۰_میلاد علی علیہ السلام کے موقع پر لوگوں کے مختلف طبقات سے خطاب (۳۰_۶_۱۳۸۱)
۱۳۱_امام رضا علیہ السلام کے حرم میں عوام اور زائرین کے عظیم اجتماع سے خطاب (۱_۱_۱۳۸۰)
۱۳۲_نماز جمعہ کے خطبات سے ماخوذ (۲۱ رمضان ۱۴۲۲ ق بمطابق ۱۶_۹_۱۳۸۰)
۱۳۳_امام رضا علیہ السلام کے زائرین اور مجاورین کے عظیم اجتماع سے خطاب (۱۲_۱۲_۱۳۸۰)

فہرست

■ تیسری فصل

■ چوتھی فصل

■ پانچویں فصل

■ چھٹی فصل

دسویں فصل

گیارہویں فصل

بارہویں فصل

■ تیرہویں فصل

■ چودہویں فصل

■ پندرہویں فصل

■ سولہویں فصل

■ سترہویں فصل

■ اٹھارہویں فصل

انیسویں فصل

بیسویں فصل

■ اکیسویں فصل

■ بائیسویں فصل

■ تیئسویں فصل

■ چوبیسویں فصل

پچیسویں فصل

چھبیسویں فصل

مترجم کے دیگر تراجم

۱۔ معالم المدرستین جلد۱ (عربی)
(اسلام کے دو مکاتب کا تقابلی جائزہ)
علامہ مرتضیٰ عسکری۔ البلاغ المبین اسلام آباد پاکستان۔

۲۔ معالم المدرستین جلد۲ (عربی)
(اسلام کے دو مکاتب کا تقابلی جائزہ)
علامہ مرتضیٰ عسکری۔ البلاغ المبین اسلام آباد پاکستان۔

۳۔ سیری در نہج البلاغہ (فارسی)
(اسرار نہج البلاغہ)
شہید مطہری۔ دار الثقافہ، کراچی، پاکستان

۴۔ الائمۃ الاثنا عشر (عربی)
(ائمہ معصومین کی سیاسی زندگی کا تحقیقی جائزہ)
عادل ادیب۔ البلاغ المبین اسلام آباد

۵۔ الصحیح من سیرۃ النبی جلد۳ (عربی)
جعفر مرتضیٰ عاملی۔ معارف اسلام، قم ایران۔

۶۔ اخلاق عملی (فارسی)
آیت اللہ مہدوی کنی۔ معارف اسلام، قم ایران۔

۷۔ روشہا (فارسی)
جواد محدثی۔ معارف اسلام، قم، ایران

۸۔ آنچہ والدین باید بدانند (فارسی)
رضا فرہادیان۔ معارف اسلام، قم ایران۔

۹۔ آفتاب ولایت (فارسی)
آیت اللہ مصباح یزدی۔ موسسہ امام خمینیؒ قم ایران۔

۱۰۔ آذرخش کربلا (فارسی)
آیت اللہ مصباح یزدی۔ موسسہ امام خمینیؒ قم ایران۔

۱۱۔ معارف قرآن (فارسی)
آیت اللہ مصباح یزدی۔ موسسہ امام خمینیؒ، ایران۔

۱۲۔ شرح حدیث جنود عقل وجہل (فارسی)
امام خمینیؒ۔ موسسہ نشر آثار امام خمینی، ایران۔

۱۳۔ امامت وانسان کامل (فارسی)
امام خمینیؒ۔ موسسہ نشر آثار امام خمینی، ایران۔

۱۴۔ تفسیر وشواہد قرآنی (فارسی)
امام خمینیؒ۔ موسسہ نشر آثار امام، ایران۔

۱۵۔ رسالۃ الحقوق امام سجاد (عربی)
البلاغ المبین، اسلام آباد پاکستان۔

۱۶۔ الزواج الموقت (عربی)
مجمع جہانی۔ البلاغ المبین، اسلام آباد پاکستان۔

۱۷۔ المسح علی الارجل (عربی)
مجمع جہانی۔ البلاغ المبین، اسلام آباد پاکستان

۱۸۔ البکاء علی المیت (عربی)
مجمع جہانی۔ البلاغ المبین، اسلام آباد پاکستان

۱۹۔ الصلاۃ فی السفر (عربی)
مجمع جہانی۔ البلاغ المبین، اسلام آباد پاکستان

۲۰۔ الاحتفال بذکری۔۔۔ (عربی)
مجمع جہانی۔ البلاغ المبین، اسلام آباد پاکستان

۲۱۔ حج چیست ؟ (فارسی)
دکتر افروز۔ دانشگاہ تہران، ایران۔

۲۲۔ آنچہ مربیان باید بدانند (فارسی)
فرہادیان، معارف اسلام، قم ایران۔

۲۳۔ آئین انقلاب اسلامی (فارسی)
امام خمینیؒ۔ موسسہ نشر آثار امام، قم ایران۔

۲۴۔ جامعہ و تاریخ
آیۃ اللہ مصباح یزدی۔ موسسہ پژوہشی امام خمینیؒ

۲۵۔ نقش نگار (فارسی)
آیۃ اللہ خامنہ ای۔ جامعۃ النجف سکردو پاکستان۔

۲۶۔ تہاجم فرہنگی (فارسی)
آیت اللہ مصباح یزدی۔ موسسہ امام خمینیؒ قم ایران۔

۲۷۔ جاودانہ تاریخ (فارسی)
آیۃ اللہ خامنہ ای۔ جامعۃ النجف سکردو

۲۸۔ لقاء اللہ (فارسی)
علامہ مصطفوی

۲۹۔ تفسیر روشن جلد ۱۵ (فارسی)

۳۰۔ تفسیر روشن جلد ۱۶ (فارسی)

۳۱۔ تہذیب نفس و سیر و سلوک۔ امام خمینیؒ

۳۲۔ مسئلہ حجاب۔ شہید مطہری

■ جامعۃ النجف کی دیگر مطبوعات

● علی کا راستہ۔ ۱

یہ کتاب امام اول علیہ السلام کی زندگی کے تاریخی گوشوں کے بارے میں حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای کے بیانات پر مشتمل کتاب "نقش نگار" کا ترجمہ ہے۔ تدوین و ترتیب و تحقیق: حجۃ الاسلام محمد محمدیان۔ مترجم: حجۃ الاسلام شیخ محمد علی توحیدی۔ علیؑ کی پیروی کے دلدادہ مسلمانوں کے لئے ایک بیش بہا فکری و عملی نسخہ۔ اعلیٰ کاغذ اور بہترین طباعت۔ طبع دوم: ۲۰۱۰ء۔

● مہدی موعود

یہ امام عصر علیہ السلام کے بارے میں بارہ سو سوالات اور ان کے جوابات پر مشتمل ہے جو جامعہ نجف کے استاد اور دانشور حجۃ الاسلام شیخ سجاد حسین کی تالیف ہے۔ اب تک کئی بار چھپ چکی ہے۔ کم وقت میں زیادہ معلومات لینے نیز کوئز پروگراموں اور مقابلوں کے لئے نادر تحفہ ہے۔

● امام علی

یہ کتابچہ امام اول علی علیہ السلام کے بارے میں چار سو سوالات اور ان کے جوابات پر مشتمل ہے۔ جسے نوجوان نسل کے درمیان کوئز مقابلوں کے لیے خصوصی طور پر ترتیب دیا گیا ہے۔

عالم اسلام کے واحد مثالی نظریاتی نظام (نظام ولایت فقیہ)

کے سپریم لیڈر۔

عصر حاضر کا واحد رہبر جو حاکم ہونے کے علاوہ

عظیم فقیہ، مجتہد اور مرجع تقلید بھی ہیں۔

وہ واحد رہبر جس کا انتخاب اعلیٰ قرآنی اُصولوں اور

اسلامی میرٹ کی سخت ترین شرائط کے مطابق عمل میں آیا۔

وہ گوہر یگانہ جو بانی انقلاب، خمینی بت شکن کی جانشینی اور

منصب ولایت فقیہ کے لئے سب سے مناسب فرد قرار پائے۔

وہ رہبر عادل جو فقہ، اصول، حدیث، ادب، فلسفہ، تفسیر، اور متعدد دیگر علوم میں ید طولی رکھتے ہیں۔

وہ مثالی قائد جو عالمی سروے کے مطابق پوری دنیا کی محبوب ترین شخصیت محسوب ہوتے ہیں۔

وہ خاک نشین حاکم جو علی علیہ السلام کی طرح الٰہی اہداف سے عاری حکمرانی کو وبال سمجھتے ہیں۔

وہ مثالی لیڈر جو فقیروں کا ساتھی، بے نواؤں کا ہمدم اور خاک نشینوں کا ہمنشین ہے۔

امت کا وہ شفیق اور مہربان سرپرست جو پاکستانی سیلاب زدگان کے غم میں آنسو بہاتے ہیں۔

دعوت محمدی، عدل علوی اور ''لاشرقی لاغربی'' کا پرچم تھامے طاغوتی طاقتوں سے نبرد آزما مجاہد۔

محراب عبادت کی زینت، میدان جہاد کا سپاہی، میدان خطابت کا شہسوار اور اتحاد امت کی پہچان۔

وہ مومن آگاہ جس کی دور اندیشی، سیاسی بصیرت اور تیز نگاہی سے انبیاء و اولیاء کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

وہ مرد حر جس کی شجاعت و غیرت کے باعث اسلامی جمہوریہ ایران اغیار کی مداخلت سے محفوظ ہے۔

امام خمینی کا سچا جانشین جو سفینہ انقلاب کو اندرونی و بیرونی فتنوں اور عالمی شیطانی سازشوں سے بچا کر

جادہ ترقی و کمال پر گامزن رکھنے میں سو فیصد کامیاب ہوا۔

امام زمانہ کا وہ سچا سپاہی جو اشداء علی الکفار رحماء بینھم کا سچا مصداق ہے۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم   دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

Jamia tun Najaf
Publication Department
Skardu, Baltistan, Pakistan
Phone: +92-581-545-3387
E-mail: jnajafskd@yahoo.com

ISBN: 978-969-9450-01-3